محمود المواعظ

(جلد دوم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی

مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:........................ محمود المواعظ (جلد دوم)

افادات:.............. حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:............ مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:.. ۴۳۲

ناشر:................. مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت کے بیانات، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo:99133,19190
- شعبۂ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838
- مکتبۂ انور (مفتی عبد القیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo:99246,93470
- مکتبہ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo:88666,21229
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ Mo: 9925652499
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند Mo:98972,96985
- الامین کتابستان، دیوبند Mo: 9557515199
- مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)

اجمالی فہرست مضامین...... جلد دوم

تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد دوم

تربیتِ اولاد(۱)

تربیتِ اولاد (۲)

اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں ناکام کیوں رہتی ہیں؟

اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار

جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں (۲)

اسلامی معاشرت: حقوق اور آداب

تقویٰ کیا ہے؟

(۱)مدنی زندگی کی ابتدا میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام

(۲)حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کے خطبات ومواعظ کی پہلی جلد بہ نام ''محمود المواعظ'' مفتی فرید احمد صاحب زید مجدہم کی کاوش سے حضرت کے متوسلین وقارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں، اب لیجیے دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس کی ترتیب وتبویب کی سعادت ''مفتاح العلوم تراج'' کے مدرس: مولانا عظیم الدین ارنالوی زید مجدہم کے حصے میں آئی۔ فجزاهم الله تعالیٰ فی الدارین أحسن الجزاء. اور مزید چند جلدوں کا مسودہ تیار ہے، جو نظرِ ثانی کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز.

اِس کتاب کی اولین شکل تقریر اور صَوت کی تھی جسے تحریر کا جامہ پہنایا گیا ہے؛ اِس لیے تبدیلیٔ جامہ اور اسلوبِ تحریر میں اگر کوئی فروگذاشت در آئی ہو تو قارئین سے گذارش ہے کہ: مطلع فرمائیں؛ تاکہ آئندہ اس کا تدارک کیا جا سکے۔

جملہ مستفدین سے گذارش ہے کہ: اگلی جلدوں کے کام کی آسانی اور تکمیل کے لیے دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔

ناظم مکتبہ محمودیہ، محمود نگر

انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

اقتباس

آج جس جس کے پاس جو جو ذمہ داری ہے، اہلِ علم کے پاس علم کی ذمہ داری ہے، اہلِ مال کے پاس مال کی ذمہ داری ہے، ہر آدمی کے پاس اس کا وجود، اس کا جسم، اس کے اعضاء، اس کی صلاحیتیں، یہ ساری چیزیں ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں اور ان امانتوں کی ادائگی اور ان کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اگر اس کی ادائگی میں ہم کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوگی، ہر ایک کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی امانت موجود ہے؛ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ کہ ہر ایک تم میں سے ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری اس کے حوالہ کی گئی اور اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک فرد بھی آپ کی ماتحتی میں نہیں ہے تب بھی آپ اپنے جسم پر، اپنے اعضاء پر، اپنی صلاحیتوں پر نگران ہیں اور ان کو اللہ کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق استعمال کرنا ہے، ہر شخص کو اس امانت کو ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [النساء:۵۸]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَ إِيمَانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ (۱).

آیتِ امانت کا شانِ نزول

یہ آیتِ کریمہ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو کعبۃ اللہ کے کلید بردار یعنی جن کے پاس کعبۃ اللہ کی چابی رہتی تھی، حضرت عثمان بن طلحہ (۲) تھے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ چابی لے آؤ۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي الْإِيفَاءِ بِالْعُقُودِ.

(۲) تفسیرِ مظہری، رازی، البحر المحیط وغیرہ اکثر کتابوں میں ان کا نام عثمان بن طلحہؓ مذکور ہے: عن مجاهد قال نزلت هذه الآية في عثمان بن طلحة أخذ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منه مفتاح الكعبة (التفسیر المظہری)۔ جب کہ ⬅

ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کے اندر داخلہ کا ارادہ فرمایا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطالبہ کیا کہ کھول دیں تا کہ اندر جاسکوں، انھوں نے منع کر دیا، انکار کر دیا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عثمان ایک وقت آئے گا کہ یہ چابی میرے پاس ہوگی اور میں جس کو چاہوں عطا کروں گا۔

کعبۃ اللہ کی مختلف خدمتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی یہ بات پوری فرمائی، فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چابی لانے کا حکم دیا، انھوں نے چابی لاکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا اور اندر تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو تمام مکہ والے حرم کے اندر جمع ہو چکے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں چابی تھی، قریش ایک بڑا قبیلہ تھا جس کے ماتحت مختلف خاندان تھے اور ہر خاندان کے متعلق کوئی نہ کوئی ایسی خدمت تھی جس کو وہ خاندان اپنے لیے سرمایۂ فخر سمجھتا تھا، چنانچہ قریش میں بنو ہاشم جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان تھا، ان کے ذمہ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری تھی اور بنوشیبہ کے ذمہ کعبۃ اللہ کی کلید برداری یعنی کعبۃ اللہ کی چابی ان کے پاس رہا کرتی تھی۔

➲ قرطبی وغیرہ بعض کتابوں میں عثمان بن ابی طلحہ مذکور ہے: ذلك خطاب للنبي صلى الله عليه وآله وسلم خاصة في أمر مفتاح الكعبة حين أخذه من عثمان بن أبي طلحة الحجبي العبدري من بني عبد الدار ومن ابن عمه شيبة بن عثمان بن أبي طلحة (تفسیر قرطبی ۵/۲۵۶)

اسلام کی وسیع ظرفی

جب نبیٔ کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے اندر سے نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے، آپ کے دستِ مبارک میں چابی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ (۱) نے کھڑے ہوکر درخواست کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ چابی آپ ہمیں عنایت فرمایئے؛ تاکہ ہمارے پاس جس طرح سقایہ کا منصب ہے، اسی طرح یہ کلید برداری یعنی کعبہ کی حجابی، دربانی کا بھی منصب ہمیں حاصل ہوجائے۔ اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو یہ حکم کرتے ہیں کہ آپ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کریں، چناں چہ نبی کریم ﷺ نے باوجود اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنو ہاشم کی طرف سے نمائندہ بن کر مطالبہ کیا تھا پھر بھی چابی حضرت عثمان بن شیبہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی یہ فرماتے ہوئے کہ یہ میں نہیں دے رہا ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے اور خذھا خالدۃ تالدۃ(۱) کہ یہ

(۱) درمنثور (۴/۴۹۵) قرطبی (۵/۲۵۶) بغوی (۲/۲۳۸) وغیرہ میں حضرت علیؓ کی جگہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا نام مذکور ہے، البتہ ان کتابوں میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان سے چابی طلب کی تو انھوں نے دینے سے انکار دیا، اس وقت حضرت علیؓ نے ان کا ہاتھ مروڑ کر چابی لے لی پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ چابی عثمان کو واپس دے دو۔ (تفسیر ابوالسعود ۲/۱۰۲)

(۱) فلما کان یوم الفتح قال لی یا عثمان ایت بالمفتاح فاتیتہ بہ فاخذہ منی ثم دفعہ الیّ وقال خذھا خالدۃ تالدۃ لا ینزعھا منکم الا ظالم (تفسیر مظہری) قرطبی وغیرہ میں اس طرح ہے: قال عمر بن الخطاب: وخرج رسول اللہ ﷺ وھو یقرأ ھذہ الآیۃ، وما کنت سمعتھا قبل منہ، فدعا

چابی اس طرح لیجیے کہ یہ آپ کے خاندان میں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہے گی، گویا یہ چابی ہی نہیں دی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتھ میں بشارت بھی سنائی کہ آپ کا خاندان قیامت تک باقی رہے گا۔

امانت کا معنیٰ عرفِ عام میں

خیر اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امانت کی ادائگی کا حکم فرمایا۔ امانت کا ایک مخصوص مفہوم ہے جس کو ہم اپنے ذہنوں میں بٹھائے ہوئے ہیں کہ ایک رقم ہے، کچھ پیسے ہیں جن کو میں نے آپ کے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے آپ اپنے پاس رکھیے، جب میں چاہوں گا آپ سے مانگ لوں گا اور جب مجھے ضرورت پیش آئی، میں نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا جو رقم میں نے آپ کے حوالہ کی تھی، وہ جوں کی توں واپس کر دی، اس میں کوئی تصرف نہیں کیا تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا نام امانت ہے۔

امانت کا وسیع معنیٰ ومفہوم

اس کو بھی امانت کہتے ہیں لیکن امانت کا مفہوم عربی زبان کے اندر اتنی بات تک محدود نہیں ہے، اس میں بڑی وسعت ہے، خالی اسی چیز کو امانت نہیں کہتے، عربی کے اندر امانت کا لفظ اس سے زیادہ وسیع معنیٰ اور وسیع مفہوم کے اندر بولا جاتا ہے جس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی معاملہ میں کسی کے اوپر اعتماد کرنا، اس کا نام ہے عربی زبان

➲ عثمان و شيبة فقال: (خذاها خالدة تالدة لا ينزعها منكم إلا ظالم) رازی وغیرہ اکثر کتابوں میں یہ الفاظ ہیں: هاك خالدة تالدة لا ينزعها منك إلا ظالم (تفسیر رازی)

میں امانت، قرآنِ پاک میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ [الأحزاب:۷۲] کہ جب ہم نے یہ امانت پیش کی تھی آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر اور اللہ کی بڑی بڑی مخلوقات نے یعنی آسمان ہو یا زمین ہو یا پہاڑ ہو، انھوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا، گویا اپنی عدمِ استطاعت کا اظہار کیا کہ ہم امانت کے اس بار کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے،

آسماں بارِ امانت نتواند کشید		قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

تو پھر وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا، اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا۔

امانت کا معنیٰ قرآنِ کریم کی اصطلاح میں

تو یہاں امانت سے کیا مراد ہے؟ علماء نے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ امانت کا مطلب یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک مخصوص قسم کی زندگی دینے کی پیش کش کی گئی کہ آپ کو ایک ایسی زندگی دی جائے گی جس میں آپ کو اس بات کا اختیار رہے گا کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کریں اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کر کے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کریں اور جنت کی ہمیشہ کی راحتوں کے اندر پہنچیں اور اگر آپ چاہیں تو اس زندگی کو

اللہ کی نافرمانی میں، گناہوں میں گزار کر اللہ کی ناراضگی مول لیں اور اس کے نتیجے میں ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں۔ یہ اختیار والی، آزمائش والی زندگی جو ہمیں عطا کی گئی اسی کو قرآنِ پاک کے اندر امانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

احکامِ الٰہی کی دو قسمیں

دیکھئے! اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو احکام دئے جاتے ہیں، وہ دو قسم کے ہیں: ایک تو ہیں تکوینی، دوسرے ہیں تشریعی۔ تکوینی احکام کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوقات کو بعض ایسی چیزوں کا پابند بنایا جاتا ہے کہ جس کا انجام دینا ان کے لیے ضروری ہے، گویا ان کے انجام دہی میں وہ مجبور ہیں، ان کے اختیار کا کوئی دخل نہیں۔

احکامِ تکوینی کی تشریح بذریعۂ امثلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کو پیدا فرمایا، اس کی ڈیوٹی (duty) مقرر کر دی کہ اس وقت تجھے طلوع ہونا ہے، ہماری مخلوق کو روشنی، حرارت اور گرمی پہچانی ہے، ان کی اور ضرورتوں میں کام آنا ہے، اور فلاں وقت غروب ہونا ہے۔ اسی طریقے سے آسمان کو پیدا فرمایا، آسمان کے لیے ایک ڈیوٹی مقرر کر دی گئی جس کے یہ فوائد اللہ کی مخلوق کو پہنچ رہے ہیں، زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ جو ساری مخلوقات ہیں: درخت، اسی طریقہ سے جانور، گائے، بیل وغیرہ کو ہماری ضرورتوں کے واسطے، ہمارے فائدے کے لیے پیدا کیا۔

اب اگر یہ گائے چاہے کہ اپنا دودھ دینے سے انکار کر دے تو یہ ناممکن ہے یعنی یہ جو غذا کھائے گی تو اس غذا کے نتیجے میں دودھ آپ ہی آپ بن ہی جائے گا، دودھ کا بنانا، نہ بنانا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ سورج یہ چاہے کہ وہ طلوع نہ ہو یا غروب نہ ہو تو یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر نہیں ہے، اس کی ایک ڈیوٹی ہے، اس میں کوئی ترمیم اور کوئی تغیر کرنے کا اس کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس طرح کی چیزیں جو مخلوقات سے متعلق ہیں، جس کو ہم قانونِ قدرت کہتے ہیں، اسی کو تکوینی احکام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ذاتِ انسانی میں تکوینیات کی کرشمہ سازیاں

انسان کے ساتھ بھی بعض ایسی چیزیں لگی ہوئی ہیں جو تکوینیات کے قبیل سے ہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیکھنے کے واسطے آنکھ پیدا فرمائی، سننے کے واسطے کان پیدا فرمائے، بات چیت کرنے کے واسطے زبان پیدا فرمائی۔ اب اگر ہم چاہیں کہ دیکھنے کا کام زبان سے لیں یا سننے کا کام آنکھ سے لیں یا بولنے کا کام کان سے لیں، ایسا نہیں کر سکتے، یہ تکوینی امر ہے، قانونِ قدرت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھ دیکھنے کے واسطے دی ہے تو دیکھنے کا کام ہم آنکھ سے ہی کر سکتے ہیں، آنکھ کے علاوہ کسی اور عضو سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

آنکھ کے بارے میں حکمِ تکوینی

ہاں اب آنکھ سے کیا دیکھنا ہے اور کون سی چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوں گے اور کون سی چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوں گے تو

اس میں ہم کو اختیار دیا گیا تو گویا آنکھ کے اندر دو چیزیں ہیں، دو حکم آئے ہیں: ایک تکوینی حکم آیا اور ایک تشریعی حکم آیا، تکوینی حکم یہ ہے کہ دیکھنے کا کام وہ تو ہمیں آنکھ سے ہی کرنا ہی کرنا ہے، اسی کو قانونِ قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آنکھ کے بارے میں حکمِ تشریعی

اور کیا دیکھنا ہے اس میں ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اختیار دے دیا کہ ہم چاہیں تو غلط چیز بھی دیکھ سکتے ہیں: سنیما دیکھنا چاہیں، ٹی وی دیکھنا چاہیں، نامحرم کی طرف نظر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی آدمی نامحرم کی طرف نظر کرنا چاہے تو اس کی نگاہ ہی چھن جائے اور نظر نہ آئے، ایسا نہیں ہے، اللہ نے اختیار دیا ہے، یہ بات اور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ نامحرم عورت کو آپ دیکھیں گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا اور فلاں فلاں چیزیں آپ کو نہیں دیکھنی ہیں اور فلاں فلاں چیز دیکھی جاسکتی ہیں، اسی کو حکمِ تشریعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امانت: عمل کرنے نہ کرنے کے اختیار کا نام ہے

مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اپنی زندگی میں اختیار دیا، اللہ نے اپنی شریعت نازل فرمائی اور اس شریعت کے اوپر عمل کرنے، نہ کرنے کا اختیار دیا گیا کہ ہم اپنی مرضی سے چاہیں تو عمل کریں، چاہیں تو عمل نہ کریں۔ یہ ضرور بتلا دیا گیا کہ عمل کرو گے تو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی، رضا حاصل ہوگی، جنت میں جاؤ گے اور ہمیشہ کی راحتیں پاؤ گے اور اگر عمل

نہیں کروگے تو اللہ کی ناراضگی اور غضب کے شکار بنوگے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا، کرنے، نہ کرنے کا اختیار ہمیں دیا گیا تو اسی زندگی کو قرآنِ پاک کی آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ میں امانت سے تعبیر کیا گیا۔

انسان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے

یہ اتنی بلند چیز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی مخلوقات میں، پورے عالم میں یہ چیز کسی اور نہیں دی گئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی تو ہماری زندگی امانت ہے، ہمارا وجود امانت ہے، ہماری آنکھ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہماری زبان یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے کان یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے ہاتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے پیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے۔ اب جب آنکھ اللہ کی امانت ہے تو ہم اس کو وہیں استعمال کر سکتے ہیں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اور جہاں استعمال کرنے سے منع کیا ہے اگر ہم اس جگہ استعمال کریں گے تو اسی کو خیانت سے تعبیر کیا جائے گا، اسی کو قرآنِ پاک میں ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ [غافر:۱۹] فرمایا، آنکھیں جو خیانت کرتی ہیں یعنی جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع کیا ہے، ایسی چیزوں کو اگر آنکھیں دیکھتی ہیں تو اللہ اس کو جانتا ہے، تمہارے قلوب اور تمہارے دلوں میں جو ارادے چھپے ہوئے ہیں، ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ بخوبی واقف ہیں یعنی کہ یہاں آنکھ کو غلط جگہ استعمال کرنے کو خیانت سے تعبیر کیا گیا، ہمیں

ویسے اختیار تو دیا گیا تھا لیکن حکم یہ تھا کہ ہم اس کو اسی جگہ استعمال کریں جہاں ہمیں استعمال کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

احکامِ تشریعی میں اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان

یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا اکرم ہے کہ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے، ان کی تعداد بہت کم ہے، چند چیزیں ہیں اور باقی تمام چیزوں کو دیکھنے کی اجازت دے دی، اگر آپ شریعت کے احکام میں غور کریں گے تو ممنوعات ومنہیات کی تعداد کم ملے گی اور جن چیزوں کی اجازت دی گئی ہے ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اب وہ چند چیزیں جن سے روکا گیا ہے ان کے بارے میں بھی یہ خواہش ہے کہ ان سے بھی حرمت اٹھالی جائے، عجیب بات ہے!!

احکامِ تشریعی بسلسلۂ زبان

اور زبان بھی امانت ہے، زبان سے اللہ کی تعریف کرو، اللہ کا ذکر کرو، قرآنِ پاک کی تلاوت کرو، کسی کو فائدہ پہنچے ایسی بات کرو اور ایسی بات مت کہو جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوتا ہو: جھوٹ مت بولو، غیبت مت کرو، کسی پر بہتان مت باندھو، کسی کو گالی مت دو، اس سلسلہ میں احادیث کے اندر باقاعدہ تاکید کی گئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (۱) مسلمان وہ

---

(۱) بخاری شریف عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بَابُ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ:(۱) کہ جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان جو چیز ہے یعنی زبان اور دونوں رانوں کے درمیان جو چیز ہے یعنی شرم گاہ، اس کی گارنٹی دیتا ہو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: مَا النَّجَاةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اے اللہ کے رسول! کون سی چیز میں نجات ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزیں بتائی تھیں، ان میں سے پہلی چیز تھی: أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۲) کہ اپنی زبان کو قابو اور کنٹرول میں رکھو، تمہارا اس پر کنٹرول ہونا چاہیے۔

تو بہر حال! زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، اس کو ہمیں وہیں استعمال کرنا ہے جہاں استعمال کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حکم اور اس کی اجازت دی ہے، جہاں استعمال کرنے سے منع کیا ہے وہاں اگر استعمال کریں گے تو اس کو خیانت کہیں گے۔

اعضاء کو اللہ کی ناراضگی والے کام میں استعمال کرنا خیانت ہے

اسی طریقہ سے کان اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے اور ہاتھ اللہ تبارک وتعالیٰ

---

(۱) بخاری شریف عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ.

(۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ (سنن الترمذی، باب ما جاء فی حِفْظِ اللِّسَانِ)

کی امانت ہے اور یہ سارے اعضاء، ہر ہر عضو امانت ہے، ہماری پوری زندگی امانت ہے، ہمیں اپنی زندگی اسی کام میں لگانی ہے جن کے کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے، جن کے کرنے سے منع کیا ان سے ان اعضاء کو بچانا ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے، ان چیزوں میں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع کیا ہے اپنی زندگی کو صرف کریں گے، خرچ کریں گے تو یہ خیانت شمار کی جائے گی۔

مال بھی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

مال اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ مال ہم نے کمایا، مال ہمارا ہے، جس طرح چاہیں ہم خرچ کریں، کوئی روک ٹوک نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرماتے ہیں: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ أو كما قال عليه الصلوة والسلام[1] کہ: انسان کے پاؤں قیامت کے دن اللہ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکیں گے جب تک ان پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے: (۱) عمر کہاں گزاری، کہاں صرف کی (۲) جوانی کے متعلق کہ جوانی کی قوتوں کو کہاں لگایا (۳، ۴) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا (۵) اور جو علم سیکھا اس پر کیا عمل کیا؟۔

مال کمانے اور خرچ کرنے دونوں میں ہم مکلف ہیں

کمانے کے متعلق بھی ہم کو آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جس طرح چاہیں مال

(۱) سنن الترمذی، بَابٌ فِي الْقِيَامَةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ.

بٹوریں، جمع کرلیں، نہیں بھائی! بلکہ کمانے کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ احکام دئے گئے کہ کمانے کے جائز طریقے کون سے ہیں؟ ان سے کمائیں اور مال آجانے کے بعد اس کو خرچ کرنے کے اندر بھی ہمیں اختیار نہیں دیا گیا، ضرورتوں کے اندر ضرور خرچ کر سکتے ہیں، اگر کھانے کی ہماری ضرورت دس روپیہ سے پوری ہوسکتی ہے اور ہم کھانے ہی میں استعمال کرتے ہیں، سینما بینی میں استعمال نہیں کرتے لیکن ضرورت جو دس روپیہ میں پوری ہوتی تھی، ہم پندرہ میں پوری کریں گے تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں فضول خرچی کہا جاتا ہے اور فضول خرچی کو حرام قرار دیا گیا۔

ضرورتوں میں مقدارِ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے

آپ کو پہننے کی ضرورت ہے، عمدہ لباس پہننا چاہتے ہیں، کوئی بات نہیں، پہن لیجیے لیکن اس میں آپ فضول خرچی نہیں کریں گے۔ آپ کو مکان کی ضرورت ہے ضرور بنائیے لیکن فضول خرچی سے احتراز کیجیے۔ آج کل مکانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے، لایعنی کا ایک ڈھیر ہے، آپ دیکھیں گے کہ مکانوں کے اندر ایسی بے شمار چیزیں ہیں جو کسی کام کی نہیں، نہ وہ کھانا پکانے کے کام آتی ہیں، نہ لیٹنے کے کام آتی ہیں، نہ کسی اور چیز کے کام آتی ہے۔ بس کس کے واسطے؟ شو (show) کے واسطے، شوکیس (showcase) کے اندر اس کو رکھ دیا ہے، شریعت نے شو کی اجازت نہیں دی ہے۔

نمائش اور دکھلاوا شریعت میں مذموم ہے

ارے! عبادت کے اندر بھی شریعت نے شو کی اجازت نہیں دی ہے تو پھر ان

چیزوں میں کہاں سے اجازت ہو جائے گی؟ نمائش کے لیے اجازت نہیں ہے، ہم اگر آسائش کے لیے، خود کو راحت پہنچانے کے لیے کہ ہم کمزور ہیں، اگر چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ دو سالنوں تک کو جمع کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اس امت کے اندر ایجاد ہوئی وہ دستر خوان کے اوپر دو قسم کے کھانے ہیں اور ہمارے یہاں کتنے قسم کے کھانے ہوتے ہیں ہم جانتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا تقویٰ اور احتیاط

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو صاحب سِرّ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار سمجھے جاتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام کی فہرست بتلادی تھی کہ فلان فلان حضرات منافقین ہیں، کسی اور کو یہ بات معلوم نہیں تھی؛ اس لیے ان کو صاحب سِرّ الرسول کہا جاتا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیدی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں راز اور بھید کی بات بتلائی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ اگر کسی کا انتقال ہوتا تو کہتے کہ دیکھو! ان کے جنازے میں حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جنازے میں شریک ہوتے اور اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ جاتے کہ یہ شخص منافق ہے؛ اس لیے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حذیفہ! تم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے نام بتلائے ہیں، ذرا بتلادو کہ ان میں عمر بن خطاب کا نام تو نہیں ہے (۱)۔ دیکھئے! ہم تو کہیں دو چار نمازیں پڑھ لیتے ہیں تو کہاں کہاں چھلانگیں لگانے لگتے ہیں، یہ حضرات جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنادی تھی، وہ اپنی ذات کے اوپر مطمئن نہیں ہیں۔

ان شیر دلوں کی اولادیں ہیں عاشقِ حسنِ دام ودرم

بہر حال! حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تمہارا نام نہیں ہے پھر کہا کہ منافقین کے یہاں کی ایک بات میں تمہارے یہاں دیکھتا ہوں کہ تمہارے دستر خوان پر دوسالن ہوتے ہیں، وہ دوسالن کون سے تھے معلوم ہے؟ سرکہ اور زیتون کا تیل۔ جن کو ہم سالن بھی شمار نہیں کرتے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں اگر زیتون کا تیل ہوتا تو سرکہ استعمال نہیں کرتے اور اگر سرکہ ہوتا تو زیتون کا تیل استعمال نہیں کرتے تھے۔

فضول خرچی سے بچو

خیر! میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے یہاں تو ان لایعنی چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا

(۱) البدایہ والنہایہ ۵/۲۵۔

ہے، بات اس پر چل رہی تھی کہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، آپ کو اگر اللہ تعالیٰ نے کروڑوں روپئے دے رکھے ہیں تو آپ یوں سمجھئے کہ یہ آپ کی چیز نہیں ہے، اللہ کی چیز ہے، آپ بھی اس میں سے اتنا ہی خرچ کر سکتے ہیں جتنا کہ آپ کی ضرورت ہے، آپ اگر اپنی ضرورت سے زیادہ اس میں خرچ کرتے ہیں تو گناہ ہے، سنیما بینی وغیرہ گناہوں میں اپنا مال خرچ کرنا تو گناہ ہے ہی لیکن اگر آپ کھانے میں، پینے میں، مکان میں، اپنی ضروریات میں جتنے مال میں اپنی ضرورت پوری ہوتی ہے، اس سے زیادہ خرچ کرلیا تو اسی کا نام فضول خرچی ہے اور شریعت نے فضول خرچی کو حرام قرار دیا ہے۔

انفاقِ مال کا حکم اور اس کی مختلف راہیں

معلوم ہوا کہ یہ پیسے ہمارے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، ہاں اتنا ہے کہ اس میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اتنا خرچ کرنے کی اجازت دی ہے جتنی ہماری ضرورت ہے، باقی جہاں اللہ نے خرچ کرنے کو کہا وہاں خرچ کیجیے، کچھ خرچے ایسے ہیں جن کو واجب قرار دیا گیا اور کچھ خرچے ایسے ہیں جن کو فرض قرار دیا گیا ہے، مثلاً: زکوۃ فرض قرار دی گئی، صدقۃ الفطر اور قربانی واجب قرار دی گئی اور کچھ خرچے ایسے ہیں جن کو واجب اور فرض نہیں قرار دیا گیا، نوافل کے درجے میں ہیں: ﴿يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۵] کہ: یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے کہ جو بچ جائے وہ سب خرچ کرڈالو۔ جب کہ ہم تو بینک کے اندر جمع کراتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرآنِ پاک میں حکم یہ ہے کہ تمہاری ضرورت

سے زائد جو کچھ بھی بچ جائے اس کو خرچ کر ڈالو در حقیقت وہی جمع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ رہتا ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ [النحل: ٩٦]: جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اگر ہم اس کو واقعۃً جمع کرنا چاہتے ہیں تو اس کو اللہ کی بینک کے اندر جمع کرا دیں، سب خرچ کر دیں، وہاں جمع ہو جائے گا اور کام آئے گا۔

عہدہ ومنصب بھی امانت ہے

تو بہر حال! میں بتلا یہ رہا تھا کہ مال امانت ہے، عہدہ امانت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مسلمانوں کے کام کا نگران بنایا ہو اور وہ اس کام میں سے کسی کام کی ذمہ داری کسی ایسے کو حوالے کرے کہ اس سے اچھا اس کام کو انجام دینے والا موجود ہے یعنی وہ کام آپ جس کے حوالے کر رہے ہیں، اس کام کو اس سے اچھا انجام دینے والا شخص تمہارے اندر، تمہارے معاشرے میں موجود ہے تو اس آدمی نے قوم کے ساتھ خیانت کی۔ متولیوں کے واسطے، مہتممین کے واسطے اس میں تنبیہ موجود ہے کہ آپ ایسے آدمی کو کوئی کتاب دیں گے، کوئی ذمہ داری حوالے کریں گے کہ اس سے زیادہ صلاحیت والا آدمی موجود ہے اور تم نے اس کو اس لیے دی کہ اس کو تمہارے ساتھ تعلق زیادہ ہے تو آپ نے خیانت سے کام لیا۔

علم بھی امانت ہے

علم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، جو اہلِ علم ہیں ان کو یہ بات بگوشِ ہوش سن لینی

چاہیے کہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت عطا فرمائی ہے کل کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال ہوگا کہ کیا عمل کیا اور اس علم کا حق کیا ادا کیا؟ کتنا لوگوں تک پہنچایا؟ علم امانت ہے، جس روز آپ نے علم حاصل کیا تھا اس روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کو حکم دے دیا گیا تھا کہ اس علم کو پھیلاؤ۔

کتمانِ علم کے وبال سے بچنے کا ایک صحابیؓ کا جذبہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بالکل آخری وقت: جان کنی کا، روح قبض ہونے کا وقت آیا تو بڑے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو جمع فرمایا اور فرمایا کہ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جو آج تک میں نے آپ کے سامنے روایت نہیں کی، آج میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا دنیا سے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے؛ اس لیے یہ حدیث بیان کر رہا ہوں تا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنائی ہوئی اس وعید کے تحت داخل نہ ہو جاؤں کہ جو علم کسی کے پاس ہے اور وہ اس نے چھپایا تو اسے جہنم کی آگ کی لگام پہنائی جائے گی، اس کے بعد انھوں نے یہ حدیث سنائی: مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ کہ جس کا آخری کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اہلِ علم کے پیشِ نظر صرف رضاءِ الٰہی ہو

یہ علم امانت ہے، اب اس علم کا حق یہ ہے کہ اہلِ علم اپنے علم کو خوب پھیلائیں، یہ اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ ایک عالم کے سامنے علمِ دین کی خدمت ہو، نوکری اور ملازمت نہ سمجھے، آپ کسی مہتمم یا متولی کو نہ دیکھئے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیشِ نظر رکھئے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا معاملہ کر لیجیے کہ جو کچھ عمل کر رہے ہیں اللہ کے واسطے کر رہے ہیں، لوگ چاہیں جو کچھ کہیں ۔ آپ کا معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے، آپ دین کی خدمت کرتے ہیں، ان معمولی پریشانیوں کی وجہ سے دین کی خدمت کو ترک کرنا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے بلکہ اپنی ذمہ داری کا احساس کیجیے کہ اس امانت کا جواب کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے دینا پڑے گا تو اس وقت جواب دہی مشکل ہو جائے گی ۔ ہر استاذ کے پاس ہر شاگرد امانت ہوتا ہے۔

جس میں امانت کا جذبہ نہیں اس میں ایمان نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد میں نے نقل کیا تھا، لا إيمان لمن لا أمانة له جس میں امانت کا جذبہ نہ ہو، اس میں ایمان نہیں، یہ ایمان نکلا ہی ہے امانت سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب امانتیں ضائع کی جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

ہر شخص امین ہے

آج جس جس کے پاس جو جو ذمہ داری ہے، اہلِ علم کے پاس علم کی ذمہ داری ہے، اہلِ مال کے پاس مال کی ذمہ داری ہے، ہر آدمی کے پاس اس کا وجود، اس کا جسم،

---

(۱) بخاری شریف، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ فَأَتَمَّ الْحَدِيثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ.

اس کے اعضاء، اس کی صلاحیتیں، یہ ساری چیزیں ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں اور ان امانتوں کی ادائیگی اور ان کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اگر اس کی ادائگی میں ہم کوتاہی کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوگی ہر ایک کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی امانت موجود ہے؛ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ(۱) کہ ہر ایک تم میں سے ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری جو اس کے حوالہ کی گئی اس ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک فرد بھی آپ کی ماتحتی میں نہیں ہے تب بھی آپ اپنے جسم پر، اپنے اعضاء پر، اپنی صلاحیتوں پر نگران ہیں اور ان کو اللہ کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق استعمال کرنا ہے، ہر شخص کو اس امانت کو ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

(۱) بخاری شریف، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، باب الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَلاَ يَعْمَلُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ.

تربیتِ اولاد (۱)

بمقام: بوتسوانا (براعظم افریقہ)

بوقت: ۲۰۱۱ء

اقتباس

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ یہ جو ہم مسلمان ہیں، دنیا میں ہمارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو مسلمان نہیں ہیں، ایمان واسلام کی دولت سے محروم ہیں، کیا وہ اپنی اولاد کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتے؟ بلکہ ہم سے زیادہ اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں اور ایک قدم آگے بڑھا کر ایک اور سوال میں آپ سے کرتا ہوں کہ دنیا میں انسانوں کو چھوڑ کے جانوروں کو لے لیجیے، زمین پر رہنے والے چرند اور درندے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے کیا اپنی اولاد کے کھانے پینے کا، ان کی رہائش کا، ان کو گرمی سردی سے بچانے کا انتظام نہیں کرتے؟ ایک چڑیا نہیں کر رہی ہے؟ ایک شیر اپنے بچے کے لیے اس کا انتظام نہیں کرتا؟ کرتا ہے، اگر ہم نے بھی اپنی اولاد کے لیے انتظام کیا ہے تو ہم نے کون سا تیر مار لیا! ہمارا لیول (LEVEL) ہماری سطح جانوروں سے اوپر نہیں بڑھی، ہم جو کر رہے ہیں، وہ بھی کر رہے ہیں، بس اتنا ہے کہ ہم انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے مقابلے میں ہمیں عقل وسمجھ زیادہ دی ہے؛ اس لیے ہم اپنی اولاد کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں جتنا دوراندیشی، جزءرسی سے کام لیتے ہیں، اتنا یہ جانور نہیں کرتے، نفسِ ضرورت کو پورا کرنے میں تو برابر ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم ﴿اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَاءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِيۡ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ﴾ [البقرة: ١٣٣]

وقال تعالىٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ﴾ [التحريم:٦]

وقال النبی ﷺ: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَـهُ [صحيح مسلم، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَوَفَاتِهِ] أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد کی شکل میں جو نعمت ہمیں عطا

فرمائی ہے، اس نعمت کے متعلق ہم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف چند ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، چند حقوق واجب کیے گئے ہیں، ہر نعمت جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، اس کا ایک تقاضا ہوا کرتا ہے، اس کا ایک حق ہوتا ہے کہ آدمی اس کو ادا کرے، اللہ کی اس نعمت کا شکر بجالاوے۔

شکر کا مفہوم

شکر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ نعمت جس مقصد کے لیے عطا فرمائی ہے، اس نعمت کے ذریعہ سے وہ مقصد حاصل کیا جائے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال دیا ہے، مال اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور امانت بھی، اب اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں پر ہمیں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں پر ہم اس کو خرچ کریں اور جہاں خرچ کرنے سے ہمیں منع فرمایا ہے، وہاں خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روکیں، یہ مال کی نعمت کا حق ادا کرنا ہوا، اسی طرح تمام نعمتوں کا حال ہے۔

اولاد کی وہ ذمہ داریاں جو ہم حکمِ الٰہی سمجھ کر ادا نہیں کرتے

اولاد، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی اور اولاد کی نسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر کچھ ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں، بعض ذمہ داریاں تو وہ ہیں جن کو ہر آدمی سمجھتا ہے، اگرچہ وہ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم سمجھ کر ادا نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر اولاد اور گھر والوں کے متعلق ہم یہ سمجھتے

ہیں کہ ان کے کھانے پینے کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کے لباس پہننے، اوڑھنے کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کے رہنے کے لیے مکان کا انتظام کرنے کی ذمہ داری ہم پر ہے، یہ تین چیزیں، تین حقوق تو وہ ہیں جن کو ہر آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ میرے اوپر یہ ذمہ داریاں ہیں، اگرچہ آدمی ان تین ذمہ داریوں کو ادا کرتا ہے اور اگر دیکھا جائے تو آدمی کی پوری زندگی کا مقصود ہی یہ نظر آتا ہے، صبح سے شام تک آدمی کاروبار کرتا ہے، دوکان پر جاتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، جاب (job) پر جاتا ہے، مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ میں کچھ پیسے حاصل کرلوں اور اس سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی، بچوں کی ضرورتوں کو پورا کروں، بس!۔

اولاد کے حقوق کی ادائیگی کے وقت اللہ کا حکم پورا کرنے کی نیت ہونی چاہیے

جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ یہ ذمہ داریاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کی گئی ہیں لیکن جس وقت آدمی ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہوتا ہے تو دل میں یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں اپنی اولاد کو کھانا کھلا کر یا ان کو کپڑے پہنا کر یا ان کے لیے مکان کا انتظام کر کے اللہ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں، اگر یہ نیت ہو تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت اچھا، اللہ کا حکم بھی پورا ہو رہا ہے، ان کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں اور اس پر ثواب بھی ملے گا لیکن عام طور پر جس وقت انسان یہ کر رہا ہوتا ہے، دور دور تک اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں بلکہ اپنے نفس

اور دل کے بتانے پر وہ عمل کرتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ باپ ہونے کی نسبت سے ایک محبت کا رشتہ ہوتا ہے، محبت کا جو تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا گیا ہے، وہ محبت کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے، وہ مجبور ہے محبت سے، اللہ کا حکم سمجھ کر کے یہ ذمہ داریاں ادا نہیں کرتا۔

''اللہ کا حکم'' نہ سمجھ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کی ایک خرابی

دیکھو! اگر اللہ کا حکم سمجھ کر پورا کیا جاتا تو وہ ہر جگہ اللہ کے حکم کو پورا کرنے والا ہوتا، چار بیٹے ہیں، بہت سی مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک کے ساتھ تو بہت اچھا سلوک ہو رہا ہے، دوسرے کے ساتھ اس جیسا سلوک نہیں کیا جاتا، ایک کے ساتھ محبت کا سلوک کر رہا ہے، کھلا پلا رہا ہے اور دوسروں کی ضرورتوں کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، حالاں کہ اولاد کی نسبت سے تمام ذمہ داریاں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لاگو کی گئی ہیں، وہ برابر ہیں۔

بعض اولاد کو کچھ دینا اور بعض کو نہ دینا ظلم ہے

حدیث میں آتا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی ماں کا نام حضرت عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہا ہے، فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ کے مطالبے پر ان کے والد نے ان کو ایک غلام ہدیے میں دیا، ماں کا تقاضا تھا کہ میرے بیٹے کو غلام ہدیہ دیا جائے، ان کی دوسری بیوی تھی، اس سے بھی اولاد تھی، اس ماں نے تقاضا کر کے ہدیہ دلوا دیا، ہدیہ تو دلوا دیا – اب عورتیں ہیں، ان کی ڈیمانڈ (demand) بھی ایسی

ہوتی ہے-اس نے پھر مطالبہ کیا کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گواہ بنایا جائے، ہدیہ تو دیا لیکن ساتھ میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے یہ کہو کہ میں نے اس کو ہدیہ دیا ہے، آپ اس کے گواہ رہیے۔ چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ میرے ابا مجھے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور یوں کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اس بیٹے کو جو میری فلانی بیوی سے ہے، یہ غلام ہدیے میں دیا ہے اور ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بناؤں، آپ اس پر گواہ رہیے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے ان کو بھی اسی طرح غلام ہدیے میں دیا ہے تو انھوں نے کہا کہ نہیں دیا ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایسی ظلم کی بات پر میں گواہ نہیں بنتا ہوں-اس کو ظلم فرمایا-اور تم اپنی اولاد کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری مطیع اور فرماں بردار رہے؟[۱]۔

یکساں سلوک کی وجہ سے سب اولاد یکساں پر طور پر مطیع ہوتی ہے

دیکھو! ہر باپ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کے چار بیٹے ہیں تو اس کے چاروں کے چاروں بیٹے اس کی خدمت کریں، ایک بیٹا خدمت کر رہا ہو تو اگرچہ اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں پھر بھی اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ چاروں اس کی خدمت کریں، چاروں اس کا حکم بجالائیں، حالاں کہ کام تو ایک سے چل رہا ہے لیکن نہیں، تو جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری فرماں بردار ہو، تمہاری خدمت گذار ہو،

---

(۱) صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة.

تمہارا حکم مانیں، اس طرح تم بھی تو ان سب کے ساتھ یکساں طور پر محبت کا معاملہ کرو، جب تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد تمہاری فرماں بردار رہے تو تم پر لازم ہے کہ تم سب کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

اولاد کی طرف سے والدین کے ساتھ زیادتی کی ایک وجہ

بہت سی مرتبہ اولاد کی طرف سے زیادتی کا جو معاملہ ہوتا ہے تو اس میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ باپ ہی شروع سے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے کرتے اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ اس کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں، یہ سب کیوں ہوا؟ اس لیے کہ یہ جو کچھ کر رہا ہے، وہ اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے دل اور محبت کے تقاضے سے کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کرتا تو سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتا۔

''اللہ کا حکم'' نہ سمجھ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کی دوسری خرابی

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو کھلانے پلانے کا یا پہننے، اوڑھنے کا یا رہائش کا انتظام کیا جا رہا ہے، وہ بھی اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں بلکہ ایک دستور ہے، دنیا کا رواج ہے، اپنے دل کا تقاضا ہے؛ اس لیے کر رہا ہے، اگرچہ اس سے بھی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، کل کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''اولاد کا حق ادا نہیں کیا'' اس پر کوئی گرفت اور پکڑ نہیں ہوگی، اس پر کوئی عذاب نہیں ہوگا لیکن ثواب بھی نہیں ملے گا کہ ہم نے اولاد کے حقوق کو اللہ کا حکم سمجھ کر ادا نہیں کیا۔

اولاد کی جسمانی ضرورتوں کا تو جانور بھی خیال رکھتے ہیں

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ یہ جو ہم مسلمان ہیں، دنیا میں ہمارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو مسلمان نہیں ہیں، ایمان واسلام کی دولت سے محروم ہیں، کیا وہ اپنی اولاد کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتے؟ بلکہ ہم سے زیادہ اچھے طریقے سے کرتے ہیں اور ایک قدم آگے بڑھا کر ایک اور سوال میں آپ سے کرتا ہوں کہ دنیا میں انسانوں کو چھوڑ کے جانوروں کو لے لیجیے، زمین پر رہنے والے چرند اور درندے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے کیا اپنی اولاد کے کھانے پینے کا، ان کی رہائش کا، ان کو گرمی سردی سے بچانے کا انتظام نہیں کرتے؟ ایک چڑیا نہیں کر رہی ہے؟ ایک شیر اپنے بچے کے لیے اس کا انتظام نہیں کرتا؟ کرتا ہے، اگر ہم نے بھی اپنی اولاد کے لیے انتظام کیا ہے تو ہم نے کون سا تیر مار لیا! ہمارا لیول (LEVEL) ہماری سطح جانوروں سے اوپر نہیں بڑھی، ہم جو کر رہے ہیں، وہ بھی کر رہے ہیں، بس اتنا ہے کہ ہم انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے مقابلے میں ہمیں عقل وسمجھ زیادہ دی ہے؛ اس لیے ہم اپنی اولاد کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں جتنا دور اندیشی، جزءرسی سے کام لیتے ہیں، اتنا یہ جانور نہیں کرتے، نفسِ ضرورت کو پورا کرنے میں تو برابر ہیں۔

انسان ہونے کی حیثیت سے بھی اولاد کے کچھ حقوق ہم پر عائد ہیں

لیکن کیا اتنی ضرورت ہے جتنی ہم نے سمجھ رکھی ہے کہ آج ہم نے اپنی اولاد کے لیے یہ طے کر رکھا ہے کہ جب ہم دنیا سے جاویں تو ان کے پاس بہترین مکان ہو،

بہترین کاروبار ہو، دوکان، اسٹور ہو، فیکٹری ہو، تجارت ہو، کاریں ہوں، بینک بیلنس (bankbalance) ہو اور ان کی ظاہری ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں لیکن وہ اللہ کے مطیع وفرماں بردار رہیں، اللہ کے حقوق کو پورا کررہے ہیں، اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچارہے ہیں، اس کا ہمیں کوئی اہتمام اور کوئی پروانہیں ہوتی، اس کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا، ہمارے اوپر باپ ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ یہی ہے، ہم ایک جاندار ہونے کی حیثیت سے ایک جاندار کو ضرورت ہوتی ہے، اس کو پورا کرنے کی محنت کرتے ہیں لیکن ہم جاندار ہونے کے ساتھ انسان بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانی صفات اور کمالات سے نوازا ہے تو اپنی اولاد کے لیے دنیا کے اندر یہ خوبیاں پیدا کرنی چاہییں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے اولاد کی ہم پر ذمہ داریاں

اور انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان اور اسلام کی نعمت عطا فرمائی اور ایمان اور اسلام کی نسبت سے یہ جو کمالات اور خوبیاں ہیں، وہ بھی اپنی اولاد کے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس کی کوشش کرنا چاہیے، یہ ہماری ذمہ داریاں ہیں اور اس کا قرآن میں باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو، اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ جہنم کی آگ سے بچانے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کاموں سے خود بھی واقفیت

حاصل کرو اور اپنی اولاد کو بھی واقف کرو، اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان کاموں سے خود بھی واقفیت حاصل کرو اور اپنی اولاد کو بھی واقف کرو۔

اولاد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا اہتمام بھی ضروری ہے

اور آگے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ، نماز کا حکم دیا تو خود بھی نمازی بنو اور اولاد کو بھی نمازی بناؤ، شراب اور جوئے سے بچنے کا حکم دیا ہے تو خود بھی بچو اور اولاد کو بھی اس سے بچنے کا عادی بناؤ یہ جو اولاد کو سکھایا جارہا ہے یہ تو تعلیم ہے اور ان کو اس پر ڈالا جارہا ہے، اسی کا نام تربیت ہے، ہم تربیت تربیت تو بہت بولتے ہیں، بھائی! بچوں کو جب یہ بتادیا کہ نماز کیا ہے؟ فرائض بتلادئے، واجبات بتلادئے، طریقہ بتلادیا، خوب سکھلادیا، یہ تعلیم ہے لیکن اتنا کافی نہیں، ان کو نمازی بنانا یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے۔

اولاد کی تربیت کا طریقہ

بچہ جب سات سال کا ہو تو آپ اس سے کہیے کہ بیٹا! اب تم کو نماز پڑھنی ہے۔ اور دس سال کا ہونے پر اس کے ساتھ اور زیادہ سختی کا معاملہ کرنا ہے، اگر نماز نہ پڑھے تو اس کی گرفت کرنا ہے، پوچھو: بیٹا! نماز کے لیے مسجد گئے تھے، اپنے ساتھ نماز کے لیے مسجد لے جاؤ جب مسجد جاؤ تو کہو: بیٹا! چلو نماز کے لیے۔ کب تک کرنا ہے؟ اتنی مرتبہ اپنے ساتھ نماز کے لیے مسجد لے جاؤ کہ آپ کا دل گواہی دے کہ اب یہ نماز کا عادی بن گیا، اب نماز اس کے دل و دماغ میں پیوست ہوگئی، اب یہ نماز کو نہیں چھوڑے گا، یہ

ہے تربیت ۔آج تربیت کا کیا اہتمام ہے؟ تعلیم کا اہتمام نہیں تو تربیت کے اہتمام کا تو سوال ہی نہیں ۔تو اس آیت کے اندر دونوں چیزوں کا حکم دیا گیا ہے کہ تعلیم بھی ان کو دی جائے اور تربیت بھی کی جائے گویا ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے ۔

ہم دنیوی امور میں اولاد کی تربیت کا خوب اہتمام کرتے ہیں

آپ تجارت کرتے ہیں، باپ گھر میں اپنے بچوں کے سامنے خالی یہ لیکچر نہیں دیتے کہ دوکان اس طرح چلائی جاتی ہے، تجارت اس طرح کی جاتی ہے، زراعت اس طرح کی جاتی ہے، نہیں بلکہ بیٹا جب پندرہ بیس سال کا ہوجاتا ہے تو تعلیم پوری ہوگئی، اب بیٹے سے کہتا ہے کہ بیٹا! کل سے تم بھی دوکان پر آئیو! اب دوکان پر جب آئے گا تو پہلے دن اس کو سب کچھ نہیں سونپ دے گا بلکہ کہے گا کہ بیٹا! دیکھو، گاہک آتے ہیں تو میں کس طرح ان کے ساتھ بات چیت کرتا ہوں، اس کو برابر دیکھو۔ اس طرح ایک مدت تک بٹھائیں گے پھر کچھ چھوٹے موٹے گاہک آئیں گے تو کہیں گے کہ بیٹا! ذرا تو اس سے نمٹ لے، اس طرح اس کی تین، چار، پانچ سال تک تربیت کریں گے، پہلی ہی دفعہ میں اس کو مال لینے کے لیے نہیں بھیجیں گے بلکہ ایک مدت گزرجانے کے بعد مال خریدنے کے لیے بھیجیں گے، تاجروں سے ملاقات کرائیں گے کہ دیکھو! میں تاجروں کے ساتھ کس طرح باتیں کرتا ہوں، کس طرح سودا کرتا ہوں، کس طرح خریدتا ہوں اور پھر دھیرے دھیرے اس سے کام کروائیں گے، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ وہ پورا کاروبار سنبھال لے گا اور اس وقت باپ فخریہ انداز میں اپنے دوستوں

کی محفل میں یوں کہے گا کہ الحمدللہ! اب تو سارا کاروبار بیٹے نے سنبھال لیا ہے اور مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ یہاں تو الحمدللہ، اور نماز کے متعلق کوئی پرواہی نہیں۔ تو حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جو اولاد ہے، اولاد کی تربیت کے سلسلے میں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو شریعت کے احکام سے واقف بھی کرائیں اور اس پر عمل کی عادت بھی ڈالیں۔

چھوٹے بچوں کی تربیت کا نبوی انداز

دیکھو! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹے بچوں کے ساتھ کس طرح محبت کے ساتھ معاملہ کرتے تھے، بخاری شریف میں حدیث ہے، حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں، ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے تھے، پہلے شوہر کے انتقال کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا تو پہلے شوہر سے جو اولاد تھی، وہ بھی ان کے ساتھ تھی اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں تھی، حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے، میرا ہاتھ پلیٹ میں چاروں طرف گھوم رہا تھا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی: يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ (۱) اے بچے! جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

شیطان انسان کے ہر کام میں شرکت کی کوشش کرتا ہے

تین باتیں بتلائیں: (۱) بسم اللہ پڑھو کہ مؤمن کا ہر کام اللہ کے نام سے

شروع ہوا کرتا ہے، بسم اللہ پڑھے بغیر آدمی کھانا شروع نہ کرے کیوں کہ اگر شروع کرتا ہے تو شیطان اس میں شرکت کرتا ہے۔ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور اس نے جو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا تو سب چٹ کر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ اللہ کا نام لے کر کھانا کھا رہے تھے تو کھانے میں برکت تھی، اس نے آ کر بغیر بسم اللہ کے جو شروع کر دیا تو شیطان اس کے ساتھ شریک ہو گیا اور سارا کھانا اس نے ہڑپ کر لیا شیطان آدمی کے کھانے میں بلکہ ہر چیز میں شریک ہوتا ہے، اس نے تو ہر چیز میں اپنا حصہ لگایا ہے، کھانے میں، پینے میں، سونے میں یہاں تک کہ بیوی کے ساتھ صحبت کرنے میں بھی شریک ہوتا ہے۔

بیوی کے ساتھ صحبت میں شیطان کی شرکت سے بچنے کا نبوی نسخہ

حدیث میں دعا بتلائی گئی ہے کہ آدمی بیوی کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے کیا دعا پڑھے: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا(۱)، اللہ کے نام سے اور اے اللہ! تو ہم کو شیطان سے محفوظ رکھیو اور اس صحبت کے نتیجے میں ہمیں جو اولاد عطا فرمائے، اس کو بھی شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھیو۔ یہ دعا پڑھ کے پھر صحبت کرنی ہے، ورنہ اس کے بغیر صحبت کرنے کی صورت میں روایت میں آتا ہے کہ شیطان آدمی کی شرم گاہ کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور وہ بھی صحبت میں شریک ہوتا ہے پھر جو اولاد پیدا ہوتی ہے، وہ نافرمان ہوتی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين.

اولاد کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی تربیت کا اہتمام

آج کل اولاد جو نافرمان ہوتی ہے، اس کا ایک سبب یہ بھی ہے، اولاد کو فرماں بردار بنانے کے لیے جو تدبیریں ہمیں شریعتِ مطہرہ نے بتلائی ہیں، ان تدبیروں کو انجام دینے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں، اولاد کی تربیت کا جو نظام شریعت نے ہمیں بتایا، وہ تو ایسا عجیب وغریب ہے کہ ابھی اولاد وجود میں آئی نہیں اور احکام لاگو کر دئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! دنیا میں نکاح کیا جاتا ہے کبھی عورت کے حسن کی وجہ سے، کبھی اس کے خاندان کی وجہ، کبھی اس کے مال کی وجہ سے اور کبھی اس کی دین داری کی وجہ سے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّینِ (۱) دین داری کو ترجیح دو، اگر دین داری کے ساتھ یہ دوسری خوبیاں بھی ہیں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت اچھا، لیکن جب مقابلہ ہو جائے کہ ایک طرف تو اچھا چہرہ ہے، اچھی شکل وصورت ہے لیکن دین نہیں ہے اور دوسری طرف اتنی اچھی صورت تو نہیں ہے لیکن دین ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو ترجیح دو۔

اولادِ صالحہ کے وجود کی پیشگی تیاریاں

آدمی جب بیج ڈالتا ہے تو زمین کون سی منتخب کرتا ہے؟ بڑھیا؛ تاکہ اس سے اچھا درخت اُگے یہ بھی زمین ہے اولاد کے لیے ہمیں تو شریعت باقاعدہ شروع ہی سے حکم دے رہی ہے، اولاد کو نیک بنانے کا نسخہ بتایا کہ تم نیک بیوی کا انتخاب کرو، نیز

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، باب التسمیة علی کل حال وعند الوقاع.

ہماری غذا، ہمارا کھانا بھی حلال ہونا چاہیے، حلال کھانے سے جو خون پیدا ہوتا ہے، وہ صالح ہوتا ہے، اس خون سے جو مادۂ منویہ پیدا ہوگا، وہ بھی صالح ہوگا اور اس سے بچے کا حمل بھی صالح ٹھہرے گا۔

مشتبہ غذا کا وبال

ایک بزرگ تھے، نیک شخص تھے اور ان کا بیٹا بدکار تھا، کسی نے کہا کہ آپ تو نیک ہیں اور آپ کا بیٹا بدکار ہے، فاسق ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک مشتبہ غذا کھالی تھی، مشتبہ یعنی ڈاؤٹ فل جس کے اندر حرام کا شبہ ہو، اس کے کھانے کے بعد صحبت کا تقاضا ہوا، اسی سے یہ بچہ پیدا ہوا اور اس کے اندر یہ گناہ کی عادت آ گئی۔

چوری کا ایک بیر کھانے کا خطرناک انجام

ایک اللہ والے تھے، انھوں نے اپنی بیوی سے باقاعدہ عہد کیا کہ دیکھو! ہم اپنے پیٹ میں کوئی حرام یا مشتبہ غذا نہیں جانے دیں گے؛ تاکہ ہماری اولاد پر اس کا اثر نہ پڑے۔ انھوں نے اس عہد کا خیال رکھا۔ اب ہوا یہ کہ بچہ پیدا ہوا، بڑا ہوا، اس نے چوری کی اور پکڑا گیا، وہ شخص تلوار لے کر اپنی بیوی کے پاس پہنچا کہ سچ بتا! ہمارا جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں میں نے تو کوئی خیانت نہیں کی، تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ جب بچہ پیٹ میں تھا، اس زمانے میں، ہمارے پڑوس میں بیری کا جو ایک درخت ہے، اس کی ایک شاخ، ٹہنی ہمارے مکان کی طرف آئی ہوئی ہے، اس پر سے ایک بیر

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب الأكفاء في الدين.

توڑ کر میں نے کھالیا تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بیٹے نے چوری کی۔

بہر حال شریعت نے ہمیں بچوں کو نیک بنانے کی، تربیت کی جو تعلیم دی ہے، وہ یہ نہیں کہ بڑا ہوگا، اس وقت اس کی تعلیم و تربیت کا خیال کرنا ہے بلکہ یہاں تو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بہتر سے بہتر پھل پیدا ہو اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

اولاد بھی کھیت کی پیداوار کی طرح ہے

ایک آدمی باغ بنانا چاہتا ہے تو وہ باغ بنانے کے لیے کیسی زمین حاصل کرے گا؟ عمدہ قسم کی، پانی کیسا استعمال کرے گا؟ عمدہ قسم کا، کھاد کیسی استعمال کرے گا؟ عمدہ قسم کی، بیج اور پودے کیسے لائے گا؟ عمدہ قسم کے۔ سب عمدہ قسم کا تو یہاں پر جب انسان بنانا ہے تو انسان بنانے کے لیے ان ساری باتوں کی طرف پہلے سے دھیان دینے کی ضرورت ہے، اولاد اس کے بغیر نیک بنتی نہیں ہے، ہم ان چیزوں کی طرف دھیان دیتے نہیں پھر بڑے ہونے کے بعد جب وہ نافرمان اور بے قابو ہو جاتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھلتی ہیں کہ یہ سب کیا ہو گیا، عجیب مصیبت ہے!

ستم بالائے ستم

واقعہ یہ ہے کہ آج تو عجیب معاملہ ہو گیا، اولاد اہل اللہ کی صحبت، نیک علماء کی صحبت، دین داروں کی صحبت میں آکر بیٹھتی ہے اور دین کی طرف مائل ہوتی ہے تو ماں باپ کو شکایت ہوتی ہے کہ بچہ بگڑ گیا، یہ تو مسجد کا ہو گیا ہے، یہ باقاعدہ شکایت کی جاتی ہے، عجیب معاملہ ہو گیا ہے!

ہاں بھائی! ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ ہیں: حافظ ضامن شہیدؒ، ایک آدمی کا لڑکا ان کے پاس آتا جاتا تھا ان کی نیک صحبت کی برکت سے نیکی کے کاموں میں لگا تو اس کا باپ حضرت کے پاس آ کر کہنے لگا اور شکایت کی کہ حضرت وہ ہمارا بیٹا آپ کے پاس آیا تو بگڑ گیا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی! ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے، ہم کو تو بس بگاڑنا ہی آتا ہے۔

یہ فکر ضروری ہے کہ اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا

بہرحال اولاد کی تربیت کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر اس دور میں! ایک زمانہ تھا، حضراتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنی اولاد کی فکر ہوتی تھی، آج ہمیں اپنی اولاد کی فکر نہیں، یہ فکر تو ہے کہ میرے بعد کاروبار کیسا ہوگا، مکان کا کیا ہوگا۔ ایک جگہ اسٹیکر (sticker) لکھا ہوا دیکھا، اس کا مضمون بہت پسند آیا کہ آدمی کو یہ تو فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا لیکن یہ فکر اس کو نہیں کہ اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا، اس اولاد کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا؟ یہ فکر نہیں ہے، میرے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا، یہ فکر ہے، آپ نے ان کو سب کچھ دیا، اگر آپ نے ان کو دین نہیں سکھایا تو کل کو یہی اولاد اللہ کی بارگاہ میں آپ کے خلاف دعوی دائر کرے گی کہ میرے باپ نے مجھے دین نہیں سکھایا، نماز نہیں سکھائی اور یہ بھی آپ کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گی۔

ہمارے قول اور عمل میں تضاد ہے

یہ ذمہ داریاں ہیں، ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی ضرورت ہے، ایک طرف تو ہم ایمان کی دولت کو بہت بڑی دولت سمجھتے ہیں لیکن ہمارا قول الگ ہے اور ہمارا عمل الگ ہے، بولتے ہیں کہ دین وایمان بڑا قیمتی ہے لیکن اس پر عمل کا ہم کتنا اہتمام کرتے ہیں۔

وفات سے قبل حضرت یعقوبؑ کو اپنی اولاد کے دین کا فکر

ابھی آپ کے سامنے میں نے جو پہلی آیت پڑھی تھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ: کہ جس وقت حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم موجود تھے؟

پہلے ذرا یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کون؟ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور ان کے ابّا حضرت اسحاق، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام، خلیل اللہ: اللہ کے خلیل، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی دنیا میں آئے، سب کے ابا یعنی ابوالانبیاء، پورا نبوت کا گھرانہ، تین پشتوں سے، تین پیڑھیوں سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، ''۱۲'' بیٹے تھے اور ان ''۱۲'' بیٹوں میں ایک اللہ کے نبی تھے: حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام، ان سب

بیٹوں کو موت کے وقت جمع کر کے کیا پوچھتے ہیں؟ سوال کیا کرتے ہیں؟ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ.

والدین کو اولاد کی آخرت سنوارنے کی زیادہ فکر ہونا چاہیے

اب کن بیٹوں کو؟ ان بیٹوں کو جن کی پرورش، جن کا نشونما، جن کی اُٹھان نبوت کے گھرانے میں ہوئی، جن میں تین تین، چار چار پشتوں سے نبوت چلی آرہی ہے، جو ساری دنیا کو ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں، اس گھر میں جن بچوں کی پرورش ہوئی، بھلا ان بچوں کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں؟ پھر بھی سوچنے کی بات ہے کہ باپ کو کیا فکر دامن گیر ہے! اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی پوجا کروگے، کس کی عبادت کروگے؟ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اگر کوئی فکر ہے تو کیا فکر ہے؟ کہ میرے بیٹے میرے بعد کس کی عبادت کریں گے؟ کیا یہ فکر کی کہ کیا کھائیں گے؟ کیا پئیں گے؟ کیا کاروبار کریں گے؟ نہیں کچھ نہیں بلکہ آئندہ ان کے ایمان کا کیا حال ہوگا، اس کی فکر ہے۔

موت کے وقت بھی ہم اپنی اولاد کی دنیا کا فکر کرتے ہیں

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے پیش آیا تھا لیکن قرآن میں اللہ نے اس واقعے کو اس لیے نازل فرمایا کہ قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کو یہ سبق دینا مقصود ہے کہ ایک مسلمان جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کو اپنی اولاد کے متعلق یہ فکر نہ ہو کہ وہ کیا کھائیں گی؟ کیا پئیں گی؟ کیا کاروبار کریں گی؟ اگر فکر ہو تو یہ کہ ان کے ایمان

کا کیا ہوگا، وہ کس کی عبادت کریں گے؟ آپ تصور کریں: آج اگر کسی کو یہ اندازہ ہو جائے کہ میری آخری گھڑی آ گئی، اس کی بیماری اور حالت ایسی ہے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو کیا کرے گا؟ کہے گا: ارے بھائی! میرے سب بچوں کو بلاؤ، فلاں جو ہانسبرگ (johannesburg) میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں آزادوِل میں ہے اس کو بھی بلاؤ، فلاں بیٹی فلاں جگہ ہے، اس کو بھی بلاؤ، سب کو بلا کر کے باپ کیا نصیحت کرے گا؟ کاروبار بہت بڑا ہے، میں چار دو کانیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم چار کی آٹھ بنانا، میں تو چار فیکٹریاں چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم چار کی آٹھ بنانا، کسی کو ہنسنے کا موقع مت دینا، مل جل کر رہنا، بہت دین دار ہوگا تو اخیر میں دبے لفظوں میں یوں کہے گا: نماز کا بھی خیال رکھنا، یہ حال ہو گیا ہے آج، کوئی دنیا سے جا رہا ہے تو اس کو اپنی اولاد کے دین کی فکر نہیں ہوتی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس واقعے کو بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ ایک نبی دنیا سے جا رہے ہیں تو ان کو اپنی اولاد کے ایمان کا فکر ہے ہم جس ماحول میں اپنی اولاد کو چھوڑ کر جا رہے ہیں، اس ماحول میں ان کے ایمان کے متعلق کیا ہمیں فکر نہیں کرنی چاہیے؟

کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت

ہندوستان میں یو پی کے اندر ایک زمانے میں حکومت کی طرف سے ایک قانون لاگو کیا جانے والا تھا، ہندوؤں کے یہاں تعلیم کی ایک ''دیوی'' ہے، ہندو لوگ

اس کو علم کی دیوی مانتے ہیں، سرسوتی دیوی، تو جہاں تعلیمی ادارے ہوتے ہیں، اسکول، کالج وغیرہ، وہاں اس کی تصویر بھی ہوتی ہے، اور آج کل تو بہت سی جگہ پر ٹیبل پر، دیوار پر اس کی تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے اور لوگ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں، بہت سے علاقے جہاں مسلمان کم تعداد میں ہیں، وہاں مسلمان بچے بھی ایسا کرتے ہیں تو یوپی کی حکومت نے ارادہ کیا تھا کہ اس سروستی دیوی کے سامنے اس طرح ہاتھ جوڑنے کو ضروری قرار دے کہ جو بچہ بھی اسکول میں آئے، وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمۃ نے اس وقت باقاعدہ حکومت کو چیلنج کیا کہ اگر حکومت نے اس طرح کا کوئی قانون لاگو کرنے کی کوشش کی تو میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ تم اپنے بچوں کو اسکولوں سے اٹھالو، ہمیں ایسی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ کے نبی حضرت یعقوب علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام دنیا سے جا رہے ہیں تو اپنی اولاد سے یہ فرما رہے ہیں: اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ اس زمانے میں اس آیت کا ترجمہ کر کے اس کو چھپوا کر اسٹیکر کی شکل میں بہت بڑے پیمانے پر لوگوں میں پھیلانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اولاد کا اپنے والد کو تسلی بخش جواب

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یہ سوال کیا تو بیٹوں نے کیا جواب دیا: قَالُوْا

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا: اے ابا جان! آپ بے فکر رہیے، آپ جب دنیا سے جائیں گے تو ہم کس کی عبادت کریں گے؟ آپ کے معبود کی! آپ زندگی بھر جس کی عبادت کرتے رہے، کون؟ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا: وہی جو آپ کے باپ دادا کا معبود ہے، باپ دادا بھی کون؟ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ: اور ہم اسی کے حکم کے سامنے سر جھکائیں گے۔ اولاد کی طرف سے بھی یہ اطمینان دلایا گیا، تب باپ اطمینان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

دین دار اولاد ہی والدین کو دنیا وآخرت میں کام آتی ہے

ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور اس ماحول میں جب کہ ہماری موجودہ اور آنے والی نسلوں کو بلکہ ہم جیسے پرانے لوگوں کے ایمان واسلام میں شکوک وشبہات ڈال کر ایمان سے محروم کرنے کی بھر پور کوششیں بڑے پیمانے پر کی جارہی ہیں، ایسے موقع پر اپنی اولاد کے ایمان کی فکر کرنا ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے، غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے، ایسی ساری تعلیم گاہیں، ایسے سارے ادارے جہاں جا کر ہماری اولاد ایمان سے محروم ہوسکتی ہو، ایسے اداروں میں اپنی اولاد کو بھیجنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے، ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا اہتمام کیا جائے اور ہم اپنی اولاد کو اسلامی، ایمانی تربیت سے آراستہ کریں، اس میں ہمارا دنیا اور آخرت کا فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی آپ کی وہی اولاد خدمت کرے گی جس کو آپ نے نیک بنایا ہے اور آپ کے مرنے

کے بعد بھی وہی آپ کے لیے دعائیں کرے گی، ایصالِ ثواب کرے گی اور جس کو آپ نے کوئی دینی تعلیم نہیں دی تھی، جیسا کہ ابھی آپ نے سنا، تو نمازِ جنازہ بھی پڑھنے کے لیے حاضر نہیں رہے گا، دعا تو کیا کرے گا؟! اس لیے ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تربیتِ اولاد (۲)

اقتباس

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد اگر کسی کا سب سے زیادہ حق ہوسکتا ہے تو ماں باپ کا ہے، انسان کے دنیا میں ظاہری طور پر وجود میں آنے کے لیے ذریعہ ماں باپ بنے ہیں تو اب ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں اپنا حق بیان کرنے کے بعد ماں باپ کا حق بیان کیا ہے، بہت بڑا حق ہے ماں باپ کا لیکن آج کل یہ لوگ جو ہیں، ایک خاص لوبی ہے جو دنیا کے اندر خرابیاں پھیلانا چاہتے ہیں، شیطانی نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں تو اولاد کو ماں باپ سے کاٹنے کا ان کا مشغلہ ہے تو باقاعدہ بچوں کو بتلایا جاتا ہے کہ تم جو وجود میں آئے اس میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے؟ ان دونوں نے اپنی شہوت پوری کرلی، بات ختم، وہ دونوں تو اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ملے تھے، اب اتفاق کی بات کہ وہ مادہ منویہ اندر جا کر تمہارا بیج بن گیا اور تم پیدا ہو گئے، گویا تمہارے ماں باپ نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، یہ تعلیم دی جاتی ہے، گویا یہ انسانی شہوت کا نتیجہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:٦]

محترم حضرات! کل وہاں گلوسٹر کے اندر اولاد کی تربیت پر بات چیت ہوئی تھی، آج ہمارے بہت سے احباب کا تقاضا یہ ہوا کہ اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں انہی باتوں کا کچھ اعادہ کرلیا جائے۔

ہر مخلوق میں خیر وشر دونوں پہلو موجود ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا، جتنی بھی مخلوقات ہیں، عام طور پر کائنات کی ان مخلوقات کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو حکمتیں کارفرما ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ ان مخلوقات کے اندر اگر غور کریں گے تو ان میں سے ہر ایک مخلوق میں- بعض مخلوق مستثنیٰ ہے اس سے- جہاں خیر کا پہلو موجود ہے وہاں شر کا پہلو بھی ہے، جہاں نیکی ہے وہاں بدی بھی ہے، جہاں اس سے فائدہ پہنچتا ہے وہاں اس سے نقصان بھی پہنچتا

ہے، ہر مخلوق میں اگر آپ غور کریں گے تو یہ بات ضرور نظر آئے گی: ہم کھانا کھاتے ہیں، روٹی کو بھی، بوٹی کو بھی ہم غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا مدار ظاہری اسباب کے طور پر روٹی پر ہے لیکن یہی غذا، یہی کھانا اگر زیادہ مقدار میں ہمارے جسم میں پہنچ جائے تو بجائے اس کے کہ وہ ہمارے لیے موجبِ حیات ہوتا اور ہماری زندگی اس سے بڑھتی، ہوسکتا ہے کہ وہی غذا ہمارے لیے موت کا سبب بن جائے۔

کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے

بہت سے لوگ کھا کر مرتے ہیں بلکہ ہمارے بعض جاننے والے احباب تو کہا کرتے ہیں کہ بھوک سے مرنے والوں کے مقابلے میں کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔تو بہرحال! یہ غذا خیر ہی خیر ہوتی تو یہ جسم میں جتنی زیادہ مقدار میں چلی جائے تو اس کی وجہ سے بھلائی میں اضافہ ہی ہونا چاہیے، نہ یہ کہ باعثِ تکلیف ہو، معلوم ہوا کہ اس میں برائی کا پہلو، نقصان کا پہلو بھی موجود ہے۔

پانی میں شر کا پہلو

پانی جس کے بغیر ہم زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتے، پانی کے متعلق قرآن کریم میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبياء:۳۰] کہ پانی سے ہم نے ہر جان دار کو بنایا ہے، اس کی زندگی کا مدار ہی ظاہری طور پر اس پر ہے لیکن یہی پانی اگر زیادہ مقدار میں آدمی کے جسم میں پہنچ جائے تو یہ بجائے اس کے کہ اس کے لیے باعثِ خیر ہو وہ اس کے لیے نقصان دہ بلکہ کبھی موت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

ہوا میں شر کا پہلو

ہوا کہ جس کے بغیر ایک منٹ کے لیے ہمیں چین میسر نہیں، یہی ہوا اگر زیادہ مقدار میں پہنچ جائے تو آدمی کی سانس اکھڑنے لگتی ہے الغرض جن چیزوں کو ہم ضروری اور بنیادی سمجھتے ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ ان میں دونوں پہلو موجود ہیں، ان میں فائدہ کا پہلو بھی موجود ہے اور نقصان کا پہلو بھی موجود ہے، خیر جہاں ہے، وہاں شر بھی ہے۔

نام ہے اس کا بشر، اس میں شر ہے دو بٹا تین

انسان بھی دنیا ہی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں بھی یہی دونوں پہلو رکھے ہیں جہاں انسان سے آپ کو فائدہ پہنچتا ہے، وہاں اس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، جہاں اس میں خیر موجود ہے وہاں شر بھی موجود ہے، اگر وہ آپ کو فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ راحت رسانی کے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے کہ جن کو دیکھ کر کے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور اگر کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو ضرر اور نقصان پہنچانے کے ایسے ایسے طریقے اپناتا ہے کہ انسان سوچتا رہ جاتا ہے۔ تو بہر حال اس کائنات کی ہر مخلوق میں یہ دو باتیں خیر اور شر موجود ہیں، ایک اصول تو قدرت کا یہ ہے۔

خیر انسان کا وصفِ عارضی ہے اور شر وصفِ ذاتی

دوسرا اصول قدرت کا یہ ہے کہ یہ جو خیر اور شر ہے ان میں سے جو خیر ہے وہ کسی ذات میں موجود نہیں بلکہ خیر اور بھلائی کو باہر سے اس کے اندر محنت کر کے داخل کیا جاتا ہے جب کہ شر مخلوق کی اس مخلوقیت کا وصفِ ذاتی ہے، وہ اس کی ذات میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک وصفِ ذاتی ہوا کرتا ہے اور ایک ہوتا ہے وصفِ عارضی۔ مثلاً پانی ہے، اس کا وصفِ ذاتی طہارت ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا﴾ [الفرقان:۴۸] پاک پانی، پاک کرنے والا پانی اتارا لیکن اسی پانی کے اندر جو کہ تھوڑی مقدار میں ہو اگر کوئی ناپاک چیز مل جائے تو وہ ناپاک بھی بن جاتا ہے لیکن پانی اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہے، پاکی اس کا وصفِ ذاتی ہے، اب اس کے اندر جو ناپاکی آئی وہ عارضی طور پر ہے، اصلاً وہ ناپاک نہیں ہے۔

وصفِ ذاتی شئی میں اصلاً پایا جاتا ہے اس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں

اور پیشاب، پاخانہ وغیرہ ناپاکی اس کا وصفِ ذاتی ہے اور یہ وصفِ ذاتی اس سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا، بھائی! کوئی ایسی شکل ہوسکتی ہے کہ پاخانہ کو پاک قرار دیا جائے، نہیں، پاخانہ جب تک کہ موجود ہے وہ ناپاک ہے، آپ سات سمندر کا پانی اس پر ڈال دیں لیکن جب تک پاخانہ پاخانہ ہے وہ ناپاک ہی کہلائے گا، وہ پاک ہونے والا نہیں ہے۔ ہاں! جس پر عارضی نجاست لگی ہوئی ہو، مثلاً کپڑے پر اگر پیشاب لگ گئی تو آپ پانی کے ذریعہ کپڑے کو دھوئیں گے تو پانی کپڑے سے لگ کر کے اس پیشاب کو جو کپڑے پر لگی تھی، اس کو دور کر دیتا ہے تو کپڑا ناپاک بنا تھا پیشاب کے لگنے کی وجہ سے، اب جب پانی آیا اور اس نے آ کر پیشاب کو ہٹا دیا تو وہ پاک ہوگیا، ناپاکی کا حکم ختم ہوگیا، تو کپڑے کی ناپاکی عارضی تھی، اس کا یہ ذاتی وصف نہیں تھا۔ جب کہ پیشاب

اور پاخانہ میں ناپاکی ان کا ذاتی وصف ہے۔

وصفِ عارضی کو شئی میں بذریعۂ محنت داخل کرنا پڑتا ہے

تو بتلانا یہ چاہتا تھا کہ جو ذاتی وصف ہے وہ ہمیشہ اس کے اندر باقی رہتا ہے اور جو عارضی وصف ہے، اس کو محنت کر کے داخل کیا جاتا ہے اور جب تک محنت باقی رہتی ہے، وہ عارضی وصف باقی رہتا ہے، جیسے ہی محنت ختم تو وہ عارضی وصف بھی ختم ہو جاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ مخلوقات کے اندر خیر عارضی ہے، اس کو باہر سے محنت کر کے داخل کیا جاتا ہے، پیدا کیا جاتا ہے اور شر اور برائی ذات میں موجود ہے۔

بہاریں یوں ہی آیا نہیں کرتیں

مثلاً ایک باغ ہے، ایک باغ کی خوبی یہ ہے کہ وہ سرسبز ہو، شاداب ہو، اس کے درخت ہرے بھرے ہوں، ان کے اوپر پھول ہوں، پھل ہوں اور دیکھنے والے کے لیے جاذبِ نظر ہو، اب باغ کی یہ خوبی، اس کے درخت کا سرسبز وشاداب ہونا اور اس کا ہرا بھرا ہونا، اس کے اوپر کثرت سے پھولوں اور پھلوں کا آنا یہ آپ ہی آپ نہیں ہوگا، اس کے لیے آدمی کو کس قدر محنت کرنی پڑے گی؟ عمدہ قسم کی زمین حاصل کی جائے گی اور اس کے اندر عمدہ قسم کا بیج ڈالا جائے گا اور اس کے اندر پانی ڈالا جائے گا اور پھر اس کے اندر ہل چلانے کے واسطے اور اس کی ساخت پرداخت اور دیکھ بھال کے واسطے مالی، باغبان وغیرہ مقرر کیے جائیں پھر جب اس کے اندر درخت اُگنے شروع ہوں تو کونپل پھوٹنے سے لے کر بڑے ہونے تک اور پھل اور پھول آنے تک مسلسل

نگرانی کی جاتی رہے اوراس کو جانوروں سے بچایا جائے اوراس کو نقصان پہنچانے والی دوسری تمام چیزوں سے بچایا جائے، تب جا کر اس کے اندر یہ کمال اور خوبی آئے گی۔ دیکھئے اس کے اندر جو سرسبزی اور شادابی آئی، خوبی آئی، وہ اتنی محنتوں کے بعد آئی، جو لوگ باغ بنانے کا کام کرتے ہیں، باغ تیار کرتے ہیں، ان سے پوچھ لیجئے کہ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔

محنتِ شاقہ کے بعد آنے والی خوبی کی بقا کے لیے بھی محنتِ شاقہ ضروری ہے

تو اس میں جو خوبی آئی ہے وہ محنت کے راستے سے آئی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اس میں آئے دن محنت کی ضرورت پڑتی رہے گی، اس میں یہ خوبی باقی تبھی رہے گی جب اس محنت کے سلسلہ کو باقی رکھا جائے گا، اگر آپ اس کی سرسبزی وشادابی کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے اوپر محنت کے لیے ایک آدمی رکھنا پڑے گا، کیا ایسا ہوگا کہ باغ سرسبز وشاداب ہو گیا اور آپ پرسکون ہو کر بیٹھ گئے؟ نہیں۔ اس کو پانی پلانے کا سلسلہ، اس کی حفاظت کا سلسلہ اور باقی ضروری سلسلے آپ کو برابر باقی رکھنے پڑیں گے، اگر آپ اس کی طرف سے غفلت برتیں گے تو وہ چیز باقی نہیں رہے گی، معلوم ہوا کہ اس میں جو خوبی آئی وہ باہر سے محنت کر کے آپ نے اندر داخل کی۔

کسی چیز میں شر پیدا کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں

اب رہی خرابی، باغ کی خرابی یہ ہے کہ اس کے درخت کے پتے گر جائیں اور

اس کی سرسبزی وشادابی باقی نہ رہے، اس کے پھل اور پھول نہ ہوں اور وہ باغ بنجر ہو جائے، اجڑ جائے تو باغ کو اجاڑنے کے واسطے آپ کو کچھ محنت کرنی پڑے گی؟ اس کو اجاڑنے کے واسطے پیسے لگانے پڑیں گے؟ باغ کو آباد رکھنے کے واسطے آپ نے جو نظام اور تیاری کر رکھی ہے، آدمی مقرر کیے ہیں، جو باقاعدہ اس کو روزانہ پانی پلاتے ہیں، کچھ لوگ وہ مقرر کیے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں، کچھ لوگ اور ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو پورا اسٹاف (staff) اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے، اس اسٹاف کو آپ چھٹی دے دیجیے، آپ کی تنخواہ بچ جائے گی، اب یہ اجاڑنے کا کام آپ کو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جب اس کو پانی نہیں ملے گا تو ایک وقت آئے گا کہ پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے درخت سوکھتے جائیں گے، اس کے پھل، پھول ختم ہو جائیں گے، پتے جھڑنے لگ جائیں گے، شاخیں بھی خشک ہو جائیں گی اور بجائے باغ کے بنجر جگہ بن جائے گی، تو اس کو بنجر بنانے کے واسطے آپ کو کوئی محنت کرنی نہیں پڑے گی، آپ نے اس کی سرسبزی وشادابی برقرار رکھنے کے لیے جو انتظام کر رکھا ہے، محنت کا جو سلسلہ جاری کر رکھا ہے، آپ نے اس کو موقوف کر دیا تو اس کے اندر جو خرابی موجود تھی، یہ خرابی اندر ہی موجود تھی جو محنت کی وجہ سے چھپی ہوئی تھی، اب جب وہ محنت ہم نے وہاں سے ہٹا لی تو وہ دبی ہوئی اندر کی خرابی ابھر کر کے سامنے آ گئی۔

مکان میں خوبی پیدا کرنے کے لیے ہونے والی محنتیں

ایک مکان ہے، اس مکان کی خوبی یہ ہے کہ وہ عمدہ قسم کا ہو، اس کا پلاستر عمدہ

ہو، اس کا رنگ، روغن اچھا ہو، اس کے اندر کا سامان عمدہ ہو، اب آپ عمدہ قسم کا مکان تیار کرنے کے واسطے پہلے تو اس کا نقشہ کھینچیں گے، کسی آرکٹیک (architect) کے ذریعہ اس کو تیار کرائیں گے، اس کے بعد کسی اچھے انجنئیر (engineer) کے حوالے کیا جائے گا، پھر آپ عمدہ قسم کا مٹیریل (material) حاصل کریں گے، اس کے بعد اس ڈیزائن (design) کے مطابق مکان بننا شروع ہوگا تو کتنے لوگوں کو روزی ملے گی، کتنے ماہرِ فنون جمع ہوں گے؟ کوئی آرکیٹیک ہے، کوئی انجنیئر ہے، کوئی معمار ہے، کوئی بڑھئی ہے، کوئی پینٹر (painter) ہے، کوئی پلمبر ہے، معلوم نہیں دنیا کے کتنے ہنر والوں کی محنت اس میں لگے گی، تب جا کر عمدہ پسندیدہ مکان تیار ہوگا اور اس کے لیے ہزاروں، لاکھوں پاؤنڈ کا خرچہ ہوگا۔

حسین مکان کو بدصورت بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں

اتنی ساری محنتوں اور اتنے سارے مصارف کے بعد یہ مکان تیار ہوا، اب اس مکان کے اندر باہر سے جو رونق داخل کی گئی، اس کو برقرار رکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً اس کی صفائی کرتے رہیے، موقع بموقع اس کو رنگ وروغن کرتے رہیے، مختلف طریقوں سے اس کی حفاظت کا بندوبست آپ کو کرنا پڑے گا اور اس کی خوبی کو باقی رکھنے کے واسطے آپ کو بہتر انتظام کرتے رہنا پڑے گا، اس کی سروِس کرتے رہنا پڑے گا اور اگر آپ اس مکان کی عمدگی کو خرابی سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں، اس کو ویران بنانا چاہتے ہیں تو کیا آپ کو اس کے لیے کوئی محنت کرنی پڑے گی؟ ہر گز نہیں، آپ نے اس مکان

کی حفاظت کے لیے صفائی، ستھرائی کے لیے جو انتظام کیا ہے، اس سلسلہ کو موقوف کر دیجیے، ایک وقت آئے گا کہ دھیرے دھیرے اس پر گرد و غبار جمے گا اور اس کے جمنے کی وجہ سے دھیرے دھیرے اس کا پلاستر اکھڑنا شروع ہوگا، پلاستر اکھڑنے کی وجہ سے دیواریں اندر سے بوسیدہ ہونی شروع ہوں گی پھر دیوار ختم ہو جائے گی اور دیوار کے ختم ہوتے ہی چھت بھی زمین پر آ جائے گی، اب یہ ویران کھنڈر بن گیا، اس کے لیے آپ کو کون سا خرچ کرنا پڑا؟ کون سی محنت کرنی پڑی؟ الغرض اس کی خوبی کو برقرار رکھنے کے لیے آپ جو محنت کرتے تھے، محنت کے اس سلسلہ کو آپ نے موقوف کر دیا تو جو خرابی اس کی ذات کے اندر موجود تھی، وہ ابھر کے سامنے آ گئی۔

اشیاءِ خورد و نوش کی خوبی اور اس میں در آنے والی خرابی

کھانا! کھانے کے اندر خوبی یہ ہے کہ وہ خوش ذائقہ ہو، اس کا مزہ بھی عمدہ ہو، اس کا رنگ بھی عمدہ ہو، دیدہ زیب ہو اور وہ خوش رنگ ہو، خوشبودار بھی ہو، اب کھانے کو خوش ذائقہ و خوشبودار بنانے کے لیے ماہر باورچی، ماہر پکانے والی کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی اور ماہرینِ سودا سے سودا خرید کر کے لانا پڑے گا اور کتنی محنت اور توجہ سے آپ کو کھانا تیار کرنا پڑے گا، تب جا کر کے عمدہ کھانا تیار ہوگا۔ پھر یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کو باقی رکھنے کے واسطے جو محنت ہے! باقاعدہ فریز (freeze) کا انتظام کیجیے پھر اس کے اندر اس کو رکھنے کا انتظام کیجیے پھر فریز کے ساتھ لائٹ کی سپلائی (supply) کا انتظام کیجیے اور اگر آپ کھانے کو بگاڑنا چاہتے ہیں تو آپ اس کی حفاظت کا جو انتظام کر

رہے ہیں، اس انتظام کو موقوف کر دیجیے، آپ ہی آپ وہ بگڑ جائے گا، اس کو بگاڑنے کے لیے آپ نے کون سا خرچہ کیا؟ کون سی محنت لگائی؟ معلوم ہوا کہ بگاڑ جو اس کی ذات کے اندر موجود تھا جو آپ نے اپنی محنت کے ذریعہ سے، کوشش کے ذریعہ سے دبا رکھا تھا، آپ نے اس کی خوبی کو برقرار رکھنے کے لیے جو محنت کی تھی، محنت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا تو آپ ہی آپ اس کا بگاڑ جو تھا، وہ ظاہر ہو گیا۔

کوئی شکمِ مادر سے باوصف پیدا نہیں ہوتا

یہی عالم انسان کا ہے۔ انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو انسان میں کوئی خوبی نہیں ہوتی اس بچے کو عالم بنانے کے واسطے محنت کی ضرورت ہے اور انسان ماں کے پیٹ سے عالم بنا بنایا پیدا نہیں ہوتا، اگر ایسا ہی ہوتا تو دنیا میں مدارس اور اسکول اور کالیج اور یونورسیٹی کو قائم کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اندر صلاحیتیں رکھ دی ہیں اور وہ علم حاصل کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔاۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [النحل] جب تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے نکالا، تب تم کچھ نہیں جانتے تھے، ہاں تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے، یہ وہ اعضاء ہیں جن کے ذریعہ انسان علم حاصل کرتا ہے، کانوں کے ذریعہ سے سن کر، آنکھوں کے ذریعہ سے دیکھ کر اور دل کے ذریعہ سے سوچ کر، سمجھ کر علم حاصل کرتا ہے تو علم کے حصول کے آلات اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا کر دیئے۔

انسان کو جاہل بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے

تو بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو وہ کوئی عالم پیدا نہیں ہوا تھا، اب اس کو عالم بنانے کے لیے آپ کو باقاعدہ محنت کرنی پڑے گی، توجہ سے کام لینا پڑے گا، کہیں آپ نے دیکھا ہے کہ کسی انسان کو جاہل بنانے کے لیے کوئی یونورسیٹی، کوئی مدرسہ، کوئی کالیج، کوئی اسکول قائم کیا گیا ہو، ایسا تو آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا؛ کیوں کہ انسان جاہل پیدا ہوتا ہی ہے، اگر آپ اس کو علم نہیں سکھائیں گے تو وہ جاہل کا جاہل ہی رہے گا۔

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی

دوسری اس کی خوبی عمل ہے، اخلاق ہے اور اعمال سے آراستہ ہونا ہے تو اب آپ اپنے بچے کو عالم بنانے کے واسطے اساتذہ کی خدمات حاصل کرتے ہیں، ان کو تنخواہ دی جاتی ہے پھر وہ آپ کے بچے کو علم سکھانے کے واسطے کبھی پٹائی بھی کر دیتے ہیں، حالانکہ یہاں حکومت کی طرف سے سخت آرڈر یہ ہے کہ تعلیمی و تربیتی سلسلے میں بچے پر سختی نہ کی جائے پھر بھی آپ بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے اس چیز کو برداشت کر لیتے ہیں پھر انسان میں عمل کی خوبی بھی باقاعدہ تربیت کے راستے سے داخل کی جاتی ہے، اس کے لیے باقاعدہ شیوخ اور مربیوں کے حوالے کیا جاتا ہے، خانقاہوں میں اسی لائن کی محنت ہوتی ہے تو تربیت کے واسطے بھی مستقل ایک محنت ہے۔

شر اور برائی انسان کی سرشت میں داخل ہے

اور اگر آپ اس کو بداخلاق بنانا چاہتے ہیں تو بداخلاق بنانے کے لیے کوئی

محنت کرنے کی ضرورت ہے؟ نہیں، اس کو اچھے اخلاق والا بنانے کے لیے جو محنت کر رہے تھے، اس محنت کا سلسلہ موقوف کردیجیے، اس کے لیے آپ کو کوئی محنت نہیں کرنی پڑے گی، بگاڑ جو اس کی ذات کے اندر موجود ہے وہ خود ابھر کر سامنے آجائے گا اور لوگ کہیں گے کہ یہ اتنا جلدی بگڑ گیا؟ یہ بگاڑ کیوں اتنا جلدی آتا ہے؟ بگاڑ اس لیے جلدی آتا ہے کہ وہ اس کی ذات میں موجود ہے۔

تربیتِ انسانی کی تفہیم ایک عام فہم مثال سے

میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں کہ: آپ کو آئس کریم (ice-cream) تیار کرنی ہے تو آئس کریم تیار کرنے کے لیے کیا کریں گے؟ دودھ وغیرہ اس کا جو کچھ بھی مٹریل ہے لاکر کے اس کو ایک مخصوص ڈبے میں رکھنا پڑتا ہے پھر جب تک اس کو ٹھنڈک نہ پہنچائی جائے، وہاں تک آئس کریم تیار ہوسکتی ہے؟ نہیں ہوسکتی۔ پھر اس کے تیار ہونے کے بعد اس کو باہر نکال کر رکھ دیں گے تو پگھل جائے گی، اس کو باقی رکھنے کے لیے-اگر چہ اس کو باقی رکھنے کے لیے اس درجۂ برودت کی ضرورت نہیں جو جمانے کے لیے ضروری تھی، کچھ کم-لیکن بہرحال اس کے لیے ٹھنڈک کی ضرورت ہے۔

اولاد کی صحیح تربیت عملی ماحول سے حاصل ہوتی ہے

انسان کو بنانے کے لیے بھی محنت اور ماحول کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کو بنا ہوا باقی رکھنے کے واسطے بھی محنت اور ماحول کی ضرورت پڑتی ہے، اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں ہم لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ باعمل بنانے کا ہمارا ماحول نہیں، میں نے کل بھی یہ

بات عرض کی تھی کہ ہمارے اکابر کے بارے میں ایک عرصہ تک سوچتا رہا کہ قدماء کی تصنیفات کے اندر تربیت کے موضوع پر جو کتابیں ہیں وہ بہت کم ہیں اور بہت مختصر ہیں، تو میں سوچا کرتا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ ساری چیزیں عمل کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ان حضرات نے اس کے لیے ایک ماحول بنا رکھا تھا۔

خلافتِ امویہ کی بیخ کنی کے بعد خاندانِ بنوامیہ کی تباہی

جو حضرات اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد بنوامیہ کی سلطنت کا سلسلہ شروع ہوا، اور خلافتِ بنوامیہ کے بعد خلافتِ بنوعباس ہے۔ جب ''خلافت'' بنوامیہ کے ہاتھوں سے بنوعباس کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی، خلافتِ عباسیہ کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح ہے، اس کا لقب سفّاح اسی لیے پڑا کہ اس نے بڑے مظالم کیے تھے، خاص کر کے بنوامیہ کو ختم کرنے کے سلسلے میں، اس کے بعد کے خلفاء ابوجعفر منصور وغیرہ ہیں۔ اب جب بنوامیہ کے ہاتھ سے بنوعباس کے ہاتھ میں سلطنت آئی تو بنوعباس کے زعماء جنھوں نے اس وقت سلطنت کے حصول کے لیے محنتیں کی، انھوں نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ خاندانِ بنوامیہ کا کوئی فرد بچ نہ پائے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ بنوعباس کے مخالفین اس ایک آدمی کو اپنی آڑ بنا کر کے اپنا منشا پورا کرنے کے لیے تحریک چلائیں۔ آج کل ایسا ہی تو ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو آڑ بنا کر کے تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔

خاندانِ بنوامیہ کا زمانۂ امن وسکون

عبدالرحمٰن نے اس وقت اندلس، اسپین کے اندر بنوامیہ کی حکومت قائم کی تھی، یہ تو وہاں الگ جگہ چلا گیا؛ اس لیے بچ گیا، ورنہ یہاں بغداد اور دمشق وغیرہ کے علاقوں میں کسی کو نہیں چھوڑا، اس زمانے میں خاندانِ بنوامیہ کے لیے کوئی دوست نہیں رہا تھا، کئی سالوں تک یہ جیلوں میں رہے اور بنوعباس کو جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ اب ہماری سلطنت کو چیلنج کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا اور اب اگر بنوامیہ کا کوئی فرد بنوعباس کے سامنے آ بھی جائے گا تو ہماری سلطنت کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ ان کو کوئی ہلا نہیں سکے گا، تب جا کر خاندانِ بنوامیہ کے لوگوں کو جیلوں سے رہائی نصیب ہوئی۔

اولاد کی صحیح تربیت کا موقع نہ مل سکنے پر بنوامیہ کا اظہارِ افسوس

جب یہ لوگ رہا ہو کر آئے تو ان سے سوال کیا گیا- آپ ذرا اس پر غور کیجیے جو بات میں ابھی عرض کرنے جا رہا ہوں- ان سے سوال کیا گیا کہ آپ اتنی مدت تک جیل خانے کے اندر رہے، کون سی چیز آپ کے لیے زیادہ تکلیف دہ رہی- آپ اندازہ لگائیں کہ جس خاندان کے پاس اتنے سالوں تک حکومت رہی ہے، جو اس کے ہاتھ سے اب نکل چکی ہے اور وہ اس زمانے میں سب سے بڑی حکومت سمجھی جاتی تھی، جس نے اس سے پہلے کی دو بڑی سپر پاور (super-power) طاقتوں کو ختم کر کے اس کے ملبے کے اوپر اپنی حکومت قائم کی تھی، وہ حکومت کتنی بڑی تھی! اتنی بڑی حکومت جس خاندان کے ہاتھوں سے چلی گئی ہو، اس کو اس حکومت کے چلے جانے کا کتنا افسوس

ہوسکتا ہے! لیکن بنوامیہ کے ان افراد نے مذکورہ سوال کے جواب میں کیا کہا؟ کہ ان جیلوں کے اندر رہنے کے عرصے میں ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کی تربیت کا موقع نہیں ملا، ان جیلوں میں بند رہنے کی وجہ سے، انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے ہاتھوں سے حکومت چلی گئی اس پر کسی افسوس کا اظہار نہیں کیا، افسوس کا اظہار اگر کیا ہے تو اس پر کیا ہے کہ ان کے جیلوں میں بند رہنے کی وجہ سے اولاد ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں رہی اور ہمیں اپنی اولاد کی تربیت کا موقع نہیں ملا۔

اولاد کی تربیت کے معاملے میں ہماری غفلت اور کوتاہی

آج ہمارے پاس ہماری اولاد موجود ہے اور ماں باپ میں سے باپ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کام کے لیے اپنے گھر سے ایسے وقت نکلتا ہے جب کہ یہ بچے سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور شام کو گھر ایسے وقت لوٹتا ہے جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں، اب دن بھر بچے کہاں تھے؟ انھوں نے کیا کیا؟ کس کی صحبت میں رہے؟ ان کی تربیت کا کیا کیا انتظام ہوا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں اور اس کی ہمیں فکر نہیں، بس ہفتہ کے اندر سنیچر اتوار کا ایک دن آتا ہے جس میں ماں باپ پر یہ دھن سوار رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اِدھر اُدھر ذرا ان کو کچھ تفریح کرادی جائے لیکن افسوس کہ اس طرف ہماری توجہ نہیں جاتی کہ اس دن میں ہفتے بھر کی تربیت میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی کرادی جائے، تربیت کے سلسلے میں کچھ باتیں بتلائی جائیں؛ تاکہ مزید کام دے سکیں، اس کا کوئی اہتمام ہی نہیں، ان کی تفریح کی کوشش تو ہے لیکن ان کی تربیت کی طرف توجہ نہیں۔

نہیں جہاں جائے عیش وعشرت، سنبھل سنبھل، ورنہ ہوگی حسرت

اندازہ لگائیے کہ ہم نے اپنے آپ کو کتنا برباد کیا! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے تشخص کو باقی رکھیں، اگر اس سے ہمیں اقتصادی مضبوطی حاصل ہو بھی گئی لیکن اقتصادی مضبوطی کو حاصل کرنے کے لیے اگر ہم نے اپنے دین کا سودا کیا اور اپنی نسلوں کو دین اور اسلام سے محروم کردیا تو یاد رکھیے کہ یہ سودا بڑے گھاٹے کا سودا ہے، خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم یہ طے کرلیں کہ ہم یہ مال حاصل کرنے کے لیے اتنی بڑی قربانی نہیں دیں گے، ہم مال کے حصول کے لیے دین کی قربانی دے رہے ہیں، اپنی اولاد کی دیانت اور عملِ صالح کی قربانی دے رہے ہیں، اگر انسان یہ سوچے گا تو ڈرے گا، اگر ہم نے اپنے بچوں کی تربیت اور تعلیم کا اہتمام نہیں کیا اور بچے اسکول چلے گئے تو اس خطرناک ماحول کا اثر ہماری اولاد کو ختم کردے گا۔

مقصد ہو اگر تربیت لعلِ بدخشاں

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ بچوں کو بنانے کے واسطے، انسان بنانے کے واسطے، مسلمان بنانے کے واسطے محنت کرنی پڑے گی۔ اسلامی آداب سے اور اسلامی تعلیمات سے، اسلامی اخلاق سے، اسلامی اعمال سے آراستہ کرنے کے لیے ہمیں اپنے خون کو پانی کرنا پڑے گا، تب یہ چیز حاصل ہوتی ہے؛ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں، بچوں کی تعلیم اور تربیت کی طرف توجہ کریں۔ اچھے افراد کو وجود میں لانے کے لیے شریعت کا نظام کتنا پیشگی اور مستحکم ہے اس کی نظیر نہیں مل

سکتی۔مثلاً شوہر جب اپنی بیوی کے پاس صحبت کرنے کے لیے جاتا ہے،اندازہ لگائیے کہ اس وقت آدمی کے ذہن پر کیا چیز سوار ہوتی ہے،وہ محض خواہش کی تکمیل چاہتا ہے لیکن اسلام نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ شوہر جب بیوی کے پاس صحبت کے لیے جائے تو ان سنن وآداب کی رعایت کرے۔

تعلیماتِ نبوی کی جامعیت

حضرت شاہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث کا خلاصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں ہیں،صرف دعاؤں میں غور کروگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا کچھ اندازہ ہوگا،مثلاً دیکھئے رمضان کا مہینہ کتنا مہتم بالشان ہے اور اس کو وصول کرنے کے لیے ایک مؤمن کو کتنا اہتمام کرنا چاہیے تو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنا اہتمام فرماتے تھے،رجب کا چاند دیکھا،وہاں سے ہمیں دعا سکھلائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ (۱) اے اللہ!تو ہم کو برکت دے رجب اور شعبان کے مہینے میں اور رمضان تک پہنچادے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ رمضان جیسا برکت والا مہینہ،اس کو اب زیادہ دن نہیں رہے،اب اس میں زیادہ دیر نہیں رہی ہے،صرف دو مہینے باقی رہ گئے،اے اللہ!ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے میری موت آجائے اور رمضان کی برکتیں حاصل کیے بغیر میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں، اے اللہ!تو مجھے اتنی زندگی ضرور دے کہ میں رمضان کے فوائد حاصل کرسکوں۔

---

(۱)شعب الإیمان للبیهقی عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ تَخْصِيصُ شَهْرِ رَجَبٍ بِالذِّكْرِ.

ماہِ رجب کی آمد پر پڑھی جانے والی دعا کی حکمت

آخر یہ دعا سکھلائی، کس بات کے واسطے سکھلائی؟ پہنچنے والے اس مہینہ تک پہنچ جاتے ہیں لیکن اس دعا کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہر مسلمان کو متوجہ کررہے ہیں کہ دیکھو تیار ہو جاؤ۔

سردی آتی ہے، دسمبر کا مہینہ آرہا ہے، تو سردی کی موسم سے کتنا عرصہ پہلے سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں؟ مال کا آرڈر کب سے بک کراتے ہیں، جہاں سے مال لاتے ہیں وہاں لائن لگی ہوئی ہوتی ہے، مہمان آتے ہیں ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی جاتی، معلوم نہیں کتنی اور کیا کیا تیاریاں اس کے لیے کی جاتی ہیں، یہ موسم آرہا ہے نیکیوں کا تو رجب کے مہینے ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تربیت فرمائی رمضان کی تیاری کی پھر جب رمضان کا مہینہ آیا تو رمضان کے مہینہ کے آنے پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا سکھلائی: اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنَا لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لَنَا وَتَسَلَّمْهُ مِنَّا مُتَقَبَّلًا(۱) اے اللہ! تو ہمیں رمضان کے لیے خالص کر دے اور رمضان کو کو ہمارے لیے خالص کر دے یعنی رمضان کے مہینے کے اکثر و بیشتر اوقات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنی ہے،

---

(۱) یہ دعا مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد کتب میں وارد ہوئی ہے، بعینہ ان الفاظ کے ساتھ میری حقیر کوشش کے بعد مجھے نہیں ملی، **"فضائل رمضان لابن أبي الدنيا"** میں یہ دعا ابو جعفر کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: اللهم أهله علينا بالأمن، والإيمان، والسلامة، والإسلام، والعافية المجللة، ورفع الأسقام، والعون على الصيام والصلاة وتلاوة القرآن، اللهم سلمنا لرمضان، وسلمه لنا، وتسلمه منا حتى يخرج رمضان وقد غفرت لنا، ورحمتنا، وعفوت عنا (۱/۵)

ایسا نہ ہو کہ ہم اس اصل کام کی طرف سے غفلت برتیں اور دوسرے امور کی طرف متوجہ ہوجائیں، بلکہ ہماری پوری توجہ رمضان کی برکتوں کو حاصل کرنے کی طرف ہونی چاہیے۔

کسی بستی میں جاتے ہوئے پڑھنے کی دعا اور اس میں مضمر حکمت

اسی طرح کسی بستی میں جب جاتے ہیں تو دعا سکھلائی گئی، اَللّٰھُمَّ حَبِّبْنَا إِلٰی أَھْلِھَا وَحَبِّبْ صَالِحِي أَھْلِھَا إِلَیْنَا(۱) اے اللہ! اس بستی والوں کے دل میں ہماری محبت ڈال دے، یہاں پر شر کی قید نہیں لگائی، یعنی ساری بستی والوں کے دل میں ہماری محبت ڈال دے، بستی میں چاہے نیک بستا ہو یا بد بستا ہو؛ تاکہ اس بستی کے کسی فرد سے ہم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پھر آگے فرمایا: اس بستی میں جو نیک لوگ ہیں، ان کی محبت ہمارے دل میں داخل کردے، اس دعا کے اندر ہمیں کیا تعلیم دی؟ کہ اس بستی میں آ کر آپ کو کیا کام کرنا ہے؟ ہر کس و ناکس کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی آپ کو اجازت نہیں ہے بلکہ اس بستی میں جو صلحاء بستے ہیں، انھیں کے ساتھ آپ کا رابطہ اور کانٹیکٹ (contact) ہونا چاہیے، دوسروں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے، اس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

اسی لیے اسلاف کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ کسی بستی میں پہنچتے تھے تو دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو ہمیں یہاں صالح ہم نشین عطا فرما اور ہم اور آپ پہنچتے ہیں تو کھانے پینے کے انتظام کی پہلے فکر ہوتی ہے تو نبی کریم ﷺ دعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھلاتے ہیں اور ہماری تربیت بھی کرتے ہیں۔

---

(۱) الدعاء للطبراني، ص ۲۶۴، باب ما یقول المسافر إذا أشرف علی بلدۃ یرید دخولھا.

بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت دعا اور اس کی حکمت

تو آدمی جب بیوی کے پاس جاتا ہے صحبت کرنے کے واسطے تو دعا سکھلائی گئی: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا(۱) اس میں اللہ کا نام بھی ہے اور لینا بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن کے لیے ضرورت ہے کہ ہر جگہ اللہ کا نام لے۔

بسم اللہ کے فوائد و برکات

بیت الخلاء میں داخل ہو رہا ہے تو اللہ کا نام لے، کیوں بھائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جاتا ہے اور اپنا ستر کھولتا ہے تو شیاطین اس کے ستر کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر داخل ہوا اور دعا پڑھ کر داخل ہوا تو شیاطین کی آنکھوں سے وہ اوجھل ہو جاتا ہے، یعنی اگرچہ اس نے اپنا ستر کھول رکھا ہے لیکن شیاطین اس کے ستر کو دیکھ نہیں سکتے، یہ بھی قدرت کا ایک نظام ہے۔

ہر کام بسم اللہ پڑھ کر انجام دینے کی تعلیم

اب دیکھئے کہ آدمی جب رات کے وقت میں گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھتے ہوئے دروازوں، کھڑکیوں کو بند کر کے داخل ہو، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ڈھانکنے کے واسطے اگر ڈھکّن نہیں ہے تو بسم اللہ پڑھ کر آڑی لکڑی رکھ دے، دروازے بند کردو بسم اللہ پڑھ کر، آپ بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کریں گے

(۱) بخاری شریف، عَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا باب مَا يَقُولُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ.

توشیطان کو وہ دروازہ کھولنے کی طاقت نہیں دی گئی ہے جس کو بسم اللہ پڑھ کر بند کیا ہو، ویسے اس کو اللہ نے بڑی طاقتیں دی ہیں لیکن اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کے دروازہ بند کیا تو شیطان گھر میں داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

بسم اللہ کی کرشمہ سازی کا ایک واقعہ

حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری نور اللہ مرقدہ کو آپ حضرات جانتے ہیں، انھوں نے مجھے کئی مرتبہ یہ قصہ سنایا، جن وغیرہ گھر میں آسکتے ہیں لیکن اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا ہے تو نہیں تو فرمایا کہ ایک مرتبہ میں لیٹا ہوا تھا، دیکھا کہ ایک بچہ سا آیا اور اس نے وہ الماری جس میں کھانا رکھا جاتا تھا، جس کو ہم نعمت خانہ کہتے ہیں۔

لطیفہ

اب تو اصطلاحات بھی بدل گئیں۔ ہمارے ایک استاذ تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ آدمی جب سفر کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ پا بر کاب ہے تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ اب پا رکاب کی جگہ یوں کہنا چاہیے: ’’ٹکٹ بدست‘‘۔

بسم اللہ پڑھ کر رکھی ہوئی چیز میں شیطان تصرف نہیں کر سکتا

خیر حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بچہ سا آیا اس نے وہ الماری جس میں کھانا رکھا جاتا ہے اس کو کھولا، جن تھا، جن وغیرہ بھی چوری کرتے ہیں لیکن اگر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کیا ہے، بسم اللہ پڑھ کر الماری، فریز کا دروازہ بند کیا ہے، بسم اللہ پڑھ کر برتن کو ڈھانپ لیا ہے تو نہیں

کرسکتا، اب فرماتے ہیں کہ اس میں بہت کچھ تھا، بسکٹ تھے، فروٹ تھے۔

سال بھر میں آنے والی ایک رات جس میں بلائیں نازل ہوتی ہیں

حدیث میں آتا ہے کہ سال بھر میں ایک رات ایسی آتی ہے کہ جس میں بلائیں اترتی ہیں اور اس رات آپ اگر برتن کو ڈھانکیں گے نہیں تو اس میں یہ بلائیں سرایت کرجاتی ہیں اب وہ کون سی رات ہے؟ معلوم نہیں، لہٰذا ہمیں ہمیشہ اس کا اہتمام کرنا ہے کہ بسم اللہ بول کر برتن کو ڈھانکیں، بسم اللہ بول کر اگر آپ برتن کو ڈھانکیں گے تو بلا کا اثر اندر نہیں آئے گا تو بہرحال! حفاظت کا یہی ایک طریقہ ہے۔

بوقتِ صحبت ماثور دعا نہ پڑھنے کا نقصان اور وبال

اگر آپ بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء کے اندر جائیں گے تو شیطان کو آپ کی شرم گاہ کے ساتھ کھیلنے کا موقع نہیں ملے گا، اسی طرح یہ تربیت دی، یہ تعلیم دی کہ شوہر جب بیوی کے پاس صحبت کے لیے جائے تو ستر کھولنے سے پہلے دونوں بسم اللہ پڑھیں:
بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا: کہ اللہ کے نام سے اور اے اللہ! ہم کو شیطان سے بچا اور وطی کے نتیجہ میں جو بچہ دے گا اس کو بھی شیطان سے بچا۔ اگر صحبت کے وقت یہ دعا نہیں پڑھی جاتی تو بعض روایتوں میں ہے کہ آدمی کی شرم گاہ کے ساتھ شیطان لپٹ جاتا ہے اور وہ بھی اس کی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو وہ بھی بیوی کی صحبت میں شریک ہوجاتا ہے (۱)۔

---

(۱) وَقِيلَ لَمْ يَضُرّهُ بِمُشَارَكَةِ أَبِيهِ فِي جِمَاعِ أُمّه كَمَا جَاءَ عَنْ مُجَاهِد " أَنَّ الَّذِي يُجَامِع ⬅

شیطان انسان کے ہر کام میں شرکت کی کوشش کرتا ہے

شیطان نے تو قسم کھا رکھی ہے، اس نے تو ہماری ہر چیز میں اپنا حصہ بنایا ہے، آدمی کھانے کے لیے بیٹھتا ہے تو اس کا حصہ، آدمی پینے کے لیے بیٹھے تو اس کا حصہ، گھر میں جائے تو اس کا حصہ۔ اللہ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو زبردست تدبیریں اور میزائل بتلا دئے کہ بسم اللہ بولو اور اس کا حصہ ختم۔ کھانے سے پہلے آپ نے بسم اللہ کہا تو شیطان آپ کے کھانے میں شریک نہیں ہوگا، بسم اللہ کے بغیر اگر شروع کیا ہے تو شیطان کھانے میں شریک ہوگا، کھانا جلدی ختم ہو جائے گا اور آپ کی بھوک کا تقاضا پورا نہیں ہوگا، یہاں تک فرمایا کہ جو شروع میں بسم اللہ بھول جائے اور درمیان یاد آئے تو وہ کہے: بسم الله أوله وآخره(۱): اللہ کے نام سے شروع میں بھی، آخر میں بھی تو اس میں جو شیطان کا اثر آیا وہ چلا جاتا ہے، باقی نہیں رہتا۔

اولاد کو ماں باپ سے دور کرنے کی جدید شیطانی چالیں

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد اگر کسی کا سب سے

➲ وَلَا يُسَمِّي يَلْتَفّ الشَّيْطَان عَلَى إِحْلِيله فَيُجَامِع مَعَهُ (فتح الباری شرحِ بخاری ۹/۲۲۹)

(۱) عن جابر بن صبح: حدثني المثنى بن عبد الرحمن الخزاعي وصحبته إلى واسط فكان يسمي في أول طعامه وآخره فسألته: رأيت قولك في آخر لقمة بسم الله في أوله وآخره قال: أخبرك عن ذاك أن جدي أمية بن مخشي وكان من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمعته يقول: إن رجلا كان يأكل و النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ينظر فلم يسم الله حتى كان في آخر طعامه فقال: بسم الله أوله وآخره فقال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مازال الشيطان يأكل معه حتى سمى فما بقي في بطنه شيء إلا قاءه (المستدرك على الصحيحين ۴/۱۲۱)

زیادہ حق ہوسکتا ہے تو ماں باپ کا ہے، انسان کے دنیا میں ظاہری طور پر وجود میں آنے کے لیے ذریعہ ماں باپ بنے ہیں تو اب ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں اپنا حق بیان کرنے کے بعد ماں باپ کا حق بیان کیا ہے، بہت بڑا حق ہے ماں باپ کا لیکن آج کل کچھ لوگ ہیں، ایک خاص لوبی ہے جو دنیا کے اندر خرابیاں پھیلانا چاہتے ہیں، شیطانی نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں تو اولاد کو ماں باپ سے کاٹنے کا ان کا مشغلہ ہے تو باقاعدہ بچوں کو بتلایا جاتا ہے کہ تم جو وجود میں آئے اس میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے؟ ان دونوں نے اپنی شہوت پوری کرلی، بات ختم، وہ دونوں تو اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ملے تھے، اب اتفاق کی بات کہ وہ مادۂ منویہ اندر جاکر تمہارا بیج بن گیا اور تم پیدا ہوگئے، تمہارے ماں باپ نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، یہ تعلیم دی جاتی ہے۔

انسان اپنی فطری خواہش کی تکمیل جانوروں کی طرح نہیں کرسکتا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقاعدہ دنیا کے اندر انسانی سلسلے کو برقرار رکھنے کے لیے یہ قدرتی نظام بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جس طرح کھانے کی خواہش پیدا فرمائی، اسی طرح یہ بھی پیدا فرمائی، اگر اللہ تعالیٰ یہ خواہش پیدا نہ فرماتے تو کون نکاح کرتا؟ کوئی نکاح نہ کرتا، یہ قدرت کی طرف سے ایک نظام مقرر کیا گیا ہے اور مرد و عورت میں ایک دوسرے کی طرف میلان رکھا گیا لیکن اتنا ضرور ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں فرق کیا گیا کہ جانوروں کے اندر بھی نر اور مادہ کے اندر ایک میلان رکھا گیا

لیکن جانور جانور ہیں، ان کے لیے کوئی شریعت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون نہیں ہے، جس نر کا جس مادہ کی طرف میلان ہو، وہ اپنا کام پورا کرلیتا ہے، یہ بھی ایک قدرتی نظام ہے۔

جانوروں میں بھی حیا اور غیرت ہوتی ہے

گذشتہ دنوں ایک مرغی خانے کے افتتاح کی نسبت سے جانے کا موقع ملا جہاں مشین کے ذریعہ گرمی پہنچا کر مرغی کے بچوں کو پیدا کیا جاتا ہے تو ذمہ داروں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ چند مرغیاں ایک مرغے کو اپنے لیے طے کرلیتی ہیں، مثلاً سو مرغیاں ہوتی ہیں تو اس کے اندر ہم دس مرغوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو اب اس کے بعد خود ہی، آپ ہی آپ مرغیوں اور مرغوں میں آپس میں ایسا جوڑ پیدا ہوجاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرغے کے نیچے آنے کے بعد وہ مرغی کسی دوسرے مرغے کو اپنے آپ پر قابو نہیں دیتی، وہ کہنے لگے کہ ہم نے تجربہ کرنے کے لیے یہاں تک دیکھ لیا کہ ہم نے دوسرے مرغے کو رات کے وقت پکڑ کر کے اسی جگہ جہاں یہ مرغی ہے، چھوڑ دیا، ہم نے دیکھا کہ پھر بھی وہ اس کو قابو نہیں دیتی، بلکہ یہاں تک کہ اگر وہ مرغا بیمار رہا اور مرغی کو ضرورت پیش آ گئی تو اس وقت میں وہ مرغی کسی اور کے پاس نہیں جائے گی بلکہ انتظار کرے گی اس کی صحت کا، جانوروں میں بھی اتنی غیرت ہوتی ہے، حالانکہ یہ جانور کسی شریعت کے مکلف نہیں۔

قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے پاکیزہ تر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اشرف المخلوقات

کے لیے اللہ کی طرف سے ایک قانون مقرر کیا گیا ہے ایسا نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے، اب وہ جانور جن کے لیے کوئی قانون نہیں ہے وہ تو قدرت کے قانون کا اتنا احترام کر رہے ہیں تو انسانوں کو تو بطریقِ اولی اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت دعا کی تاکید

الغرض! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایک نظام مقرر کیا ہے، بات یہ چل رہی تھی کہ یہ جو اولاد وجود میں آتی ہے، وہ ایسے ہی اتفاق کی بات نہیں ہے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے کہ مرد اور عورت نے اپنی شہوت پوری کی اور اس کے نتیجہ میں بچے پیدا ہو گئے، نہیں! اللہ تبارک وتعالیٰ کا باقاعدہ ایک نظام ہے، اس کے لیے یہ ساری چیزیں وجود میں آئی ہیں تو دوستو! دعا کا ہر حال میں اہتمام کیا جائے، چاہے بچہ پیدا ہونے کا کوئی امکان بھی نہ ہو، تب بھی اس کا اہتمام ضرور کیا جائے۔

بچے کی پیدائش کے بعد اس سے متعلق تحنیک وغیرہ اسلامی تعلیمات پر ضرور عمل کیا جائے

ایک بات آپ کے سامنے عرض کر دوں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہونے کے بعد شریعت نے ہمیں حکم دیا کہ بچے کو ان آلائشوں سے جو ماں کے پیٹ سے لے کر نکلتا ہے، پاک کرنے کے بعد اس کے داہنے کان کے اندر اذان کے کلمات کہنا اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہہ دینا۔ آج کل ہسپتالوں میں، یہاں تو اس کا ماحول ہے، ہمارے یہاں بھی اب عام ہونے لگا اور ڈاکٹر کے بغیر ہوتا ہی نہیں، اس کا تو

بڑا انتظار کرتے ہیں کہ بچہ پیدا ہو لیکن بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کا اہتمام بھی کرنا ہے کہ اس کے داہنے کان کے اندر اذان کے کلمات کہے جائیں اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہے جائیں، اس کی تحنیک کی جائے۔

تحنیک کا مفہومِ شرعی

تحنیک کا مطلب کیا ہے؟ تحنیک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی نیک بندے کو کھجور دے، وہ اس کو چبا کر کے، اس کے لعاب اس کے تھوک کے اندر ملی ہوئی تھوڑی سی کھجور کو بچے کے تالو سے لگا دی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ دستور تھا، اس کو مستحب قرار دیا گیا، جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو صحابہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھجور کو اپنے منہ میں باریک کر کے اس کا کچھ حصہ اپنے انگلی پر لے کر اس کو بچے کے تالو سے چپکا دیتے تھے، اسی کا نام تحنیک ہے، اس بچے کے پیٹ میں جو غذا جائے تو اس میں بھی کسی صالح آدمی کا لعاب ملا ہوا ہو؛ تا کہ اس بچے میں اس کے اثرات آئیں، اسی کو ہماری اردو زبان میں گھُٹّی کہتے ہیں اور اب تو گھُٹی بنی بنائی تیار دوکانوں کے اندر ملتی ہے، معلوم نہیں اس میں کیا ملاوٹ ہوتی ہے، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اسلام نے جو دعائیں بتلائی ہیں، ان میں تربیت کا پہلو بھی ہے، ان میں بہت سی حکمتیں بھی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی بچوں کی تربیت کی طرف توجہ مرکوز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں ناکام کیوں رہتی ہیں؟

اقتباس

یہ آج کل کی سب سے بڑی بیماری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اسی بیماری کی تشخیص فرمائی ہے اور اس کا علاج تجویز فرمایا ہے: یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ اے ایمان والو! اپنی ذات کی خبر لو، اپنے کو دیکھو، اپنا حال ٹھیک کرو، اپنے حال کی اصلاح اور درستگی کی طرف توجہ کرو، لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اگر تم راہِ راست پر آ گئے، تم نے اپنا حال ٹھیک کرلیا، اپنے آپ کو درست کرلیا تو اگر کوئی راہِ راست سے ہٹ بھی گیا ہو، بھٹک بھی گیا ہو تو اس کا راہِ راست سے ہٹنا اور بھٹکنا تمہارے لیے مضر اور نقصان دہ نہیں ہے۔ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا تم سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جانا ہے یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور جب تم سب وہاں پہنچو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو کچھ تم کرتے تھے، اس کے متعلق بتادے گا، وہاں اعمال نامے پیش ہونے والے ہیں، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اپنی ذات کی طرف سے، اپنے گھر کی طرف سے، اپنے خاندان اور اپنی ہی طرف سے غفلت برت کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی مول لو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدة:۱۰۵]

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

محترم حضرات! اس وقت ہمارا معاشرہ اور سماج جن حالات سے اور جن خرابیوں سے گذر رہا ہے، وہ ہمارے سب کے سامنے ہے، ان خرابیوں اور ان حالات کی اصلاح کے لیے بحمد اللہ مختلف جہتوں سے کوششیں جاری ہیں، اشخاص کے اعتبار سے بھی، جماعتوں کے اعتبار سے بھی، جمعیتوں اور انجمنوں کے اعتبار سے بھی، اداروں اور مدارس اور دوسری مختلف جہتوں سے، مختلف عنوانات پر یہ کوشش جاری ہے کہ ہمارے سماج اور معاشرے میں جو برائیاں گھر کرگئی ہیں ان کو دور کیا جائے۔ کوششیں کرنے والے حضرات اپنے

طور پر کوششیں کرتے رہتے ہیں لیکن ہم سب یہ بات بھی بخوبی جانتے ہیں کہ:

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تو یہ برائیوں کا سلسلہ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ آیتِ کریمہ جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں دراصل معاشرے کی درستگی اور اس کی اصلاح کے سلسلے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے اور کون سا طریقہ اپنانا چاہیے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتلایا ہے۔

نہیں کچھ دل کی شرکت، صرف چلتی ہے زباں تیری

آج کل ایک عام مرض یہ ہے کہ جب کسی برائی کے سلسلہ میں گفتگو کی جاتی ہے تو یوں کہا جاتا ہے کہ لوگ اس میں مبتلا ہیں، لوگ ایسا کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ گفتگو کرنے والا اپنی ذات کو بھول کر دوسروں کے متعلق کلام کرتا رہتا ہے، حالاں کہ حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام[۱] جو آدمی یہ کہے کہ لوگ ہلاک وبرباد ہوگئے تو وہ ان میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم جب اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اور اصلاح کا علَم لے کر چلتے ہیں تو اپنی ذات کو بھول کر ساری باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، میں اگر کسی معاملے پر گفتگو

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ. فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.

(مسلم شریف، باب النَّهْيِ عَنْ قَوْلِ هَلَكَ النَّاسُ)

کروں تو میرا فرضِ منصبی یہ ہے کہ سب سے پہلے میں اپنا محاسبہ کروں اور میں اپنے اعمال کا جائزہ لوں کہ جس سلسلے میں گفتگو کر رہا ہوں، میرا اپنا طرزِ عمل اس سلسلے میں کیا ہے، ایسا نہ ہو کہ: ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة:٤٤] کا مصداق بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے، اہلِ کتاب سے فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالاں کہ اللہ کی کتاب کی تم تلاوت کرتے ہو اور: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف:٢] ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو خود انجام نہیں دیتے، اللہ کے یہاں یہ بڑی غضبناکی اور ناراضگی کی بات ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو اور ''دیگراں را نصیحت وخود را فضیحت'' کہ دوسروں کو تو نصیحت کرو اور خیر خواہی کی بات کرو اور اپنی ذات کو بھول جاؤ؛ اس لیے اصل تو یہ ہے کہ آدمی جس وقت جس موضوع پر گفتگو کر رہا ہو اور اصلاح کے سلسلے میں گفتگو کر رہا ہو اور اصلاح کا ارادہ کر رہا ہو تو اس کو سب سے پہلے اپنی ذات پیشِ نظر رکھنی چاہیے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے

یہ آج کل کی سب سے بڑی بیماری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اسی بیماری کی تشخیص فرمائی ہے اور اس کا علاج تجویز فرمایا ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ اے ایمان والو! اپنی ذات کی خبر لو، اپنے کو دیکھو، اپنا حال ٹھیک کرو، اپنے حال کی اصلاح اور درستگی کی طرف توجہ کرو، لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اگر تم راہِ راست پر آ گئے، تم نے اپنا حال ٹھیک کرلیا، اپنے آپ کو درست کرلیا تو اگر کوئی راہِ راست سے ہٹ بھی گیا ہو، بھٹک بھی گیا ہو تو اس کا راہِ راست سے ہٹنا اور بھٹکنا تمہارے لیے مضر اور نقصان دہ نہیں ہے، اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جانا ہے، يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور جب تم سب وہاں پہنچو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو کچھ تم کرتے تھے، اس کے متعلق بتادے گا، وہاں اعمال نامے پیش ہونے والے ہیں، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر اپنی ذات کی طرف سے، اپنے گھر کی طرف سے، اپنے خاندان اور اپنی ہی طرف سے غفلت برت کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی مول لو۔

مریض دوسروں کے امراض کی فکر سے پہلے اپنے مرض کی فکر کرتا ہے

بھائی! ایک آدمی جو خود بیمار ہو اس کو دوسروں کی بیماری کی طرف دھیان نہیں ہوتا اور اگر میرے پیٹ میں درد ہو اور اس میں مروڑ اٹھ رہا ہو تو اگر کسی کی ناک میں سے پانی بہہ رہا ہو، کسی کو نزلہ اور زکام ہو تو میری توجہ ادھر نہیں جائے گی کہ میں تو اپنا پیٹ لیے بیٹھا ہوں، میرے ہی پیٹ میں درد اٹھ رہا ہے۔ اگر کسی کو ٹی بی ہوئی، کسی کو ٹائیفاڈ ہوا ہے اور کسی کے سر میں اگر درد ہو تو وہ ٹی بی اور ٹائیفاڈ والا دردِ سر والے کو دیکھنے نہیں جاتا، وہ تو اپنی بیماری کو لے کر روتا ہے کہ بھائی! میری بیماری کی طرف دھیان دو، کچھ علاج ہونا چاہیے، میں تو مر رہا ہوں بلکہ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جب آدمی بیمار ہوتا

ہےتو اس کی اپنی بیماری معمولی سی ہے اور دوسرے کی بیماری بڑی ہو تو اس کو اپنی معمولی اور چھوٹی بیماری کا اتنا دھڑکا اور اتنا دھیان لگا رہتا ہے کہ اس سے بڑی بیماری والے کی طرف دھیان دینے کے لیے تیار نہیں۔

اپنی چھوٹی بیماری دوسروں کی بڑی بیماری سے بھی بڑی نظر آتی ہے

ہمارے ایک بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ایک عزیز خاتون کو ہسپتال لے کر گئے جس کے پیٹ میں درد تھا، وہ فرماتے ہیں کہ وہ پیٹ کے درد کی وجہ سے بڑی پریشان تھی لیکن وہ مرض ایسا کوئی تشویش ناک نہیں تھا جس کے متعلق اندیشہ ہو کہ جان ہی نکل جائے گی، درد اور تکلیف بڑھے، ایسا خطرہ تو رہتا ہی ہے تکلیف تو ضرور رہتی ہے، اب وہ اس کی وجہ سے بے چین تھی، اپنی تکلیف کا اظہار کر رہی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ان کو ہسپتال لے کر پہنچا تو دیکھا کہ ایک وہیل چیر (wheelchair) کے اوپر ایک عورت کو لے جایا جا رہا ہے جس کا چہرہ جھلس گیا تھا، جل گیا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے پلاسٹر میں تھے، یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس عزیز خاتون کو تسلی دینے کے لیے کہا کہ دیکھو: اس بے چاری کے ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے ہیں، پلاسٹر کے اندر ہیں، چہرہ جھلسا ہوا ہے، اس کی طرف دیکھ۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ اس کو اپنی تکلیف کا احساس کم ہو تو وہ کہنے لگی: بھائی جان! اس کا درد دیکھنے کے لیے ہم نہیں آئے ہیں اپنی بیماری کے علاج کے لیے آئے ہیں یعنی اس کو اپنی بیماری کا اتنا احساس ہے، حالاں کہ اس کی اپنی بیماری کی کوئی حیثیت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو اس کو اپنی بیماری کی طرف توجہ پہلے ہوا کرتی ہے تو اگر ہم بیمار ہیں، کسی بیماری کے بارے میں ہمیں اندیشہ ہے تو ہمیں اپنی بیماری کا پہلے خیال کرنا پڑے گا، اس کی طرف پہلے توجہ کرنی چاہیے۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال تو ہم پڑھتے ہیں کہ اس معاملے میں وہ حضرات کس نہج پر چلتے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کو بڑا اونچا مقام حاصل ہے، ایک مرتبہ وہ چلے جا رہے ہیں، ان پر ایک فکر سوار ہے، بڑے پریشان ہیں، راستہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، ان کی کیفیت دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حنظلہ! کیا بات ہے؟ بڑے پریشان معلوم ہوتے ہو، کہیں عجلت میں جا رہے ہو۔ انھوں نے کہا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ: حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ یہ کیسے کہہ رہے ہو؟

نفاق اور منافق کی حقیقت

منافق شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو ظاہری طور پر مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوتے تھے، مؤمن نہیں ہوتے تھے، بعض اپنی جان مال کو بچانے کے لیے بلکہ اندرونی طو پر اسلام کو کھوکھلا کرنے کے لیے وہ یہ روِش اپنائے ہوئے تھے، یہ ایک مستقل فرقہ اور بڑی خطرناک قسم ہے جس کے متعلق قرآن میں ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾

[النساء:۱۴۵] فرمایا کہ: منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ علماء جہاں کفر کی قسمیں بیان کرتے ہیں تو وہاں نفاق کو بھی ایک قسم شمار کرتے ہیں: کفرِ نفاق یعنی نفاق والا کفر۔ تو بہرحال! نفاق یہی ہے کہ ظاہر میں کچھ ہو، ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان بتلا رہا ہو اور اندر ایمان نہیں ہے۔

حضرت حنظلہؓ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اصلاحِ نفس کی فکر

تو انھوں نے کہا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ ایسا کیوں آپ کہہ رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: بھائی! دیکھو، جب ہم نبیٔ کریم ﷺ کی مبارک مجلس میں موجود ہوتے ہیں تو اس وقت آپ ﷺ کچھ فرما رہے ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کہ جنت اور جہنم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو اور اولاد کی طرف سے، جائداد کی طرف سے، مال ومتاع کی طرف سے ہمارے دل متنفر ہوجاتے ہیں، اس وقت ہماری کیفیت کچھ اور ہوتی ہے لیکن جب ہم مجلسِ نبوی سے رخصت ہوکے اپنے گھر آتے ہیں، اپنے کام کاج میں، کھیتی باڑی میں، بال بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو نبیٔ کریم ﷺ کی مجلسِ مبارک میں ہوا کرتی تھی، وہ باقی نہیں رہتی، ظاہر ہمارا نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے کچھ اور ہے اور اپنے گھروں میں جا کر ہم کچھ اور ہوجاتے ہیں، یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: بھائی! یہ تو ہماری بھی کیفیت ہے، میرا بھی یہی معاملہ ہے، آپ جو کہہ رہے ہیں: نَافَقَ حَنْظَلَةُ تو مجھے اب تو اپنے ایمان کا فکر لاحق ہوگیا۔

خدا شاہد، یہ ان کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا

اب دیکھئے: یہ کون حضرات ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد مخلوق میں، انسانوں میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی جماعت کے بعد سب سے افضل جو جماعت ہے وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، ان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، انھیں اپنے متعلق نفاق کا خطرہ ہے، دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہے ہیں، ہم تو ساری دنیا کے متعلق تبصرہ کرتے ہیں کہ فلاں بدمعاش ہے، فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، اپنے بارے میں کچھ نہیں کہتے، اپنی ذات تو نظر آتی ہی نہیں، جب بھی کچھ باتیں کرتے ہیں تو ساری دنیا کے متعلق باتیں کرتے ہیں اور اپنا آپ بھول جاتے ہیں، ان حضرات نے کس کے بارے میں تبصرہ کیا؟ اپنی ذات کے بارے میں۔ حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام یعنی صحابہ میں جو معمولی اور ادنی درجے کا صحابی ہے، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اتنا اونچا مقام حاصل تھا کہ اس امت کا بڑے سے بڑا اولی بھی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو وہ صحابی کے خرچ کیے ہوئے آدھے صاع کے برابر بھی نہیں ہوسکتا (۱)۔ آخر کیوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو جو مقام حاصل تھا، اس کو کوئی اور

---

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلاَ نَصِيفَهُ (صحیح البخاری، باب مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ)

صاحب حاصل نہیں کرسکتا۔

توفرشتے تم سے راستوں میں مصافحہ کریں

تو بہر حال! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنا حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً(۱) کہ بھائی! معاملہ ویسا ہی رہے جو یہاں رہتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تمہاری جو کیفیت ہوتی ہے، وہی کیفیت یہاں سے جانے کے بعد بھی باقی رہے تو ظاہر ہے کہ فرشتے تم سے راستوں کے اندر ملاقات اور مصافحہ کریں گے، ہر وقت آدمی کی حالت یکساں نہیں رہا کرتی، اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، کبھی یہ حال رہتا ہے، کبھی وہ حال رہتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو آدمی اپنے گھر والوں کے حقوق ادا نہیں کرسکتا۔

انسان کے احوال ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند	۞	کہ اے روشن گُہر پیرِ خردمند
زمصر بوئے پیراہن شنیدی	۞	چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
گفت احوال ما برق جہان ست	۞	دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم	۞	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

---

(۱) مسلم شریف، عَنْ حَنْظَلَةَ الأُسَيِّدِيِّ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ دَوَامِ الذِّكْرِ وَالْفِكْرِ فِي أُمُورِ الآخِرَةِ وَالْمُرَاقَبَةِ وَجَوَازِ تَرْكِ ذَلِكَ فِي بَعْضِ الأَوْقَاتِ وَالاِشْتِغَالِ بِالدُّنْيَا۔

تو حضرت یعقوب علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یوسف علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کے کرتے کی خوشبو، جب اس کو مصر سے لے کر بھائی چلے تو آپ نے محسوس کرلی اور جب وہ کنعان کے، آپ ہی کے شہر کے کنویں میں ڈالے گئے تھے تو آپ کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا تو حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ و السلام نے یہی تو فرمایا تھا:

گفت احوال ما برق جہان ست	۞	دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

کہ ہمارے احوال کا حال کوندنے والی بجلی کی طرح ہے کہ کبھی تو نمایاں ہو کر چمکتی ہے تو پوری دنیا روشن ہو جاتی ہے تو کبھی اس کا کوندنا معلوم بھی نہیں ہوتا تو فرمایا:

گہے بر طارمِ اعلی نشینم	۞	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو ہم ملأِ اعلی تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھ پاتے ہیں۔

بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے احوال مختلف طاری ہوتے رہتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ یہ کوئی پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔

تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن

بہرحال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ ان حضراتِ صحابہ نے پہلے اپنا فکر کیا، کچھ دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہی آتا ہے کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا کہ جب آپ دوسروں کو کسی بات کا حکم دیتے تھے تو

پہلے آپ خود اس پر عمل کرتے تھے، اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ وقت کی نماز پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ نوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے، آپ کے یہاں اشراق بھی ہوا کرتی تھی، چاشت بھی ہوا کرتی تھی، تہجد بھی ہوا کرتی تھی، علماء نے مستقل اس پر کلام کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض تھی یا نہیں؟ اور اوابین، اسی طرح مختلف نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا فرماتے تھے، ایسا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو پانچ نمازوں کا حکم دیا ہو اور آپ اس سے کم پڑھتے ہوں؛ بلکہ آپ اس سے زیادہ پڑھتے تھے۔

وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے

روزہ کا بھی یہی حال ہے کہ سال بھر میں ایک مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مہینے میں روزوں کا اہتمام کرتے تھے بلکہ صومِ وصال یعنی اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ مسلسل رکھتے چلے جا رہے ہیں یعنی درمیان میں کھانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ ہم لوگ تو روزہ جو رکھتے ہیں تو صبحِ صادق سے پہلے سحری کھاتے ہیں اور شام کو افطار کے وقت بھی افطار کر لیا کرتے ہیں۔ صومِ وصال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر پانچ روزے رکھے جائیں تو اس طرح رکھے جائیں کہ آج اگر شروع کیا تو پانچ دن کے بعد منہ میں کھانا یا پانی ڈالیں گے، اس کا نام ہے صومِ وصال۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح روزے رکھتے تھے، اس طرح نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ایک مہینے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس کے بعد خود اس کا اہتمام نہ کرتے ہوں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پڑھو تو اول سے تا بہ آخر

اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زکوۃ کا حکم دیتے تھے، صدقات کی تاکید فرماتے تھے تو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا کہ ایک مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے، اقامت کہی جا چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھائے کہ اچانک کچھ یاد آ گیا اور جلدی سے گھر میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد آ کر نماز پڑھائی، نماز کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ آج ہم نے ایک ایسی بات دیکھی جو پہلے نہیں دیکھی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نماز کے لیے تکبیر کہہ رہا تھا، اس وقت مجھے یاد آیا کہ گھر میں پانچ دینار پڑے ہوئے ہیں، اللہ کا نبی اللہ کے سامنے عبادت کے لیے کھڑا ہو اور اس کے گھر میں دنیا کی متاع پڑی ہوئی ہو، اس پر مجھے شرم آئی، غیرت آئی؛ اس لیے میں گھر میں گیا اور اس کا صدقہ کرنے کا حکم دے کر کے آیا، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زکوۃ ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت۔

وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا، عجیب ہونا

یہی نہیں کہ صرف عبادات کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا بلکہ دوسری بھی آپس میں معاشرت سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہوتی ہیں، ان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول رہا، جیسے خندق کے موقع پر، یہ عسرت کا زمانہ تھا، بڑے فقر و فاقہ کا زمانہ تھا، ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر پیٹ سے کپڑے ہٹائے اور

بھوک کی شکایت کی: یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شکمِ مبارک سے چادر کو ہٹا کر دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پتھر باندھ رکھے تھے۔

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

تو حقیقت تو یہ ہے، دیکھئے! آدمی جب خود کسی چیز پر عمل کرے پھر دوسروں کو حکم دے، تب تو اس میں تاثیر ہوا کرتی ہے، جب دل سے کوئی بات کہی جاتی ہے

ع از دل خیزد بر دل ریزد

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے		پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی، آج ہم اس کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں اور اگر خود عمل نہ کریں تو بات میں اثر ہی نہیں ہوتا اور اگر تھوڑا بہت اثر ہو بھی گیا تو کہنے والا خود بھی عمل نہیں کرتا تو اگر ایسی بات ہوتی رہی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ خود بھی عمل نہیں کرتا تو دوسروں پر ہماری بات کا جو اثر ہوا تھا اور ان میں عمل کا جذبہ پیدا ہوا تھا تو ہماری حالت دیکھ کر وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

مواعظ میں ہدفِ تنقید خود اپنی ذات کو بنائیں

تو بہر حال! اس وقت معاشرے کے سلسلے میں ہم جو گفتگو کریں تو اس وقت مخاطبین کو یعنی دوسروں کے اوپر تنقید کی حیثیت سے نہ کریں بلکہ اس نیت سے کریں کہ یہ بیماری مجھ میں بھی موجود ہے، آپ میں بھی موجود ہے، آیئے! ہم سب مل کر کے اس

پر غور وفکر کریں اور اس بیماری اور خرابی کو دور کردیں، میں بھی بیمار ہوں، آپ بھی بیمار ہیں تو گویا ایک عام بلا آچکی ہے تو اس کو دور کرنے کی ایک ساتھ کوشش کرنی چاہیے کہ بھائی! ہم میں کون کون سی وہ خرابیاں ہیں کہ جن خرابیوں کو ہم دور کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کو لازم پکڑ سکتے ہیں۔

بہرحال! میں ان ہی گذارشات پر اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں، ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں بسی ہوئی ہیں ان کو ختم کرنے کے سلسلے میں جب بھی کوئی انداز اور طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے اپنی ذات کی اصلاح کرو، ہم اگر اپنی ذات کی اصلاح کریں گے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی جائے، ایسا نہیں ہے، اس سلسلے میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اثر بھی ترمذی شریف کے اندر موجود ہے، ابھی میں اس کی تفصیل کی طرف نہیں جاؤں گا۔اسی پر میں اپنی بات کو ختم کر کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

رمضان المبارک: فضائل اور تقاضے

بمقام: کوسمبا

بتاریخ: ۸ / ۷ / ۲۰۱۱

اقتباس

تو بہر حال! تراویح کو بھی بڑے ذوق اور شوق کے ساتھ، بڑی رغبت کے ساتھ، بڑے اہتمام سے ادا کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ پیچھے بیٹھے ہیں اور امام جب رکوع میں گیا تو جلدی سے اٹھ کر کے نیت باندھ لی، یہ سارے طریقے بے رغبتی کے ہیں اور یہ تو اللہ کے غضب کو لانے والی چیزیں ہیں؛ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور عام اوقات میں بھی قرآنِ پاک کی تلاوت، کلمۂ طیبہ، استغفار، اس کا اہتمام کیا جائے، آخری عشرے کے اعتکاف کا اہتمام کیا جائے، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، سب سے بڑی چیز یہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة:۱۸۳]

وقال النبی ﷺ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَلامَ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ: آمِينَ (۱)

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جن بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے، مالا مال فرمایا ہے، ان میں عظیم نعمت رمضان المبارک ہے جو اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، بَابٌ فِي تَعْظِيمِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِجْلَالِهِ وَتَوْقِيرِهِ ﷺ.

ہمیں عطا فرمائی، جیسا کہ روایتوں میں ہے، شعبان کے آخری دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دیتے ہیں رمضان کی اہمیت بتانے کے لیے، فرماتے ہیں: يأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا(۱). آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں: تمہارے اوپر ایک بڑا عظمت والا اور مبارک مہینہ سایہ فگن ہے۔ گویا عنقریب آرہا ہے اور ایک ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک رات ایسی رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس مہینے کے روزوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرض قرار دیا اور اس کی تراویح کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سنت قرار دیا، آگے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس خطبے میں رمضان المباک کی بہت ساری خصوصیات بیان فرمائیں۔ ضرورت ہے کہ ہم ماہِ مبارک کو وصول کرنے کا اہتمام کریں۔

کلامِ الٰہی اور رمضان المبارک کے درمیان مناسبت

قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی بڑی اہمیت بتلائی:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۵]: رمضان کا مہینہ ایسا ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے واسطے قرآنِ پاک کو نازل فرمایا اور رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ، باب فَضَائِلُ شَهْرِ رَمَضَانَ.

کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں وہ سب رمضان المبارک کے اندر نازل ہوئے، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جیسا کہ حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے، چھ رمضان المبارک کو دی گئی، زبور حضرت داود علیہ السلام کو بارہ یا اٹھارہ رمضان کو عطا کی گئی، انجیل حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارہ یا تیرہ رمضان کو عطا فرمائی، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو صحیفے پہلی یا تیسری رمضان کو عطا کیے گئے اور قرآن کے بارے میں خود باری تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کے اندر نازل ہوا۔

قرآنِ کریم کے دو نزول اور اس کی تفصیل

قرآن کے دو نزول ہیں: ایک تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر پورا قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا، وہ رمضان المبارک کے مہینے میں اور شبِ قدر میں نازل فرمایا، ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ان دونوں آیتوں میں قرآنِ پاک کے جس نزول کا تذکرہ ہے، وہ وہی ہے جو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے اوپر اتارا گیا اور آسمانِ دنیا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر ۲۳ رسالہ دورِ نبوت میں مختلف اوقات میں موقع بموقع نازل کیا جاتا رہا۔

رمضان میں صاحبِ قرآن کا قرآن کے ساتھ شغف

بہرحال! تمام آسمانی کتابیں رمضان المبارک میں نازل ہوئیں، یہ بات بتلاتی ہے اس چیز کو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو رمضان المبارک کے ساتھ بڑی

مناسبت ہے؛ اسی لیے ہمارے اکابر کے یہاں رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کی تلاوت کا بہت زیادہ اہتمام تھا، خود حضرتِ جبرئیلؑ ماہِ مبارک میں آ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا قرآن نازل ہوا ہوتا تھا، سناتے تھے اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کو بھی قرآن سناتے تھے، یہ جو قرآنِ پاک کا دور رمضان المبارک میں کیا جاتا ہے، وہ اسی سے ثابت ہے، گویا خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور حضرتِ جبرئیلؑ کا قرآن کی تلاوت کا اہتمام اور دور، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو رمضان المبارک کے ساتھ بڑی مناسبت ہے۔

رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کے ساتھ اسلاف کا شغف

اسی لیے ہمارے اکابر رمضان المبارک میں اور عبادتوں کے مقابلے میں تلاوتِ قرآن کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، بعض حضرات تو جو دوسری عبادتیں تھیں، جو روزمرہ کی، ان کو مختصر کرتے تھے؛ تاکہ سارا وقت قرآنِ پاک کی تلاوت میں لگا سکیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے، آپ بیتی میں بھی حضرت نے اپنا معمول لکھا ہے کہ رمضان میں روزانہ ایک قرآنِ پاک ختم کرتے تھے، اور بھی اکابر کا یہ معمول رہا ہے، کوئی اس سے بھی زیادہ قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کرتا تھا، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنی توفیق دی، اس کے اعتبار سے اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

ہادی نہ ملے گا قرآن سے بہتر

یہ قرآنِ پاک بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے اللہ تبارک

وتعالیٰ کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ۱۰۰/ مرتبہ خواب میں دیکھا، ۱۰۰/ ویں مرتبہ انھوں نے پوچھا: باری تعالیٰ! آپ کے قرب کا سب سے زیادہ باعث، بڑا ذریعہ کیا ہے؟ تو باری تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: قرآنِ پاک کی تلاوت، انھوں نے پوچھا: سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ تو جواب دیا گیا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے، کسی بھی طرح آپ پڑھیں گے تو اللہ کے قرب کا ذریعہ ہوگا اور قلب کو صاف کرنے میں اور قلب ودل کو گناہوں سے پاک صاف کرنے اور صیقل کرنے میں قرآنِ پاک کی تلاوت کو بہت بڑا اثر ہے۔

رمضان المبارک فرشتوں کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کا مہینہ ہے

ویسے بھی رمضان کے مہینے میں روزوں کی حالت میں آدمی میں ایک خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہ ملائکہ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھانے پینے کے تقاضے نہیں رکھے، نہ ان کو بھوک لگتی ہے، نہ پیاس، نہ ان کو عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے، گویا یہ ان کی خصوصیت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماہِ مبارک میں روزوں کے ذریعہ سے گویا انسان کو ملائکہ کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے کا ایک طریقہ بتلایا اور پھر یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے نفس پر بھی بڑا بوجھ پڑتا ہے، نفس کی جو حیوانیت ہے، بہیمیت ہے، جانوروں والی اس کی قوت ہے، وہ اس کی وجہ سے کچلتی ہے اور شیطانی قوت بھی اس کی وجہ سے کچلتی ہے۔

بھوک وساوسِ شیطانیہ کو روکنے کا ذریعہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ أَلَا فَسُدُّوْا مَجَارِيَهَا بِالْجُوْعِ (۱): شیطان جو ہے، وہ انسان کے رگ و ریشے میں اس طرح سرایت اور حرکت کرتا ہے، جیسے خون دوڑتا ہے، وہ آدمی کے اندر گھس کر کے اپنے کام کو انجام دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ بھوک کے ذریعہ سے، روزے کے ذریعہ سے اس کے راستوں کو بند کیجیے۔

نفس و شیطان کو قابو میں کرنے کے دو گُر

ایک تو بھوک، دوسرے رمضان میں کچھ تراویح کا سلسل جاری کیا گیا، ایک گونہ آدمی کو اس میں بیدار رہنا پڑتا ہے، عام دنوں میں تو لوگ عشا کی نماز پڑھ کر سوجاتے ہیں لیکن رمضان المبارک میں تراویح کی وجہ سے مزید ایکا دگھنٹہ لگ جاتا ہے، یہ جو بے داری ہے، اس سے بھی آدمی کا نفس کچلتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ جتنے درندے ہیں، ان درندوں کو تربیت دینے کے لیے، ٹرینڈ کرنے کے لیے ان کو تربیت دینے والے دو طریقے اختیار کرتے ہیں: (۱) ان کو بھوکا رکھتے ہیں (۲) بیدار رکھتے ہیں۔ سرکس کے اندر جو جانور آتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے کھیل دکھلائے جاتے ہیں، ان جانوروں کو تربیت دینے اور ٹرینڈ کرنے کے لیے ان کو بھوکا رکھ کر کے اور ان

---

(۱) اس حدیث کا پہلا جزء تو صحاح وغیر صحاح تمام کتابوں میں موجود ومشہور ہے، البتہ دوسرا جزء میری بساط بھر کوشش کے باوجود بلفظہ نہ مل سکا، اس کی ہم معنی ایک روایت یہ ہے: إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم، فضيقوا مجاريه بالجوع والعطش (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم)

کو بیدار رکھ کر کے ان کی اس قوت کو دبایا جاتا ہے تو انسان کے اندر یہ جو قوتِ بہیمیہ ہے، قوتِ سبعیہ ہے، اس کو بھی گویا رمضان المبارک کے اندر بھوک کے ذریعہ سے اور اسی طرح بے داری کے ذریعہ سے قابو میں کر کے اللہ کی عبادت کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک میں نیکیوں کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے

اور اس مہینے کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ عنایت کا دروازہ کھل جاتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی روایت میں جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی تھی، یہ بھی فرمایا کہ جو آدمی اس مہینے میں ایک فریضہ ادا کرتا ہے اور دنوں میں ستر فرض ادا کرنے کے برابر اس کو ثواب ملتا ہے۔ اندازہ لگاؤ، گویا ہمارے فرائض کی قدر رمضان کے اندر ستر گُنا ہو جاتی ہے، اس کا اجر بڑھ جاتا ہے، اسی طریقے سے جب آدمی کوئی نفل ادا کرتا ہے تو اس کے نفل کے اوپر اس کو فرض کا ثواب ملتا ہے یعنی گویا یہ نیکیوں کا سیزن ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی فیاضی

دیکھو! ہمارے یہاں جو سیزن آتے ہیں نا، سیل (sall) لگتا ہے تو سیل بڑھتا ہے، بھاؤ نہیں بڑھتا، ہر چیز کا ایک سیزن آتا ہے، اس سیزن میں اس چیز کی بِکری زیادہ ہوتی ہے، فروخت زیادہ ہوتی ہے، سردی کی سیزن میں سردی کا سامان، اس کا سیل زیادہ ہوتا ہے، گرمی کے زمانے میں گرمی کی ضرورت کی چیزیں، اسی طرح بارش کے زمانے میں بارش کی چیزیں، اس کا سیل تو بڑھتا ہے لیکن بھاؤ وہی

رہتا ہے لیکن یہاں سیل کے ساتھ ساتھ بھاؤ میں، اس کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر اور ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہو جاتا ہے، نفل کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن وہ فرض کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سونے کو لوہے کے بھاؤ میں بیچا جائے۔

سونے کے بھاؤ لوہا

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا، ہمارے یہاں تشریف لائے تھے ڈابھیل میں اعتکاف میں، جو سب سے پہلا رمضان گذارا گیا تھا، اس سال حضرت تشریف لائے تھے اور تراویح کے بعد حضرت نے بیان فرمایا تھا، بڑی اچھی بات فرمائی کہ اگر آج اعلان ہو جائے کہ لوہے کا بھاؤ سونے کے برابر ہو گیا تو لوگ اپنے گھر کے دروازوں، کھڑکیوں اور اس کی کنڈیاں اور اس کی سنکلیں بھی نکال نکال کر بیچ ڈالیں گے اور اس کی کیلیں بھی نکال کر بیچ ڈالیں گے کہ بعد میں دیکھ لیا جائے گا لیکن پہلے تو ہم لوہے کا بھاؤ سونے سے حاصل کر لیتے ہیں، ہم دنیا کے معاملے میں بہت زیادہ مستعدی دکھلاتے ہیں اور اپنی حرص اور طمع کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن دین کے معاملے میں ہمیں جس طرح رغبت کرنی چاہیے، وہ ہمارے اندر نہیں پائی جاتی۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ہمارے اسلاف کا مزاج ہم سے برعکس تھا، وہ دین کے معاملے میں

حریص تھے، لالچی تھے، ایک ایک نیکی کو حاصل کرنے کا ان کے یہاں بڑا اہتمام تھا اور دنیا کے معاملے میں وہ زہد اور بے رغبتی سے کام لیتے تھے، ہمارا معاملہ الٹ گیا، ضرورت ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں۔

اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے

تو بہر حال! یہ رمضان کا مہینہ جو آرہا ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی کیا ہے اپنی عبادت کے واسطے، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ۲۴ر گھنٹے انسان کو عبادت کرنے کا مکلف بنایا جاتا کہ تم کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو ۲۴ر گھنٹے اسی میں لگے رہو لیکن چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے ساتھ اس کی طبعی حاجتیں بھی رکھی ہیں، کھانے پینے کے تقاضے، آرام کے تقاضے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ کرم کا معاملہ کیا گیا کہ عبادات کچھ ایسی ہیں جو فرض قرار دی گئیں کہ پانچ نمازیں فرض کی گئیں کہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، باقی اوقات آپ اپنا کاروبار کر سکتے ہیں، دوکان لگا سکتے ہیں، تجارت کر سکتے ہیں، کھیتی باڑی کر سکتے ہیں، گویا دوسرے اوقات کو اپنے دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجازت دی گئی۔

رمضان المبارک کا مہینہ دلوں کا میل کچیل دور کرنے کے لیے ہے

ابھی انسان کا مزاج ایسا ہے کہ اس کو انگلی دو تو پہنچا پکڑ لیتا ہے، یہاں

ہمیں دوسرے اوقات کے اندر کام کرنے کی اجازت دی، کاروبار کی اجازت دی گئی، ہم نے اپنے آپ کو ایسا مشغول کر دیا کہ فرائض کو بھی بھلا دیا، حالاں کہ چاہیے تو یہ تھا کہ ان ایام میں بھی فرائض کا خوب اہتمام کرتے لیکن یہ رمضان کا جو مہینہ ہے، اس میں ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ ہم اس پورے مہینے کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت میں، اس کی طاعت میں، اس کی فرماں برداری میں گذارنے کا اہتمام کریں، یہ جو سال بھر اپنی تجارت میں، زراعت میں، کاروبار میں لگنے کی وجہ سے ہمارے دلوں کے اندر جو کچھ دنیا کی محبت آ گئی تھی، میل کچیل آ گیا تھا، اس کی صفائی کے لیے گویا ہمیں موقع دیا جا رہا ہے۔

قلب کو بھی چارج اور سروس کرنا ضروری ہے

دنیا کا دستور یہ ہے کہ بڑے بڑے کارخانے، فیکٹریاں اور ان کے اندر جو مشینریاں ہوتی ہیں، ایسا نہیں کہ وہ بارہ مہینے ہمیشہ چلائی جاتی رہیں، نہیں، سال کے اندر کچھ دن وہ آتے ہیں جن میں ان کارخانوں کو اور فیکٹریوں کو بند رکھا جاتا ہے اور ان کی مشینریوں کے جو پارٹس (parts) ہیں ان کو کھول کر ان کی صفائی کی جاتی ہے اور سروس (service) کی جاتی ہے، آپ جو گاڑیاں استعمال کرتے ہیں، ان کی بھی سروس کی جاتی ہے، اگر سروس نہ کریں تو یہ اپنا کام کرنا چھوڑ دے گی، ہر چیز، ہر مشینری اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کی سروس کی جائے، اور ہالنگ (owerhauling) کی جائے، اس کو سال میں ایک موقع پر

ٹھیک ٹھاک کیا جائے، اسی طرح ہمارے قلب کا حال بھی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے قلب کی بھی سروس کریں، اس کو چارج (charge) کریں۔

ماہِ رمضان قلب کی چارجنگ کا زمانہ ہے

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں رمضان المبارک کے اندر صبح کے وقت دس بجے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوتا تھا لیکن اگر بڑوں میں سے کوئی آ گیا، جیسے حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ اور اسی طریقے سے حضرت مولانا عمران خان صاحب بھوپالی یا حضرت جی یا اور کوئی تو ایسے اہم لوگوں کے آنے پر ان کا بیان رکھوایا جاتا تھا، حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تشریف لائے تو حضرت نے جو بات فرمائی، اس میں فرمایا کہ یہ رمضان کا جو مہینہ ہے، وہ بیٹری (battery) کی چارجنگ کا زمانہ ہے، بیٹری بھی کام کرتے کرتے اپنا اثر کھو دیتی ہے، اس کو چارج کیا جاتا ہے۔

ہر چیز سروس کی محتاج ہے

آپ موبائل استعمال کرتے ہیں، اگر اس کو استعمال ہی کرتے رہیں تو ایک وقت وہ آئے گا کہ وہ کام نہیں دے گا، اس کو کام میں باقی رکھنے کے لیے اس کو چارج کرنا پڑتا ہے۔ چھری ہے، چھری سے ہم کاٹنے کا کام کرتے ہیں، کوئی آدمی چھری سے کاٹتا ہی رہے، کاٹتا ہی رہے اور اس کو تیز کرنے کا اہتمام نہ کرے تو ایک وقت آئے گا کہ وہ چھری بُھٹّی (بے دھار) ہو جائے گی اور وہ اپنا کام کرنا

چھوڑ دے گی۔

لوگوں کے ساتھ میل جول کے اثرات ہر شخص کے قلب پر وارد ہوتے ہیں

تو یہ انسان کا قلب جو ہے نا، وہ کاروبار میں اور دنیا کے مشاغل میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس پر دنیا کا اثر آ جاتا ہے، یہاں جو دین کا کام کرنے والے ہیں، ان کی بات بتلاتا ہوں کہ جن کا کام دین کا ہے، پڑھنے پڑھانے کا ہے، دعوت وتبلیغ کا ہے، وعظ وتقریر کا ہے، جو لوگوں کے ساتھ دین کی نسبت سے ملتے ہیں، ان کا بھی معاملہ یہ ہے کہ وہ جب لوگوں کے ساتھ ملیں گے تو لوگوں کے ساتھ ملنے کی وجہ سے لوگوں کے قلوب کے اثرات ان کے دل پر آئیں گے۔

نبی اور رسول

نبی اور رسول، ایک تو ہے رسالت، رسالت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچاتا ہے اور نبوت "نَبَوٌ" (خبر) سے ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس خبریں آتی ہیں۔ یہاں ایک مستقل یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ مقامِ رسالت اونچا ہے یا مقامِ نبوت؟۔

بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی

ایک تعلق نبی کا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور ایک تعلق نبی کا وہ

ہے جو مخلوق کے ساتھ ہے تو اصل تو تعلق اللہ والا ہے لیکن اسی اللہ کی طرف سے ان کے اوپر کچھ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے وہ مخلوق کے ساتھ بھی ربط اور تعلق رکھتے ہیں تو اب اللہ کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں قلب کے اندر جو جِلاء پیدا ہوتا ہے، جو نور آتا ہے، مخلوق کے ساتھ خلط ملط کے نتیجے میں اس میں کمی آ جاتی ہے، چاہے وہ اللہ کے کام کی نسبت سے ہو، پڑھنے پڑھانے کی نسبت سے ہو، دعوت وتبلیغ کی نسبت سے ہو، وعظ وتقریر کی نسبت سے ہو لیکن ملنا جلنا تو لوگوں سے ہوگا، عوام سے ہوگا تو لوگوں سے ملنا جلنا ہوگا تو ان کے قلوب کا اثر اس کے قلب پر آتا ہے اور وہ میل اس پر آتا ہے، اسی کو دور کرنے کے لیے خلوت کی ضرورت پڑتی ہے۔

خلوت کا حکم نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾: اے نبی! دن میں آپ کے لیے بڑی مشغولیتیں ہیں، کیا مشغولیتیں تھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی؟ کوئی تجارت تھی؟ کوئی کھیتی باڑی تھی؟ کوئی کاروبار تھا؟ نہیں، لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، اسلام کی، ایمان کی دعوت دیتے تھے، قرآنِ پاک لوگوں کو بتلاتے تھے، سکھلاتے تھے، لوگوں کے ساتھ جو خلط ملط ہوتا تھا، باری تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ: اپنے رب کو یاد کرو، وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا: اور سب لوگوں سے کٹ

کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ؛ تاکہ لوگوں کے ساتھ خلط ملط ہونے کے نتیجے میں قلب میں جو غبار آیا ہے، وہ صاف ہو جائے، دور ہو جائے۔

تلاشِ گوشۂ عزلت میں پھر رہا ہوں میں

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ نقل کرتے تھے، کئی مرتبہ سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب کسی اجتماع میں میوات وغیرہ جانا ہوتا ہے تو وہاں سے واپس آنے کے بعد میں کچھ وقت گذارنے کے لیے سہارنپور یا رائپور خانقاہ میں جاتا ہوں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو نظام الدین میں رہ کر کے اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں؛ تاکہ اس اجتماع میں شرکت کے نتیجے میں لوگوں کے ساتھ خلط ملط کی وجہ سے قلب پر جو غبار آیا ہے، وہ دور ہو جائے۔ اتنا بڑا عالم اور اس زمانے کے اجتماعات میں بڑے بڑے لوگ اور اس وقت شریک ہونے والے بھی کیسے اللہ والے تھے، اس کے باوجود یہ حالت تھی تو پھر ہما شما کا کیا حال؟ اس لیے سال بھر کی ان مشغولیتوں کی وجہ سے ہمارے قلوب کے اندر جو میل کچیل جمع ہوا ہے اور جو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم آنے والے مہینے کو غنیمت سمجھیں اور اس کا اہتمام ہو کہ ہم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تنہائی میں اللہ کی عبادت میں گذارنے کا اہتمام کریں۔

قبر میں ہوگا ٹھکانہ ایک دن

اسی لیے اس مہینے میں اعتکاف بھی رکھا گیا ہے، اعتکاف میں کیا ہوتا

ہے؟ آدمی دنیا والوں سے کٹ کر اللہ کے گھر میں پڑ جاتا ہے، لوگوں کے تعلق ختم کر کے اللہ کی ذات سے، اللہ کی عبادت سے، اللہ کی طرف رجوع اور انابت کے ذریعہ سے انسیت حاصل کرتا ہے؛ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ یہی انسیت کل کو قبر کی تنہائیوں میں آدمی کے لیے کارآمد ہوگی کہ وہاں تو کوئی نہیں ہے، اللہ کے ساتھ اگر ہم نے دل لگانا سیکھا ہے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر میں جا کر بھی ہمیں وحشت نہیں ہوگی لیکن اگر دنیا میں ہم نے یہ سلسلہ قائم نہیں کیا تو یہی قبر ہمارے لیے مصیبت بن جائے گی۔

ماہِ مبارک کی قدر کیجیے

تو بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمیں دیا گیا ہے، یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے اور ضرورت ہے کہ اس مہینے کے زیادہ سے زیادہ وقت کو ہم اللہ کی طاعت میں، فرماں برداری میں اور عبادت میں استعمال کرنے کا اہتمام کریں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو لکھا ہے اور ہمارے تمام اکابر کے یہاں اس کا اہتمام تھا کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی طرف رجوع اور انابت میں استعمال کیا جائے۔

بہت سے لوگ کھیتی باڑی والے ہیں، حضرت شیخؒ فضائلِ رمضان میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ تو کسی کے ملازم نہیں ہیں، وہ اپنا پورا وقت رمضان میں مشغول کر سکتے ہیں، جو نوکری والے ہیں، اگر ان کو بھی موقع ہو تو رمضان میں چھٹی

لے لیں اور جو تجارت والے ہیں، وہ بھی زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کر کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے کا اہتمام کریں۔

روزہ اور ہم!

اب اس مہینے کو وصول کرنے کے لیے کیا کیا چیزیں اختیار کی جائیں گی؟ ایک تو اس میں روزہ ہے، روزہ تو ہے ہی، جو اس مہینے کی خاص عبادت ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لازم کی گئی ہے لیکن اس روزے کو روزے کا جیسا حق ہے، اس طرح ادا کرنے کی ضرورت ہے، ہم لوگ صبح سے شام تک اپنے آپ کو بھوکا پیاسا تو رکھتے ہیں لیکن روزے کی حالت میں اس روزے سے جس طرح کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا چاہیے، اس کا ہمارے یہاں اہتمام نہیں ہوتا؛ اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس روزے کے اندر چھ آداب کی رعایت کرنا ضروری ہے:

روزے کے چھ آداب

ایک تو آدمی اپنی آنکھ کی حفاظت کرے، یہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے، خاص کر کے ہمارے زمانے کے اندر آدمی گھر میں بند رہے گا، اعتکاف میں بیٹھے گا، آج کل تو ہمارے یہاں اعتکاف میں بھی جو آتے ہیں تو وہاں پر بھی موبائل کی مستقل مصیبت ہو جاتی ہے، روکتے ہیں تو اور مشکل ہو جاتا ہے تو بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس نگاہ کی حفاظت ضروری ہے، نگاہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ تمام صوفیاء کا اتفاق ہے کہ بدنگاہی کے ساتھ آدمی کے دل کا تعلق اللہ کی ذات

کے ساتھ قائم نہیں ہوتا، باقی اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔

بدنگاہی کا وبال

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ بدنگاہی کی وجہ سے آدمی کی طاعات میں سے نور ختم ہوجاتا ہے، ہم اور آپ نمازیں پڑھیں گے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کریں گے تو ثواب تو ملے گا، اس نماز پر جو ثواب ہے، پورا ملے گا، اس تلاوت پر جو ثواب ہے، وہ پورا ملے گا لیکن اس نماز اور تلاوت کی وجہ سے ہمارے قلب کے اندر جو کیفیت پیدا ہونی چاہیے، بدنگاہی کی وجہ سے وہ پیدا نہیں ہوگی، وہ معاملہ ختم۔

روزے میں اپنی بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے

جیسے کوئی آدمی قیمتی سے قیمتی دوا استعمال کرے تو اس دوا سے جو فائدہ ہونا چاہیے، اگر بدپرہیزی کرے گا تو وہ ساری دوا اس کی بےکار جاتی ہے، یہاں اتنا تو ہے کہ اجر تو ضرور ملے گا، یہ عمل بالکل بےکار جانے والا نہیں ہے اور روزے کا ہمارا فریضہ بھی ادا ہوگا، ہم فریضے سے سبک دوش بھی ہوں گے لیکن قلب کے اندر اس کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہونی چاہیے، جو ثمرات اور فوائد دل پر مرتب ہونے چاہئیں، وہ اس سے پیدا نہیں ہوں گے بدنظری کے ساتھ؛ اس لیے بدنظری سے اپنے آپ کو بچانا ہے، نگاہ کی حفاظت کرنا ہے، یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ روزے کی حالت میں اپنی بیوی کی طرف تک بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے؛ اس

لیے کہ روزے کی حالت میں وہ بھی حرام ہے، جب تک کہ روزہ ہے تو بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

دوسرا ادب: زبان کی حفاظت

ایک تو ہے آنکھ کی حفاظت۔ دوسرا: زبان کی حفاظت، آج کل ہم زبان کی حفاظت نہیں کرتے، آج ہم لوگ جھوٹ، غیبت سے نہیں بچتے بلکہ ہم لوگوں نے غیبت کو روزے کا وقت گذارنے کا ذریعہ بنالیا ہے، حدیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: الصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا(۱) روزہ ڈھال ہے، روزہ اللہ کے عذاب سے، اللہ کے غضب سے، جہنم سے بچانے کا کام دیتا ہے بشرطیکہ آدمی اس کو پھاڑ نہ دے۔ پہلے زمانے میں جو ڈھال ہوتی تھی، وہ دشمن کی تلوار کو، اس کے وار کو روکنے کا کام کرتی تھی تو وہ ڈھال اگر خود ہی شگاف والی ہے تو اس سے وار رک سکتا نہیں، گویا روزے کے ذریعہ آپ شیطان کے وار سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں، بشرطیکہ غیبت نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا بھی گیا، دوسری روایتوں میں ہے کہ اس کو پھاڑنے کا مطلب کیا ہے؟ تو فرمایا کہ وہ غیبت اور جھوٹ کی وجہ سے پھٹ جائے گا؛ اس لیے زبان کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

تیسرا ادب: کان کی حفاظت

اسی طرح کان کی حفاظت کہ گانے وغیرہ سننے سے احتراز کرے، بعض

---

(۱) نسائی شریف، عَنْ أَبِی عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب فَضْلِ النَّفَقَةِ فِی سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

لوگوں نے روزے کا وقت گذارنے کے لیے ٹی وی کو مشغلہ بنالیا ہے کہ گانا سن بھی رہے ہیں اور آنکھ بھی غلط کاری میں مبتلا ہے، اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

چوتھا ادب: جسم کے دیگر اعضاء کی حفاظت

چوتھا: اسی طرح ہاتھ پاؤں وغیرہ جو دوسرے اعضاء ہیں، ان کو بھی گناہوں سے بچانے کا اہتمام ہو۔

پانچواں ادب: حلال کمائی سے افطار اور اس میں افراط سے بچنا

پانچواں: حلال مال سے افطار کرنے میں بھی زیادتی سے بچے، ویسے ضروری ہے کہ حلال مال سے افطار کرے اور اس میں بھی زیادہ نہ کھاوے، ویسے عام طور پر دن بھر کے بھوکے ہیں اور پھر رمضان میں انواع واقسام کی چیزیں ملتی ہیں تو ہم اس کے اوپر ٹوٹ پڑتے ہیں تو دن بھر کی بھوک کی وجہ سے تھوڑا بہت فائدہ ہوا تھا وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، تلافیِ مافات میں ہم بہت آگے بڑھ جاتے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس میں بھی تحدید ہو؛ تاکہ نمازوں کے اندر ذوق وشوق باقی رہے، ہم لوگ تو اتنا کھا لیتے ہیں کہ مغرب کی نماز پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے، تراویح میں کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میرا یہ عمل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔

تراویح اور اس کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک

اور تراویح رمضان کا ایک خاص عمل ہے، اس کو بھی ذوق وشوق کے ساتھ

ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے یہاں عوام کا حال یہ ہے کہ جہاں ان کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں حافظ صاحب بہت جلدی سے تراویح مکمل کرلیتے ہیں، ''۲۰'' منٹ میں اور ''۲۵'' منٹ میں، چاہے یعلمون اور تعلمون کے علاوہ دوسرا کچھ سمجھ میں نہ آوے، پھر بھی اسی کو ترجیح دی جاتی ہے بلکہ کوئی بے چارہ بڑے اہتمام کے ساتھ، ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرتا ہے، ٹھہر ٹھہر کے تو ایسوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، باقاعدہ اس کی طعن وتشنیع اور اس کو اتنی تکلیف پہنچاتے ہیں کہ تنگ آجاتا ہے، یہ طریقے غلط ہیں، قرآنِ پاک کو جیسا کہ اس کا حق ہے، حدیث میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: رُبَّ تالٍ للقرآن والقرآنُ یلعنُہٗ (۱): قرآنِ پاک کے بہت سے تلاوت کرنے والے وہ ہیں جو تلاوت کررہے ہوتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے تو جیسا اس کا حق ہے، وہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

رمضان المبارک کے دوسرے مشاغل

تو بہرحال! تراویح کو بھی بڑے ذوق اور شوق کے ساتھ، بڑی رغبت کے ساتھ، بڑے اہتمام سے ادا کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ پیچھے بیٹھے ہیں اور امام جب رکوع میں گیا تو جلدی سے اٹھ کر کے نیت باندھ لی، یہ سارے طریقے بے رغبتی

(۱) فیض الباری ۲۱۶/۱، باب سُؤَالِ جِبْرِیلَ النبي صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عَنِ الإِیمَانِ وَالإِسْلامِ وَالإِحْسَانِ وَعِلمِ السَّاعَةِ وَبیَانِ النبي صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لَه.

کے ہیں اور یہ تو اللہ کے غضب کو لانے والی چیزیں ہیں؛ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور عام اوقات میں بھی قرآنِ پاک کی تلاوت، کلمۂ طیبہ، استغفار، اس کا اہتمام کیا جائے، آخری عشرے کے اعتکاف کا اہتمام کیا جائے، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، سب سے بڑی چیز یہ ہے۔

ایک درخواست

اب یہاں سب بیٹھے ہیں، میں سب کی خدمت میں ایک درخواست کرتا ہوں کہ یہاں یہ طے کرلو کہ آئندہ پورا رمضان ہمارا اس طرح گذرے گا کہ رمضان بھر ایک گناہ بھی ہم سے صادر نہیں ہوگا، چاہے عبادتیں زیادہ نہ ہوں، زیادہ قرآن نہ پڑھ پائیں، فرائض وغیرہ پر اکتفا کرکے جتنا اللہ توفیق دیں اتنا کر لیں لیکن اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا، یہ بہت اہمیت رکھتا ہے، اگر اس کا اہتمام کرلیا ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ إن شاء اللہ رمضان کی برکات سے اللہ تعالیٰ مالا مال فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

رمضان المبارک کی ناقدری کرنے والوں کے لیے سخت وعید

میں نے جو روایت پڑھی تھی، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا: منبر کے قریب آؤ، اور آپ منبر پر چڑھنے لگے، جب آپ نے پہلے درجہ پر، زینے پر قدم رکھا تو فرمایا:

آمین، پھر دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، تیسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، بعد میں حضراتِ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آج تو آپ نے اس طرح کیا کہ پہلے ایسا آپ نے کبھی نہیں کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نے پہلے زینے پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ (۱): جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی، ایسا آدمی اللہ کی رحمت سے دور ہو اور ہلاک و برباد ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر آمین کہی، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بددعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمین! بعض روایتوں میں تو ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ آمین کہیے۔ یہ تو بہت خطرناک چیز ہے کہ رمضان جیسا مہینہ گذر جائے اور خدا نہ کرے کہ ہمیں ایسی حرکت کرنے کے کی وجہ سے بجائے مغفرت کے معاملہ الٹ جائے، اللہ میری، آپ کی حفاظت فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

---

(۱) قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي، فَقَالَ: مَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ: آمِينَ، فَقُلْتُ: آمِينَ (صحيح ابن حبان، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، ذِكْرُ رَجَاءِ دُخُولِ الْجِنَانِ الْمُصَلِّي عَلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذِكْرِهِ مَعَ خَوْفِ دُخُولِ النِّيرَانِ عِنْدَ إِغْضَائِهِ عَنْهُ كُلَّمَا ذَكَرَهُ).

صحبتِ صالحین

بمقام: جامعہ رشیدیہ، نانی نرولی

بتاریخ: ۸/۷/۲۰۱۱

اقتباس

تو بہر حال! ہمارے یہ جو طلبہ ہیں، ان کو میں خاص طور پر عرض کروں گا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم کامل اور مکمل ہو گئے بلکہ ضرورت ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور اولیاء کی صحبت حاصل کریں، ان کے ساتھ اپنا تعلق باقی رکھیں اور یہی چیز آگے ان کے لیے ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے اور پھر ''پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ'' جو ٹہنی درخت کی جڑ کے ساتھ لگی ہوئی ہے، بھلے ہی وہ سوکھی ہوئی ہو لیکن ایک دن آئے گا کہ دوبارہ وہ سرسبز وشاداب ہوگی اور اس کے اوپر پھول آئیں گے، پھل آئیں گے لیکن جو ٹہنی درخت سے الگ ہو چکی، کٹ چکی، اس کو پانی میں بھی ڈال کر رکھیں گے، تب اس کے پتے جھڑ جائیں گے، وہ ختم ہو جائے گی، مر جائے گی ، ؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اپنے بڑوں کے ساتھ جڑے رہیں، انہی کی ہدایت، انہی کی رہنمائی میں کام کریں اور ان کی دعائیں لیتے رہیں، ان کی یہ توجہات ہی ہیں جو آپ کو ترقی کی منازل تک پہنچائیں گی، ورنہ ان سے الگ ہو کر آپ کو کبھی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس توفیق اور سعادت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحیم: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا.

و قال تعالىٰ: یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ.

وقال تعالىٰ: یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا.

وقال النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ(۱).

(۱) صحیح بخاری شریف، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللّٰه عنه، باب من لم يستطع الباءة فليصم.

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الدُّنيا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيرُ مَتَاعِ الدُّنيا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ(۱).

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

أو كما قال عليه الصلوة والسلام(۲)۔

حصولِ تقویٰ کا قرآنی طریقہ

(نکاح پڑھانے کے بعد) جیسا کہ ابھی آپ نے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم سے سنا، حضرت نے ایک بات خاص طور پر نیک صحبت اختیار کرنے کے بارے میں بتلائی، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تو نکاح کے خطبے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن آیتوں کا پڑھنا منقول ہے، ان تمام آیتوں میں خاص طور پر جس چیز کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، وہ تقویٰ ہے اور تقوے کے حصول کے متعلق قرآن میں جو طریقہ بتلا دیا گیا ہے، وہ ہے: ﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ﴾ [التوبة:۱۱۹]

صحبتِ صالح کی اہمیت کے سلسلے میں حضرت شیخ سعدیؒ کے اشعار

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی گلستان کے مقدمے میں صحبت کی افادیت کو بڑی اچھی مثال دے کر واضح کیا ہے۔ ان کے اشعار کو پڑھ کر، ترجمہ کر کے بات ختم کر دوں گا:

(۱) صحیح مسلم شریف، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، باب خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنيا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔

(۲) صحیح بخاری شریف، عَنْ أَنَسِ بْنَ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ.

گلِ خوشبوئے درحمام روزے	۞	رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	۞	کہ ازبوی دلاویز ِتومستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم	۞	ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہمنشین درمن اثر کرد	۞	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اشعار کی تشریح

فرماتے ہیں کہ ایک مٹی کی ٹکیا- ہمارے زمانے میں جس طرح نہانے کے لیے صابون کا استعمال کرتے ہیں، اس زمانے میں خوشبو میں بسائی ہوئی مٹی کی ٹکیا کو غسل کے لیے استعمال کرتے تھے-فرماتے ہیں:

گلِ خوشبوئے درحمام روزے: ایک مرتبہ، ایک دن غسل خانے میں مٹی کی ایک خوشبودار ٹکیا میرے ہاتھ میں آئی، رسید از دست محبوبے بدستم: ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں پہنچی۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری، کہ ازبوی دلاویز تومستم: میں نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے؟ کہ تیری دل کو لبھانے والی خوشبو کی وجہ سے میری طبیعت پر ایک مستی، کیف اور سرور ساطاری ہوگیا۔

بگفتا من گل ناچیز بودم، ولیکن مدتے باگل نشستم: اس کے جواب میں وہ کہنے لگی: میں تو معمولی سی مٹی تھی، ایک زمانہ پھول کی صحبت میں رہی یعنی مجھے پھول کے ساتھ رکھا گیا، اسی کا یہ اثر ہے کہ یہ خوشبو میرے اندر آئی۔

جمالِ ہمنشین در من اثر کرد: میں اس کی صحبت میں رہی، اسی کے جمال نے مجھ میں اثر کیا ہے، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم: ورنہ تو میں آج بھی وہی مٹی ہوں۔

بزرگوں کی صحبت میں رہنے کی غرض ان کا مزاج سیکھنا اور حاصل کرنا ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ صحبت جو ہے، آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، ابھی آپ نے شیخ حنیف صاحب کا سبق سنا، کیسے کیسے نکات بیان کیے، اپنے حضرت شیخ کی صحبت میں سالہا سال رہنے کے بعد ابھی بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے ہیں تو یہ وہی چیز ہے جو اثر کر رہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کی صحبت میں رہ کر کے جو چیز حاصل کرنی ہوتی ہے وہ ان کا مزاج ہے، ان کے مزاج کو ان کی صحبت میں رہ کر کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے، علم تو آپ کتابوں سے حاصل کر لیتے ہیں۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

تو بہر حال! ہمارے یہ جو طلبہ ہیں، ان کو میں خاص طور پر عرض کروں گا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم کامل اور مکمل ہو گئے بلکہ ضرورت ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور اولیاء کی صحبت حاصل کریں، ان کے ساتھ اپنا تعلق باقی رکھیں اور یہی چیز آگے ان کے لیے ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے اور پھر ''پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ'' جو ٹہنی درخت کی جڑ کے ساتھ لگی ہوئی ہے، بھلے ہی وہ سوکھی ہوئی ہو لیکن ایک دن آئے گا کہ

دوبارہ وہ سرسبز وشاداب ہوگی اور اس کے اوپر پھول آئیں گے، پھل آئیں گے لیکن جو ٹہنی درخت سے الگ ہوچکی، کٹ چکی، اس کو پانی میں بھی ڈال کر رکھ رکھیں گے، تب بھی اس کے پتے جھڑ جائیں گے، وہ ختم ہوجائے گی، مرجائے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اپنے بڑوں کے ساتھ جڑے رہیں، انہی کی ہدایت، انہی کی رہنمائی میں کام کریں اور ان کی دعائیں لیتے رہیں، ان کی یہ توجہات ہی ہیں جو آپ کو ترقی کی منازل تک پہنچائیں گی، ورنہ ان سے الگ ہوکر آپ کو کبھی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس توفیق اور سعادت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار

بمقام: جامعہ رحمانیہ، کھامبیہ (علی پور)

بتاریخ: ۹/۶/۲۰۱۱

اقتباس

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادابادیؒ فرماتے تھے کہ جب آپ سنت کے مطابق عمل کریں تو ساتھ ساتھ اس کا استحضار بھی ہو، جب آپ بیت الخلاء جائیں تو آپ کو بیت الخلاء سنت کے مطابق جانا ہے، داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنی ہے: **بِسمِ اللهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ**، الٹا پاؤں پہلے رکھنا ہے پھر سیدھا پاؤں رکھنا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ استحضار بھی ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بیت الخلاء تشریف لے گئے تو آپ نے یہ دعا پڑھی؛ اس لیے میں بھی یہ دعا پڑھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھا؛ اس لیے میں اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھتا ہوں اور پھر سیدھا پیر رکھتا ہوں، یہ استحضار اور یہ کیفیت اگر پیدا کریں گے، چند دنوں تک اس بات کا اہتمام کیا جائے گا پھر دیکھنا کہ آپ کی زندگی کے اندر کیا برکات حاصل ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، و من یضللہ فلا ھادي لہ، و نشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد أن سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ، أرسلہ إلی کافّۃ الناس بشیرا و نذیرا، و داعیا إلی اللّٰہ بإذنہ و سراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و أصحابہ و بارک و سلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنْ أَعْطَی لِلّٰہِ، وَمَنَعَ لِلّٰہِ، وَأَحَبَّ لِلّٰہِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ إِیمَانَہُ (۱)۔

تمہیدی کلام

حضراتِ علمائے کرام، مشائخِ عظام اور مہمانانِ کرام اور عزیز طلبہ! آج کی ہماری یہ مجلس جامعہ رحمانیہ کا دستار بندی کا اجلاس تھا، مقصد سال بھر کی کارگذاری سے متعلقین کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ فراغت حاصل کرنے والے طلبہ کا اعزاز و اکرام بھی ہے، یہ سارے مقاصد تھے جو بحمد للہ بحسن و خوبی حاصل ہو چکے ہیں۔

(۱) ترمذی شریف، لفظہ: عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ أَعْطَی لِلّٰہِ، وَمَنَعَ لِلّٰہِ، وَأَحَبَّ لِلّٰہِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰہِ، وَأَنْکَحَ لِلّٰہِ، فَقَدْ اسْتَکْمَلَ إِیمَانَہُ.

مفہومِ حدیث

قدیم سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ اس موقع پر کچھ دینی باتیں سامعین کے سامنے رکھی جاتی ہیں، ابھی آپ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی گئی جو حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس حدیث کو امام ابوداود نے بھی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ: جس آدمی نے جو کچھ دیا، وہ اللہ ہی کے واسطے دیا، جو کچھ خرچ کیا وہ اللہ ہی کے واسطے خرچ کیا، وَمَنَعَ لِلَّهِ: اور جو خرچ کرنے سے روکا، وہ بھی اللہ ہی کے خاطر۔ اللہ ہی کے لیے نہیں دیا، وَأَحَبَّ لِلَّهِ: اگر کسی کے ساتھ محبت کی تو اللہ ہی کے لیے محبت کی، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ: اور کسی کے ساتھ اگر بغض وعداوت کا معاملہ کیا تو وہ بھی اللہ ہی کے لیے کیا تو ایسے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَقَدِ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ: اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ ایمان کی چار علامتیں اور نشانیاں بتلائی ہیں: پہلی علامت یہ ہے کہ جو شخص خرچ کرتا ہے، دیتا ہے تو وہ اللہ ہی کے واسطے خرچ کرتا ہے، آدمی مختلف اعتبار سے مال خرچ کرتا ہے، مختلف مصارف کے اندر اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے، کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے میں خرچ کرتا ہے، اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے ان کے کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے کے لیے۔ آدمی صدقہ اور خیرات کرتا ہے،

محتاجوں کو، مسکینوں کو، غریبوں کو دیتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے تو مختلف طریقے سے آدمی اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اب اس نے کسی غریب کی امداد کردی، کسی محتاج کی ضرورت پوری کردی، صدقہ، خیرات کرلیا تو اس کے متعلق ہم اور آپ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کے واسطے دیا ہے، اس صدقے میں اس کی نیت درست ہو، اس کا مقصد ریا، نام آوری، شہرت یا احسان جتلانا نہ ہو تو اس صورت میں یہ جو عمل ہے، اللہ ہی کے لیے ہے۔

ہر نیکی صدقہ ہے

لیکن یہ کوئی صدقات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعہ سے صدقے کے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے: كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ(۱)۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مسلم کے اندر ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو آدمی کے ہر جوڑ پر ضروری ہے کہ اس کی سلامتی کے لیے صدقات کرے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ''۳۶۰'' جوڑ رکھے ہیں، آدمی جب سلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے تو ہر جوڑ کی سلامتی پر ضروری ہے کہ آدمی اللہ کا شکر کے طور پر صدقات ادا کرے، یہ صدقہ کیا ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ: دو آدمیوں کے درمیان آپ عدل وانصاف سے فیصلہ کریں، یہ بھی صدقہ ہے، کسی کو آپ اس کی سواری کے جانور پر سوار کرادیں (۲)۔

---

(۱) صحیح بخاری شریف، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب کل معروف صدقة.

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: كُلُّ سُلاَمَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ، قَالَ: تَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ تَرْفَعُ لَهُ ←

بعض مرتبہ آدمی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کو کوئی دوسرا سواری پر سوار کرنے میں مدد کرے، گویا وہ آدمی کسی وجہ سے سواری کے جانور پر سوار ہونے کی سکت اور طاقت نہیں رکھتا، آپ اس کو مدد دے کر کے سوار کرا دیں تو یہ صدقہ ہے۔ کسی سوار کو اس کا سامان اٹھا کر کے دے دیں، تو یہ بھی صدقہ ہے۔

صدقات کی مختلف صورتیں

بھلی بات جو آپ اپنی زبان سے نکالیں: اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، یہ بھی صدقہ ہے۔ آپ نماز کو ادا کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو مسجد کی طرف اٹھنے والا آپ کا ہر قدم صدقہ ہے اور إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ: راستے کے اندر اگر کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہوئی ہے، پتھر ہے، کانٹا ہے، آپ اس کو ہٹا دیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔ یہ تو صرف مسلم کی روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پیش کی اور دوسری روایتوں میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اعمال کو جو اچھی نیت کے ساتھ انجام دئے جائیں، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیے جائیں، ان سبھی اعمال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقے سے تعبیر کیا ہے۔

جب ملے، جس سے ملے، دل کھول کر دل سے ملے

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ(۱).

⬅ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ - قَالَ - وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلاةِ صَدَقَةٌ وَتُمِيطُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ. (صحیح مسلم شریف، باب بَيَانِ أَنَّ اسْمَ الصَّدَقَةِ يَقَعُ عَلَى كُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْمَعْرُوفِ)

(۱) ترمذی شریف، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ.

تمہارا تمہارے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ پیش آنا، یہ بھی صدقہ ہے، حالاں کہ اس میں کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا لیکن بعض لوگ اس میں بھی بخل کرتے ہیں، جیسے گجراتی میں کہتے ہیں: ''دیویل (ارنڈ کا تیل) پی کر آیا ہے، ایسا نہیں بلکہ ہنستے ہوئے آپ ملیں گے، آپ کا ہنستا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کا بھی جی خوش ہو جائے گا، اس کے دل میں آپ کی طرف سے کوئی کدورت نہیں رہے گی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ اس کی خوشی کا ذریعہ بن گئے۔

اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

تو بہر حال! صدقہ کوئی اسی کے ساتھ خاص نہیں، ویسے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کوئی شخص اپنا مال صدقے کے طور پر خرچ کرتا ہے تو وہ تو اللہ کے لیے ہے ہی، لیکن اپنی ذات پر خرچ کرنے میں، اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں، اس کے متعلق بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس میں کون سا صدقے کا ثواب ملے گا یا اس میں کیا اللہ کی خوشنودی کیسے حاصل ہوگی؟ حالاں کہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی باعثِ اجر وثواب بتلایا، آدمی جب کھا رہا ہو اس نیت کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ جسم عطا فرمایا ہے اور یہ جسم بھوک کا بھی احساس کرتا ہے، اس کی بھوک کو دور کر کے اس جسم کو دوبارہ اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے تیار کرنے کے لیے یہ کھانا ضروری ہے، یہ اچھی نیت ہے، اس کی وجہ سے آپ کا یہ کھانا کیا بن جائے گا؟ اللہ کی طرف سے اجر وثواب کا ذریعہ بن جائے گا۔ ذرا مشقت کا کام کرنے کے بعد

اپنے تھکے ہوئے جسم کو آرام دینے کے لیے آپ ذرا سوئیں گے تو یہ بھی آپ کے حق میں باعثِ اجر وثواب ہے بلکہ یہ تمہارے لیے ضروری ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا تلاشِ حق

چنانچہ بخاری شریف کے اندر یہ واقعہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، یہ اصالۃً، آبائی اعتبار سے مجوسی تھے پھر انھوں نے دینِ نصرانیت قبول کیا اور پھر وہ مسلمان ہوئے، اب وہ نکلے تو تھے حق کی طلب میں لیکن قافلے والوں، ان کے ساتھیوں نے جبر کر کے ان کو غلام بنالیا اور دوسروں کے ہاتھوں بیچ دیا، کئی مالکوں کے ہاتھوں فروخت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو آزادی عطا فرمائی، روایتوں میں ہے کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو علامتیں اگلی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں، ان میں سے یہ تین چیزیں ان کے ذہن میں تھیں: ایک یہ کہ نبی آخر الزمان صدقہ نہیں کھاتے، دوم یہ کہ ہدیہ قبول کرتے ہیں اور کھاتے ہیں، سوم یہ کہ ان کی پشتِ مبارک کے اوپر مہرِ نبوت بھی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں علاماتِ نبوت کو تلاش کرنا

چنانچہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ کا پہلا قیام قبا میں رہا تو یہ یہودی کے غلام تھے، خوانچے کے اندر کھجوریں وغیرہ لے جا

کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ یہ صدقہ ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ، ایک علامت تو معلوم ہوگئی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد دوبارہ ایک خوانچے کے اندر کھجوریں وغیرہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے آپ کے لیے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا کہ بھائی! شریک ہوجاؤ، آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور صحابہ کو بھی کھلایا، اس طرح دوسری علامت ظاہر ہوئی۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش

اس کے بعد یہ اٹھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کی طرف گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ ان کا مقصد کیا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر اپنے جسم سے اتاردی، چنانچہ آپ کی پشتِ مبارک کے اوپر مہرِ نبوت کو دیکھا اور اس کو چوما اور پھر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کا سردار یہودی بڑا سخت قسم کا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے معاملہ کرلو، عقدِ کتابت کرلو، کچھ مال دے کر کے آزادی کا معاملہ کرلو، چنانچہ اس نے بہت بڑی شرط لگائی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی پوری کروادی اور وہ مسلمان ہوگئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے مابین قائم کیے جانے والے مواخات کا دل کش اثر

یہ حضرت سلمان فارسیؓ اور ایک اور صحابی حضرت ابوالدرداءؓ، یہ انصاری صحابی ہیں اور بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان دونوں کے درمیان نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقدِ

مواخات کرایا تھا، ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، ایک دن حضرت سلمان فارسیؓ اپنے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خبر گیری کے لیے، ملاقات کے لیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھائی چارے کا جو رشتہ ان دونوں کے درمیان قائم کیا تھا، اس کا حق ادا کرنے کے لیے ان کے گھر گئے، دیکھا کہ ان کی بیوی امِ درداءؓ میلے کچیلے کپڑوں میں ہیں اور ابودرداءؓ گھر پر نہیں ہیں تو انھوں نے حضرت امِ درداءؓ سے پوچھا: کیا بات ہے کہ میں تجھے میلے کچیلے کپڑے کے اندر دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ جو آپ کے بھائی ابوالدرداءؓ ہیں، ان کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جس انداز میں انھوں نے یہ بات کہی تھی، حضرت سلمان فارسیؓ سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔

مہمان کے لیے مستقل کھانے کا انتظام شرعاً جائز ہے

کچھ دیر کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ تشریف لائے، دیکھا کہ حضرت سلمانؓ آئے ہوئے ہیں، ان کے لیے کھانا تیار کرایا، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی "کتاب الاطعمہ" میں مہمان کے لیے مستقل کھانا تیار کروانے کے سلسلے میں ایک باب قائم کیا ہے، اس کے اندر یہ روایت پیش کی، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ کیسے ثابت ہوگا اس لیے کہ خود تو روزے سے ہے اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ شوہر کا اگر روزہ ہو تو عورت کچھ پکاتی وکاتی نہیں ہے، جو کچھ باسی بچا کھچا ہوتا ہے، اس پر گزارہ کر لیتی ہے لیکن یہاں کھانا پکایا گیا، گویا مہمان کے لیے مستقل اہتمام کیا اور کھانا پیش کیا کہ کھاؤ۔

نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے

حضرت سلمانؓ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ، انھوں نے فرمایا کہ میرا تو روزہ ہے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا: تمہارے بغیر میں کھاؤں گا نہیں، تم کو بھی شریک ہونا ہے۔ چنانچہ روزہ توڑ دیا اور خود بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ یہ نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے، مہمان اگر اصرار کرے کہ آپ کے بغیر میں نہیں کھاؤں گا تو اس صورت میں اس کی دل جوئی کے لیے میزبان روزہ توڑ سکتا ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، بعد میں اس کی قضا کر لی جائے، الضيافة عذرٌ للضيف والمضيف، دونوں کے لیے عذر ہے، نور الایضاح کے اندر مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ میزبان کے لیے بھی عذر ہے اگر مہمان اس کے بغیر کھانے کے لیے تیار نہ ہو اور مہمان کے لیے بھی عذر ہے(۱)، میزبان نے کھانا تیار کیا، پیش کیا اور مہمان کہے کہ میرا روزہ ہے تو میزبان نے اتنی ساری تکلیفیں اٹھائیں اور تم روزے کی بات کرتے ہو، کھاؤ تو کھانا پڑے گا! تو بہرحال! یہ دونوں کے لیے عذر ہے۔

اپنے دوست اور بھائی کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے

حضرت ابوالدرداءؓ نے کھانا کھالیا، حضرت سلمانؓ رات کو وہیں قیام کرنا چاہتے ہیں تو حضرت ابوالدرداءؓ نے ان کے لیے بستر تیار کیا اور کہا کہ لیٹ جائیے، پوچھا: تم؟

---

(۱) ويجوز للمتطوع الفطر بلا عذر في رواية والضيافة عذر على الأظهر للضيف والمضيف وله البشارة بهذه الفائدة الجليلة (نور الإيضاح ص ۱۱۲)

تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تو نماز پڑھوں گا، فرمایا کہ تم بھی لیٹ جاؤ، ان کو بھی سلایا، رات کا ایک تہائی حصہ گذرنے کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ نے اٹھنا چاہا تو حضرت سلمانؓ نے دوبارہ لٹادیا، اس کے بعد جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تو حضرت سلمان فارسیؓ خود بھی اٹھے اور حضرت ابوالدرداءؓ کو بھی فرمایا کہ اب اٹھو اور دونوں اللہ کی عبادت میں مشغول ہوئے۔

صبح کو جاتے ہوئے نصیحت کی: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ (۱): کہ تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، ہر ایک کا حق ادا کرو، اسلام نام ہی ہے اداءِ حقوق کا، جو حقوق واجب کیے گئے ہیں، ان کی ادائیگی کا اہتمام کرو۔

سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں پیش آیا تھا، چنانچہ بعد میں جا کر حضرت سلمان فارسیؓ نے سارا واقعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَ سَلْمَانُ: سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی، گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہرِ تصدیق اس کے اوپر لگادی۔ بہرحال! یہ جو ہے نا: آرام کرنا اپنے آپ کو کھانا کھلانا، اگر یہ سب اس نیت سے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں

(۱) صحیح البخاری، باب مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ.

یہ جسم دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے پاس ایک امانت ہے، ہمارا جسم، ہمارے اعضاء، ہر چیز اللہ کی امانت ہے، ہم کسی چیز کے مالک نہیں، گھر، مال، دولت، بال بچے، گھر والے یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔

کھانا، پینا، بالوں میں تیل لگانا بھی باعثِ اجر بن سکتا ہے

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جسم سرکاری مشین ہے، اس کی حفاظت کرو، حضرت فرماتے تھے کہ بالوں کے اندر تیل بھی لگاؤ، یہ سمجھ کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جسم ہم کو عطا فرمایا ہے اور بالوں کی حفاظت کے لیے تیل لگانا ضروری ہے، یہ سمجھ کر کہ میں اللہ کی اس امانت کی حفاظت کے لیے یہ کام کر رہا ہوں؛ تاکہ آپ کا یہ تیل لگانا، آپ کا یہ کھانا، آپ کا یہ پینا، یہ کیا ہو جائے گا؟ اجر اور ثواب کا ذریعہ بن جائے گا۔

اہل وعیال کی ذمہ داریوں کو بے گاری نہ سمجھو

حضرت امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' میں حضرت مقداد بن معدیکربؓ کی ایک روایت پیش کی ہے، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے: مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَمَا أَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ(۱): تم اپنے آپ کو جو کھلاؤ، وہ بھی اپنے اندر صدقے کا ثواب رکھتا ہے، تم اپنے بچوں کو جو کھلاؤ، وہ بھی اپنے

(۱) الأدب المفرد ص ۴۲، بَابُ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ.

اندر صدقے کا ثواب رکھتا ہے، تم اپنی بیوی کو جو کھلاؤ، وہ بھی اپنے اندر تمہارے لیے صدقے کا ثواب رکھتا ہے، اس کو بے گاری نہ سمجھو کہ ان کو تو کھلانا، پلانا پڑے گا ہی، نہیں، اللہ تعالیٰ نے جو حقوق لازم کیے ہیں، ان حقوق کی ادائگی پر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے، پھر خادم کو کھلاؤ، اس پر بھی صدقے کا اجر عطا کرتے ہیں، باقاعدہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا واقعہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انھوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح کرایا- ان باپ بیٹوں کے درمیان ۱۲-۱۳ سال کا ہی فاصلہ ہے- انھوں نے اپنے بیٹے کا نکاح کرایا اور نکاح کے چند دنوں کے بعد اپنی بہو کے پاس جا کر کے اپنے بیٹے کا حال پوچھا: کیا حال چال ہے؟ تو بہو نے بتلایا کہ عبداللہ کو دنیا سے کوئی دل چسپی نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ بہو نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے، کچھ دنوں کے بعد پھر سے دیکھا۔

باپ کو اپنی شادی شدہ اولاد کی بھی نگرانی کرتے رہنا چاہیے

اس سے یہ معلوم ہوا کہ باپ جب بیٹے کا نکاح کرائے تو اس کو چاہیے کہ حالات کا جائزہ لیتا رہے کہ بیٹا اپنی بیوی کا حق ادا کر رہا ہے یا نہیں؟ کہیں بیوی کے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہے؟ دیکھیے! یہاں جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو

پتہ چلا کہ ان کے بیٹے سے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی صادر ہو رہی ہے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جا کر سارا حال بیان کیا کہ میں نے ایک شریف گھرانے کی لڑکی سے ان کا نکاح کرایا لیکن ان پر تو عبادت کا ایسا غلبہ ہے کہ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور بیوی کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے۔

باپ اپنی اولاد کو بعض باتوں کی فہمائش بڑوں کے ذریعہ بھی کرا سکتا ہے

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں باپ اپنے بیٹے سے براہِ راست گفتگو کرنے سے کتراتا ہے، یہ معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ اس سلسلے میں خود کچھ کہنے کے بجائے بڑوں کے ذریعہ ان کو سمجھایا جائے، چنانچہ جب نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے حقیقتِ حال آئی تو آپ ﷺ خود تشریف لے گئے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس اور وہاں جب پہنچے تو انھوں نے تکیہ پیش کیا، تکیے کے اس مسئلے کو ثابت کرنے ہی کے لیے امام بخاریؒ نے باب مستقل قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ روایت لائے ہیں۔

حضور ﷺ کا پیغام امت کے نام

تو بہر حال! حضور ﷺ تکیہ لگا کر بیٹھے، ان سے حال پوچھا اور فرمایا کہ تمہاری شکایت پہنچی ہے: أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ (۱): مجھے یہ بات پہنچائی گئی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہو، کیا یہ

---

(۱) صحیح بخاری شریف، باب حق الجسم في الصوم.

بات صحیح ہے؟ قُلْتُ بَلٰی یَا رَسُولَ اللهِ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہاں! اے اللہ کے رسول! بالکل، یہ بات درست ہے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: یہ چار الفاظ ارشاد فرمائے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو: کچھ دن روزہ کرو، کچھ دن افطار کرو، اور رات کو آرام بھی کرو اور اللہ کی عبادت کے اندر مشغول بھی رہو، پوری رات عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: بے شک تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، یہ جسم جو ہے، اللہ نے کام کرنے کے لیے دیا، اس کو ہم تھکاتے ہی رہے، تھکاتے ہی رہے تو پھر وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، جیسے مشین کو اگر آپ سروس نہ کریں تو وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، یہی حال تمہارے جسم کا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے۔ اور فرمایا: وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری آنکھوں کا، آرام کا حق ہے اور وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، اور وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری ملاقات کے لیے آنے والوں کا تم پر حق ہے۔

ملاقاتی کو میزبان کے مشغولی کے اوقات کا لحاظ کرنا چاہیے

مجھے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آ گئی کہ لوگ ملاقات کے

لیے جو آتے ہیں نا، ان کا بھی لحاظ کرنا چاہیے اور ان کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے، ویسے تو شریعت نے آداب سیکھائے ہیں اور ایسے طریقے بتلائے ہیں کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے، ہم فون کرنا چاہتے ہیں تو سامنے والے کے اوقات کا لحاظ کرتے ہیں کہ بھائی! کون سے وقت میں فارغ ہوگا، اس کا اندازکر کے ہی آپ فون کریں، کسی کی ملاقات کے لیے جانا چاہتے ہیں تو اس کی مشغولیت کے جو اوقات ہیں ان میں نہ جائے بلکہ اس کے فرصت کے جو اوقات ہیں، ان میں جانا چاہیے، یہ تو جانے والے کو اس کا لحاظ کرنا چاہیے اور اسی وجہ سے اگر بے وقت پہنچ جائے تو جس کے یہاں گیا ہے، وہ اگر ملاقات سے انکار کر دے، نا کہہ دے کہ اس وقت میں آپ سے نہیں مل سکتا تو شریعت نے حکم دیا کہ آپ کو واپس جانا چاہیے، اس آنے والے کو اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ وہیں جم کر بیٹھ جائے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا﴾ [النور:۲۸] جب کہا جائے: واپس لوٹو تو واپس لوٹ جاؤ، یہ شریعت ہمیں حکم دیتی ہے۔

میزبان کو بھی دور سے آنے والے مہمان کا لحاظ کرنا چاہیے

لیکن حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی دور سے آیا، بمبئی سے آیا ہے، یا کسی اور جگہ سے مثلاً کلکتے سے آیا ہے، اب وہ بے چارہ آپ کے اوقات کی کیسے رعایت کرے گا، وہ تو جو وقت پہنچنے کا ہوگا، اس وقت پہنچے گا، بھلے وہ وقت آپ کی مشغولیت کا ہو، پھر بھی کم از کم اس آدمی کو کھلانے کا انتظام کر دے، اپنے آدمیوں سے کہہ دے کہ اس کے کھانے پینے کا انتظام کریں، میں

فلاں وقت میں اس سے ملاقات کروں گا، مگر یہ کہنا کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا، واپس جاؤ، یہ جو ''واپس جاؤ'' والی بات ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرے، تمہاری ملاقات کے لیے آنے والے کا بھی حق ہے، یہ بھی آدمی ہے، اگر مقامی آدمی ہوتو اس کو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ جاؤ، شام کو آنا؛ اس لیے کہ اس کو اس وقت آنا ہی نہیں چاہیے تھا، یہ بے وقت آیا ہے۔

تو بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہارے جسم کا حق ہے، گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ بتلایا کہ جسم کو راحت پہنچانا، اگر بھوکا ہوتو کھانا کھلانا، اگر پیاسا ہوتو پانی پلانا اور اگر تھکا ہوا ہوتو آرام پہنچانا، یہ سب اس کے حقوق ہیں اور ہر ایک کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

گھر والوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے

اور گھر والوں کا بھی حق ہے، گھر والوں پر جو خرچ کیا جاتا ہے اہل وعیال پر، وہ بھی صدقہ ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری شریف کے اندر موجود ہے کہ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے اور اس بیماری میں ان کو اندیشہ ہوا کہ اس بیماری میں میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا، ان کے پاس کافی مال تھا تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! میرے وارثوں میں صرف ایک لڑکی ہے اور میرے پاس تو بہت سا مال ہے، کیا میں اپنے سارے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرلوں؟ اس کی وصیت کردوں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ پورے مال کی وصیت نہیں

کی جا سکتی۔ عرض کیا کہ دو تہائی کی؟ فرمایا: دو تہائی مال کی وصیت کی بھی اجازت نہیں ہے، کہا: ایک تہائی کی؟ فرمایا کہ ایک تہائی کی کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی بہت ہے۔

ایک تہائی سے کم کی وصیت کرنا ورثہ کے ساتھ احسان ہے

اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک تہائی سے کم کی وصیت کرے تو یہی مناسب ہے، اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ جانے والے نے اپنے ورثہ کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا ہے، اگر ایک تہائی کی کرے تو فرماتے ہیں کہ اس کو جتنا پاور (power) دیا گیا تھا، اس کا استعمال کرلیا، باقی یہ ویسے بھی ورثہ کا ہے، اگر آپ زائد کی وصیت کرتے تو بھی وہ پوری نہیں کی جاتی۔

وارثوں کو مال دار چھوڑنا، انھیں نادار چھوڑنے سے بہتر ہے

تو بہر حال! اسی موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات ارشاد فرمائی کہ تم اپنے وارثوں کو پیسے والا چھوڑ کر جاؤ، یہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ تم ان کو خالی ہاتھ چھوڑ و اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ: اپنے اہل وعیال کو محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ مانگتے رہیں، اس سے بہتر ہے کہ ان کو مال دار چھوڑ کر جاؤ۔

بیوی کے منہ میں کھانے کی چیز اٹھا کر رکھنے میں بھی ثواب ہے

اسی موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً، تَبْتَغِي بِهَا

وَجْهَ اللهِ، إِلاَّ أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ (۱) تم جو کچھ خرچ کروگے اللہ کو راضی کرنے کے لیے، تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ یہ ضروری ہے، اسی کا نام احتساب ہے، اللہ کو راضی کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کروگے، اس پر تم کو ثواب ملے گا، یہاں تک کہ اگر اپنی بیوی کے منہ میں کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر کے رکھو اور اس میں بھی اگر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے تو اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا؛ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کا بھی حق رکھا ہے۔

احتساب اور اخلاص للہ کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فضائلِ اعمال میں اپنے والدِ بزرگوار کے حوالے سے واقعہ ذکر کیا ہے کہ پانی پت میں ایک آدمی تھا، جس کے اوپر قتل کا مقدمہ تھا اور مقدمہ کرنال میں چل رہا تھا اور پانی پت اور کرنال میں دریائے جمنا پڑتا تھا اور جمنا کا حال یہ ہے کہ گرمیوں کے زمانے میں جب وہ طغیانی پر نہ ہو تو تھوڑا پانی ہوتا ہے، خشک رہتا ہے؛ اس لیے چل کر نکل جاتے تھے اور پانی والے حصے پر کشتیاں رہتی تھیں جو پیسے لے کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا کرتی تھیں لیکن بارش کے زمانے میں جب کہ یہ دریا طغیانی پر ہو تو کشتیاں بھی اس میں چل پاتی نہیں تھیں۔

ایک مرتبہ مقدمہ کی تاریخ ایسے وقت آئی جب دریا طغیانی پر تھا اور اس کو تو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى.

وہاں کسی بھی طرح جانا تھا، اس نے وہاں موجود کشتی والوں سے کہا کہ بھائی! مجھے لے جاؤ، تم جتنی بھی رقم چاہو، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ کشتی والوں نے کہا: بھائی! دریا ابھی طغیانی پر ہے اور ایسی حالت میں اس میں کشتی ڈالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس نے کہا کہ بھائی! میرا جانا ضروری ہے، اگر نہیں گیا تو مجھے سزا ہو جائے گی اور پھانسی ہو جائے گی، انھوں نے کہا کہ پھانسی تمھیں ہوگی، تمہاری وجہ سے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں؟

بہر حال اس نے کشتی والوں کی خوب منت سماجت کی، گریہ وزاری کی، گڑگڑایا لیکن کوئی تیار نہیں ہوا، تو اس کی اس حالتِ زار کو دیکھ کر ایک آدمی نے کہا: میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہوں، ایک آدمی تمھیں پہنچا سکتا ہے لیکن تم اس آدمی کے سامنے میرا نام مت لینا – ویسے ایسی باتیں نام نہ لینے کی شرط کے ساتھ ہی بتایا کرتے ہیں – بہر حال اس نے کہا کہ اسی جمنا کے کنارے پر فلاں جگہ ایک جھونپڑے میں ایک بزرگ رہتے ہیں بیوی بچوں کے ساتھ، ان کے پاس چلے جاؤ اور دیکھو! وہاں سے ہٹنا نہیں، چاہے وہ کچھ بھی کریں، مارے پیٹے، برا بھلا کہیں، جب تک تیرا مقصد پورا نہ ہو۔

یہ شخص وہاں گیا اور پوری حقیقت بیان کرنے کے بعد کہا کہ حضرت! یہ صورتِ حال ہے، تو حضرت نے کہا کہ بھائی! میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں کوئی خدا ہوں؟ اس نے کہا کہ حضرت! کچھ تدبیر کیجیے۔ بہر حال یہ شخص پیچھے پڑ گیا اور وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لیا، بزرگ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ شخص یہاں سے چلا جائے لیکن یہ وہاں سے ٹلا نہیں۔ جب دیکھا کہ یہ آدمی یہاں سے جانے کا نام نہیں لے رہا

ہے تو کہا: جا! جمنا سے کہہ دینا کہ جس آدمی نے کبھی کھانا نہیں کھایا اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی، اس نے کہا ہے کہ مجھے راستہ دے دے، یہ شخص تو چلا گیا، راستہ بھی مل گیا، اس کا تو کام ہو گیا لیکن یہاں بیوی بھی بات سن رہی تھی۔

اللہ والوں کی بیویاں بدمزاج ہوا کرتی ہیں

حضرت شیخؒ جنھوں نے یہ واقعہ نقل کیا، فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی بیویاں بدمزاج ہوا کرتی ہیں اور جو انسانی حقوق کی ادائگی کا خیال رکھتے ہیں، یہ انہی کے سر پر چڑھ جاتی ہیں۔ حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: یغلبن الکرام ویغلبھن اللئام(۱) یہ شریفوں پر غالب آتی ہیں اور کمینے ان پر غالب آتے ہیں، حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل تو سبھی شریف ہیں ماشاء اللہ! تو بہر حال! یہ حقوق کی ادائگی کی وجہ سے ان کے ساتھ رعایت کرتے ہیں اور یہ ان کے سر پر چڑھ جاتی ہیں۔

وہ تو بے چارہ چلا گیا، ادھر بیوی نے گھر سر پر اٹھالیا کہ یہ جو تو نے اس سے کہا کہ میں نے کبھی نہیں کھانا نہیں کھایا تو یہ جو کھا کھا کر ہاتھی کی طرح موٹا تازہ ہو رہا ہے، وہ تو تو جانے اور تیرا خدا جانے لیکن یہ جو تو نے اس سے دوسری بات کہی کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کبھی صحبت نہیں کی، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، یہ ہماری اولاد کہاں

---

(۱) یہ حضرت معاویہؓ کا قول ہے: وھو کما قال معاویۃ یغلبن الکرام ویغلبھن اللئام. (فتح الباري شرح صحیح البخاري لابن حجر ۹/۲۶۵)

سے آئی؟ تو نے تو مجھے رسوا کر دیا، اس نے ہماری اولاد کو دیکھا ہے، وہ لوگوں سے کیا کہے گا کہ آپ نے مجھ سے صحبت نہیں کی تو کیا میں نے زنا کروایا؟ حضرت نے فرمایا: اللہ کی بندی! کیا میں نے یہ کہا ہے کہ یہ میری اولاد نہیں ہے؟ لیکن وہ تو ایسی سر پر چڑھی کہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، جب بہت مجبور کیا تو فرمایا کہ میں نے اپنے بچپن کے اندر یہ بات سنی تھی کہ جو کام اللہ کے لیے کیا جاتا ہے، وہ نفس کے لیے نہیں ہوتا، تیرے ساتھ نکاح کے بعد میں نے تجھ سے صحبتیں بھی کیں لیکن ہمیشہ میں نے یہ نیت کی کہ تیرا حق ادا کرنے کے لیے صحبت کرتا ہوں، اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے نہیں تو یہ اللہ ہی کے حکم کو پورا کرنے کے لیے ہوا، اپنی ذات کے لیے نہیں۔

رضائے رب ہی مؤمن کا عمل ہو

اصل تو یہی ہے، کھانا جو کھاتے ہیں تو طبیعت میں تقاضا ہوتا ہے، آدمی کو بھوک لگتی ہے، جب کھانا اس کے سامنے آتا ہے تو اپنی طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے سب بھول بھال کے کھانے پے ٹوٹ پڑنے کی کوشش کرتا ہے، بس! یہی وہ لمحہ ہے، جس لمحے میں آدمی کا ہاتھ کچھ دیر کے لیے رک جائے اور یہ خیال دل میں لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کھانا کھایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسم کا حق ادا کرنے کے لیے کھانا کھانے کا حکم دیا ہے، میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اور پیروی کرتے ہوئے جسم کا حق ادا کرنے کے لیے کھانا کھا رہا ہوں، بس! یہ اتنا کرلے تو اس کا یہ کھانا اب اس کے نفس کے لیے نہیں ہوگا بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع اور پیروی میں ہوگا۔

لغزش میں ہو خلوص تو لغزش نماز ہے

بہرحال! حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں اور ہمارے اکابر کے کلام میں یہ چیز ہے کہ دین اور دنیا میں فرق نیت اور سوچ سے آجاتا ہے، آپ کھانا کھا رہے ہیں نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے تو یہ دین نہیں، خواہش پرستی ہے اور اگر اسی کھانے کو آپ کھا رہے ہیں اللہ کے حکم کو بجالانے کے لیے تو یہی کھانا کیا بن جائے گا؟ دین بن جائے گا، اللہ کی رضا وخوشنودی کا سبب بن جائے گا۔

آپ صحبت کریں گے بیوی کے ساتھ اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لیے تو بھلے یہ جائز ہے لیکن بہرحال یہ شہوت رانی ہے لیکن اگر وہ یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے حق کو واجب کیا ہے اور میں اپنے آپ کو زنا سے بچانے کے لیے، عفت اور پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہوں تو ایسی صورت میں یہ صحبت تمہارے لیے نیکی کا ذریعہ بن جائے گی، گویا آدمی زاویۂ نگاہ کو بدل دیتا ہے، یہی فرماتے ہیں: حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ: کہ تو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھ دے تو وہ بھی صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے میں ہمارے اندر احتساب کی کمی ہے

تو یہ جو گھر والوں پر خرچ کیا جاتا ہے، اولاد پر خرچ کیا جاتا ہے تو اس کو آدمی بے گاری نہ سمجھے۔ عام طور پر ہمارا جو مزاج بنا ہوا ہے اور ہماری تربیت جس ماحول میں ہوئی ہے، اس کی وجہ سے ہم اپنے اوپر واجب حقوق ادا تو کرتے ہیں، اپنی بیوی کا حق،

گھر والوں کا حق، بچوں کا خرچہ برداشت کرتے ہیں، ان کے لیے کماتے ہیں، ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں لیکن کبھی دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اللہ کا حکم ہے، ہم اللہ کا حکم پورا کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہوتا۔ اگر یہ چیز سوچ لی جائے تو یہ سب چیزیں ہمارے لیے کیا بن جائے گی؟ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بن جائیں گی۔ بس! اسی چیز کو پیدا کرنے کے لیے اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جاتی ہے اور اسی کو احتساب کہتے ہیں یعنی کسی کام کو اللہ کو راضی کرنے کے لیے انجام دینا۔

اہل وعیال پر خرچ کیا جانے والا روپیہ اوروں پر خرچ کیے جانے والے روپیوں سے بہتر ہے

حضرت ابو مسعود بدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَة (۱) کہ آدمی اپنے گھر والوں پر جو خرچ کرتا ہے اللہ کے حکم کو پوارا کرنے کے لیے-اس کو احتساب کہتے ہیں-اسی احتساب کے لیے جو کوئی کام کرے گا، وہ صدقہ بن جاتا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ (۲)

---

(۱) صحیح بخاری شریف، کتاب النفقات، فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ.

(۲) صحیح مسلم شریف، باب فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَالْمَمْلُوكِ الخ.

کہ ایک دینار تو وہ ہے جو تو نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے کسی مسکین کو، غریب کو دیا اور ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان چاروں میں سے اجر وثواب کے اعتبار سے بڑا وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔

ہماری کوتاہی

حالاں کہ اس کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا، ہم اور آپ مسجد میں روپیہ دیتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ بڑا ثواب کا کام کیا لیکن یہی روپیہ بیوی کو دیتے ہیں، گھر والوں پر خرچ کرتے ہیں تو بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس پر بھی ہمیں اجر وثواب ملتا ہے، اسی چیز کی ہمارے اندر کمی ہے، ہماری تربیت جس ماحول میں ہوئی، اس کی وجہ سے یہ چیز ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں تصحیحِ نیت کا اہتمام

یہی سوچ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، بزرگوں کی صحبت میں رہ کر بھی یہی چیز حاصل کی جاتی ہے، إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى (۱) یہی وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى تصحیحِ نیت ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ملفوظات ابھی چھپ کر آئے ہیں، اس میں حضرت مولانا محمد منظور صاحبؒ

(۱) صحيح البخاری، عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم.

نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے کہ ایک زمانہ ان کے پاس رہا، ان کے یہاں تصحیحِ نیت کا بہت زیادہ اہتمام رہتا تھا، یہی اصل چیز ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے، اپنی اولاد پر خرچ کرتا ہے، اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اس کے سلسلے میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس پر مجھے ثواب ملے گا لیکن شریعت ہمیں بتلاتی ہے کہ ان سارے کاموں پر اجر وثواب ہے، بس ضرورت اسی کی ہے کہ بوقتِ خرچ نیت کا استحضار کریں گے، احتساب کریں گے کہ ان سب میں ہمیں ثواب حاصل ہوگا۔

احتساب سے متعلق

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

بخاری شریف میں واقعہ ہے: جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کے الگ الگ علاقوں کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو تاکید کی تھی کہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے رہنا، جب ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقے کے دورے پر نکلتا تھا تو اگر ان میں سے کسی کی جائے قیام قریب ہوتی تھی تو ملاقات کر لیا کرتا تھا کہ دوستی کا عہد و پیمان تازہ رہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کے دورے پر نکلے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ قریب آئی تو ان کی ملاقات کے لیے پہنچ گئے، اس موقع پر

حضرت معاذؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا کہ آپ دن رات میں کتنی مقدار قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا (۱) کہ میں قرآنِ پاک دن رات میں پڑھنے کی جو مقدار ہے اس کو چوبیس گھنٹہ میں تھوڑا تھوڑا کرکے پورا کرلیتا ہوں۔

چار قراءِ صحابہ حدیث کی روشنی میں

جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ حضراتِ صحابہ میں سے جو قراء تھے اور یہ دونوں قراء میں سے ہیں، حضرت معاذؓ بھی اور حضرت ابوموسی اشعریؓ بھی؛ اس لیے کہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ان میں دو مہاجر ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سالم مولی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں اور انصار میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

حضرت معاذؓ کا علمی مقام

حضرت معاذ بن جبلؓ کا مقام علمی اعتبار سے بہت بڑا ہے، جب اسلام لائے ہیں تو تیرہ سال کی عمر تھی اور بوقتِ وفات ۳۴ سال کی عمر تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل (۲) کہ صحابہ میں حلال اور

---

(۱) صحیح بخاری شریف، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

(۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَأُبَيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، (صحیح بخاری، باب مَنَاقِبُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ)

حرام کے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبل ؓ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ کے متعلق فرمایا: إِنَّ مُعَاذًا كَانَ أُمَّةً قَانِتًا(۱) امت "معلّم الخير": لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھلانے والا اور اللہ کے مطیع اور فرماں بردار کو کہتے ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق قرآن میں أُمَّةً قَانِتًا فرمایا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فرمایا اور ان کا علمی مقام ایسا تھا کہ جس مجلس میں وہ ہوتے تھے اور لوگ کسی معاملے میں بات کرتے تھے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تھے، کوئی بڑا آدمی جب مجلس میں ہوتا ہے تو اہلِ مجلس پر چھایا رہتا ہے، کوئی آدمی جب بات کرتا ہے تو سو بار سوچتا ہے کہ فلاں صاحب یہاں بیٹھے ہیں، یہ درجہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا(۲)۔

ہماری عبادات سے بھی احتساب رخصت ہو چکا ہے

تو حضرت معاذ ؓ نے حضرت ابوموسی اشعری ؓ سے پوچھا: تمہارا قرآن کے پڑھنے کا معمول کیا ہے؟ تو حضرت ابوموسی اشعری ؓ نے جواب دیا کہ میں ایک منزل روزانہ مختلف اوقات میں، مختلف احوال میں: چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے پڑھ لیا کرتا ہوں۔ پھر حضرت ابوموسی اشعری ؓ نے پوچھا کہ آپ کس طرح پڑھتے ہیں؟ تو حضرت معاذ ؓ نے جواب دیا: أَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَأَقُومُ وَقَدْ قَضَيْتُ جُزْئِي مِنَ النَّوْمِ فَأَقْرَأُ مَا كَتَبَ

(۱) المستدرك على الصحيحين، ذكر مناقب زيد بن ثابت كاتب النبي صلى الله عليه وآله وسلم.

(۲) المستدرك على الصحيحين، ذكر منا قب أ حد الفقهاء الستة من الصحابة معاذ بن جبل ص، رقم الحديث: ۵۱۷۷.

اللّٰهُ لِي: میں تو ''رات'' کے شروع حصے میں سوتا ہوں، کچھ رات گذرنے کے بعد اٹھ جاتا ہوں اور پھر اپنی نماز میں قرآن کی اس مقدار کو پورا کرتا ہوں، اس میں ایک جملہ انھوں نے ارشاد فرمایا جو بخاری شریف کے اندر ہے: فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي (۱): میں اپنے سونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب کی اسی طرح امید رکھتا ہوں جس طرح کہ نماز کے اندر ثواب کی امید رکھتا ہوں یعنی عام مسلمانوں کا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم کوئی عبادت ادا کر رہے ہوتے ہیں تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس عبادت پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے، اگرچہ ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ اس میں بھی ثواب کا خیال نہیں ہوتا، یعنی احتساب عبادات میں سے بھی جا چکا ہے۔

تو بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسے عبادات کو ادا کرتے وقت آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس پر اللہ کی طرف سے مجھے اجر و ثواب ملے گا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو اپنے سونے میں بھی اس طرح اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

شریعت نے گواہی دینے میں بھی احتساب کا اعتبار کیا ہے

اسلام نے تو ہر چیز کی بنیاد احتساب پر رکھی ہے، اگر احتساب نہ ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی رد کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے کتاب الحدود کے اندر پڑھا ہوگا، کتاب الحدود کے اندر جب زنا کے متعلق گواہی کی بات آتی ہے نا تو حاکم کے پاس جب گواہی آئے گی تو حاکم پہلے تحقیق کرتا ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا ہے؟ اگر یہ بات محقق ہو جائے

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

کہ واقعہ دو سال پہلے کا ہے تو وہ گواہی قبول نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ گواہی پرانی ہوگئی، اس میں قدامت آ گئی، سال دو سال گذر گئے، اب تک یہ حضرت کہاں بیٹھے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ دو سال پہلے دونوں میں دوستی تھی؛ اس لیے اس واقعہ کو چھپا کر رکھا اور اب کچھ دشمنی ہوگئی تو بات کو ظاہر کر رہے ہیں تو یہ گواہی جو ہے نا، وہ اللہ کے واسطے نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کے واسطے ہے۔

یہ ہے احتساب، صاحبِ ہدایہ نے جو دلیل پیش کی ہے، وہ یہی ہے کہ احتساب نہیں رہا، جب حدود کے اندر بھی گواہیاں احتساب کی بنیاد پر قبول کی جاتی ہیں کہ احتساب ہو تو قبول کی جائے گی، ورنہ ناقابلِ قبول ہوگی، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شہادت تک کے اندر جب احتساب ضروری ہے۔ حقوق العباد جہاں ہوتے ہیں، وہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں لیکن چوں کہ حدود خالص حقوق اللہ ہیں؛ اس لیے وہاں جب تک احتساب نہ ہو، اس وقت گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

ہمارا سونا بھی عبادت بن سکتا ہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سونے میں بھی اسی طرح ثواب کی امید رکھتا ہوں، جیسا کہ نماز کے اندر رکھتا ہوں تو اگر ہمارا حال بھی یہ ہو جائے کہ سوتے وقت بھی ہم یہ نیت کریں کہ یا اللہ! میں اس لیے سوتا ہوں کہ طبیعت کے اندر بے داری کے نتیجے میں جو بے چینی پیدا ہوگئی ہے، وہ دور ہو، نشاط پیدا ہو اور تیری عبادت، تیرے احکام نشاط کے ساتھ پورا کر سکوں تو ہمارا یہ سونا بھی عبادت

بن جائے گا۔

عبادات میں نشاط پیدا کرنے کے لیے جسم کو راحت پہنچانا ضروری ہے

جیسے ایک مزدور ہوتا ہے نا، مزدور پر کام کرتے کرتے جب دو چار گھنٹے گذر جاتے ہیں تو مالک خود کہتا ہے کہ جاؤ، بیڑی پی لو، چائے پی لو بلکہ خود چائے لے جاتا ہے، بیڑی لے جاتا ہے، اگرچہ چائے، بیڑی پینے میں پیسے بھی خرچ کرتا ہے اور اس دوران ۱۵-۲۰ منٹ کا خلل بھی ہو رہا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد اس کا کام اور زوردار ہو جائے گا تو اسی طرح اگر آدمی جسم کو راحت پہنچاتا ہے تو اگر وہاں نیت یہ ہے تو اس پر اجر وثواب کیوں نہیں ملے گا؟۔

حدیث میں احتساب کے سلسلے میں خصوصی طور پر ان چار کاموں کو ذکر کرنے کی وجہ

تو بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا: مَنْ أَعْطَى لِلّٰهِ کہ جس نے خرچ کیا اور نیت کیا ہے؟ آج ہمارا حال یہ ہو گیا کہ یہ جتنے مال خرچ کیے جاتے ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ چار کام خاص طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے چن کر کے بیان فرمائے کہ ان کاموں کو انجام دیتے وقت عمومًا یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا دھیان اللہ کو راضی کرنے کی طرف نہیں ہوتا، نفسانی تقاضوں کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں، پیسے خرچ کرتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے رشتہ داروں تک کو، بہن کو کچھ دینے کا ارادہ ہو تو گھر والی کہتی ہے کہ ابھی ٹھہر جاؤ نا، اس کے یہاں بیٹی کی شادی آ رہی

ہے، اس وقت دیں گے۔ دیکھئے! چکّر آ گیا، بیٹی کی شادی میں رسم کے طور پر دینا ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اگر آج میں نہیں دوں گا تو لوگ کیا کہیں گے؟ کہ بہن کی بیٹی کی شادی تھی اور بھائی نے کچھ دیا نہیں تو یہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے نہیں ہوا، ہم تو جو کچھ کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ جو کچھ سلوک ہوتا ہے، اس میں بھی اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے۔

رواج کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت

اس لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بے وقت دو؛ تاکہ اس میں بھی اللہ کو راضی کرنے کی نیت شامل ہو جائے اور اگر دینے کا کوئی وقت ہو تو آگے پیچھے کر کے دو، مقصد یہ ہے کہ بے چاری کی مدد ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن نیت اپنی درست کر لو، یہ نہیں کہ بھائی نے اس موقع پر کچھ نہیں دیا، اس ڈر سے دیں، اسی طرح دوستوں کو، دوسرے لوگوں کو شادی کے موقع پر ہدیے کے لفافے دئے جاتے ہیں، یہ دیکھ کر کہ انھوں نے ہمارے یہاں شادی کے موقع پر کتنا دیا تھا، یہ سب چل رہا ہے، فقہاء نے اس سب کو قرض کے اندر شمار کیا ہے اور بہت برا قرار دیا ہے۔

رسم و رواج نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے

یہ سب دینے کے معاملے ہیں، تو ایسے موقع پر اگر نہ دیں، نہ خرچ کریں کہ بھائی! شادی ہے تو دعوت دینی پڑے گی، ورنہ لوگ کہیں گے کہ یہ دعوت نہیں کرتا، ولیمے کے نام سے کرتے ہیں، اس میں بھی اندر تو یہی بات ہوتی ہے کہ نہیں کروں گا تو

لوگ کیا کہیں گے کہ دوسروں کے یہاں شادی کی دعوتیں کھاتا رہا اور جب بیٹے کے نکاح کا موقع آیا تو کچھ نہیں کیا، بڑا بخیل آدمی ہے تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہ عجیب معاملہ ہے، اسی رسم و رواج نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا، ہمارا سارا دین اور دینی اعمال بھی اسی کے تابع ہو گئے اور جب تک ایمان تازہ نہیں ہوگا، اس سے ہم نکل سکتے نہیں ہیں۔

رسم و رواج سے بچنا بڑے بڑوں کے لیے مشکل ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ نے حجۃ اللہ البالغہ میں خاص طور پر لکھا ہے کہ رسم و رواج سے بچنا بڑے بڑوں کے لیے مشکل ہے، دین داری کے، عمل کے دعوے ہمارے پاس بہت ہیں لیکن اپنے دل سے ذرا فکر کر کے پوچھے کہ کیا ہو رہا ہے، ضرورت ہے کہ جب تک کہ ان رسوم سے اور ان عادات الناس سے اپنے آپ کو نکال کر اللہ کے لیے اعمال کو انجام دینے کا مزاج نہیں بنائیں گے، وہاں تک اللہ کی خوش نودی حاصل ہونے والی نہیں ہے، اہل اللہ کے یہاں اسی مزاج کو بنایا جاتا ہے اور ان کی صحبت اسی لیے اختیار کی جاتی ہے کہ اگر زندگی میں ان کے پاس کچھ عرصہ رہے اور ہمارے دل میں اس کا تھوڑا بہت خیال آ گیا تو یہ بھی ہمارے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔

اہل اللہ کی صحبت ان کا مزاج سیکھنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اللہ کے والوں کے پاس ان کا مزاج سیکھنے کے لیے رہتے ہیں، علمی باتیں تو کتابوں میں پڑھ لیتے ہیں، مسائل تو کتابوں

سے معلوم کر لیتے ہیں لیکن ان کی سعادت اسی میں ہے کہ ان کا مزاج دیکھ کر اپنایا جائے اور اس کی وجہ سے آدمی کی زندگی میں جو تبدیلی آتی ہے، وہ کسی اور چیز سے حاصل ہونے والی نہیں ہے تو بہرحال! مزاج سے مزاج بنتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا ہے۔

مال خرچ نہ کرنا بھی اللہ کے لیے ہو

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ خرچ کرنا اور نہ کرنا، یہ "نہ کرنا" بھی کس کے واسطے ہو؟ اللہ کے واسطے ہو، ان رسوم میں میں خرچ نہیں کرتا، جس کو جو کہنا ہو کہے، میں تو نہیں کرتا۔ گناہ کے کاموں، رسم ورواج میں خرچ کرنا۔ ہمارے یہاں تو خرافات کی بھرمار ہے، ہم تو مسئلے مسائل پڑھتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے، دعوت قبول کرنے کے لیے فقہاء نے جو شرطیں رکھی ہیں، وہاں کیا لکھا ہے کہ وہ دعوت جو نام ونمود کے لیے نہ ہو، اس کو قبول کی جائے گی اور ہم اور آپ سب جانتے ہیں پھر بھی جاتے ہیں، کیا کریں؟ یہ سب کچھ ہے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل

فقہاء نے ان سب چیزوں کا خیال رکھا ہے، فرض کی جو حقیقت ہے، اس کی رعایت کی ہے، فتاوی عالمگیری اٹھا کر دیکھ لیجیے، علاج کرانے کی اجازت اس وقت دی ہے، جب علاج کراتے وقت آپ کے دل میں یہ یقین ہو کہ شفا دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، میں صرف ایک ذریعہ کے طور پر یہ علاج کرا رہا ہوں۔ آج ہمارے یہاں کیا ماحول بن گیا ہے؟ فلاں بڑا بھاری ڈاکٹر ہے، حکیم ہے، فلاں گیا، فلاں گیا، سب

اچھے ہو گئے، تم بھی وہاں جاؤنا، ایسا مزاج بنا کر کے جاتے ہیں کہ اللہ پر سے تو نظر ہٹ ہی جاتی ہے، اس طرح تو علاج کروانا بھی جائز نہیں، حرام ہے، فقہا نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ بہت بڑے ڈاکٹر کے پاس مت جاؤ، ذرا کم درجے والے کے پاس جاؤ تو نظر اللہ پر رہے گی، تو بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ نظر اللہ پر ہو۔

بہرحال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ چار باتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی، ان چار باتوں میں جو آدمی کامل ہو جاتا ہے، وہ ساری چیزوں کے اندر کامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ نمازوں کے اندر آیا ہے نا کہ جو آدمی عصر اور فجر کا اہتمام کرے گا تو باقی نمازوں کا ضرور اہتمام کرے گا، اسی طریقے سے یہاں پر بھی جب ان چیزوں میں اللہ کو راضی کرنے کا مقصد اس کے پیشِ نظر ہوگا تو باقی کاموں میں بطریقِ اولی ہوگا تو خرچ کرنا اور نہ کرنا اللہ کے لیے ہو۔

تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ حجرِ اسود پر

آگے ایک اور بات فرمائی: وَأَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ: جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے واسطے کی اور کسی سے عداوت اور دشمنی کا معاملہ کیا تو اللہ ہی کے واسطے کیا، کسی سے بھی: اپنے بیٹے سے بھی محبت کرنی ہو تو بھی اللہ کے واسطے ہو، ویسے باپ، ماں، بہن، بھائی، بیٹے سے محبت طبعی ہوا کرتی ہے لیکن ہمیں شریعت نے حکم دیا کہ آپ اپنی محبتوں کو شرعی بنائیے، طبیعت کے تقاضوں کو مت دیکھئے اور آدمی جب ان محبتوں کو شرعی

بنائے گا تو ان محبتوں کی وجہ سے کبھی شریعت کے کسی حکم کو توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اخلاص انسان کو بہت سی حق تلفیوں سے بچاتا ہے

بیٹے چار ہیں، اب ان چاروں بیٹوں میں سے جس کے ساتھ طبعی محبت زیادہ ہوگی، اس کے تو گھر بھی نام کر کے دے دیا اور زمین بھی دے دی اور جس کے ساتھ معاملہ ذرا ٹھیک نہیں تھا، اس کو محروم کر دیا لیکن اگر ان کے ساتھ محبت اللہ کے حکم کی وجہ سے ہوگی تو سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے گا۔ یہی حال بیویوں کا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو اگر فطری طور پر آپ کا دل کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہو تو ٹھیک ہے لیکن آپ باقی دوسری چیزوں کو سب میں برابری کے ساتھ رکھنے کا اہتمام کیجیے، جس کی وجہ سے اللہ کا کوئی حکم ٹوٹنے نہ پائے۔

گھر والوں کے ساتھ ہمارا معاملہ

گھر میں آپ گئے، بچہ سامنے آیا تو جیسے میں نے کہا نا کہ بھوکے گئے تھے، دسترخوان پر کھانا نظر آیا تو خیال نہیں کیا، بیٹھ گئے اور کھانا تناول کر لیا، بچہ سامنے آیا اور اس نے دیکھا ہی نہیں، بچہ ذرا اس کے ساتھ کھیلتا۔ سوچو! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اولاد کے ساتھ محبت کی ہے۔

بچوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ محبت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، دورانِ خطبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کمرے میں سے باہر نکل آئے، ابھی ابھی چلنا سیکھا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گر پڑیں گے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ منبر سے نیچے اتر کر ان کو تھام لیا اور فرمایا کہ اولاد کی محبت انسان کو بزدل بھی بناتی ہے اور بخیل بھی بناتی ہے(۱)، اس کی وجہ سے آدمی مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے اور جہاں جان دینے کا وقت آتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ میرے بعد میری اولاد کا کیا ہوگا اور میں اگر نہیں رہا تو ان کو کون دیکھے گا۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اولاد کے ساتھ محبت فرمائی ہے، اس کے بعد کرنا تو وہی ہے لیکن زاویۂ نگاہ کو، سوچ کو بدلنا ہے، نیت میں اس بات کا اہتمام بہت ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی ادائگی کے لیے میں اپنی اولاد سے محبت کر رہا ہوں۔

سنتوں کی ادائگی کے وقت اداءِ سنت کا استحضار ضرور کریں

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ جب آپ سنت کے مطابق عمل کریں تو ساتھ ساتھ اس کا استحضار بھی ہو، جب آپ بیت الخلاء جائیں تو آپ کو بیت الخلاء سنت کے مطابق جانا ہے، داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنی ہے: بِسْمِ اللّٰہ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ، الٹا پاؤں پہلے

(۱) غالباً اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِی: بُرَيْدَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم – يَخْطُبُنَا إِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم – مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللَّهُ (إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) فَنَظَرْتُ إِلَى هَذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا (ترمذی شریف، باب مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ)

رکھنا ہے پھر سیدھا پاؤں رکھنا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ استحضار بھی ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بیت الخلاء تشریف لے گئے تو آپ نے یہ دعا پڑھی؛ اس لیے میں بھی یہ دعا پڑھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھا؛ اس لیے میں اپنا الٹا پاؤں پہلے اندر رکھتا ہوں اور پھر سیدھا پیر رکھتا ہوں، یہ استحضار اور یہ کیفیت اگر پیدا کریں گے، چند دنوں تک اس بات کا اہتمام کیا جائے گا پھر دیکھنا کہ آپ کی زندگی کے اندر کیا برکات حاصل ہوتی ہیں۔

اہل اللہ کے ساتھ ہماری محبت بھی اغراضِ دنیویہ کے تحت ہوتی ہے

اس لیے اگر کسی کے ساتھ محبت کریں تو کس کے واسطے؟ اللہ کے واسطے کریں، اب مثلاً ہم اللہ والوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں تو وہ تو اللہ کے واسطے ہوتی ہی ہے، اگر چہ اس میں نفس اور شیطان کبھی کچھ نہ کچھ رخنہ ڈال دیتا ہے، بعض لوگ اللہ والوں کے پاس اس لیے جاتے ہیں کہ اگر میں ان کے پاس بیٹھوں گا تو ان کے پاس دنیا دار قسم کے لوگ بھی آتے ہیں، حکمران طبقہ آتا ہے، صاحبِ ثروت طبقہ آتا ہے اور بڑے لوگ بھی آتے ہیں، ان سے ملوں گا، ان کے ساتھ بیٹھوں گا تو میری دنیا کے کام بن جائیں گے تو گویا میں ان کے اس قرب کے ذریعہ سے دنیوی فائدہ اٹھاپاؤں گا تو ہمارے نفس نے اس میں بھی رخنہ ڈال دیا، ضرورت ہے اس بات کی یہ محبت خالص اللہ کے واسطے ہو۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز تقریر

غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ مشرکین کا لشکر مکہ مکرمہ

سے روانہ ہوچکا ہے اور بالکل قریب آ گیا ہے، گویا ان کے ساتھ مقابلہ یقینی ہو چکا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے مشورہ کیا، صحابہ میں سے حضراتِ مہاجرین نے جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتیں عرض کیں لیکن حضراتِ انصار نے کوئی مشورہ نہیں دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بار بار دریافت فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ ہماری طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس وقت جو تقریر کی، انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ ایک ارادہ لے کر مدینہ منورہ سے چلے تھے، اب اس کے بجائے دوسری صورتِ حال پیش آئی، آپ آگے بڑھئے، آپ جس سے چاہیں تعلق قائم کریں اور جس کے ساتھ چاہیں آپ اپنے تعلق کو قطع کریں، آپ جس کے ساتھ چاہیں دشمنی کیجیے اور آپ جس سے چاہیں دوستی کریں، آپ ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، اللہ کی قسم! ہمارے مال میں سے آپ جو لیں گے وہ ہم کو زیادہ محبوب ہوگا اس مال کے مقابلے میں جو آپ چھوڑ دیں گے۔

صحابہ کی یہ کیفیت تھی، جس اونچے مقام پر حضراتِ صحابہ تھے، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے اللہ نے ان کو رضوان کا پروانہ عطا فرمایا۔

خدا نے خود جنھیں بخشا رضامندی کا پروانہ

حدیث شریف میں آتا ہے، بخاری شریف میں ہے کہ جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو باری تعالیٰ فرمائیں گے: جنتیو! کیا تم خوش ہو؟ تو بندے عرض کریں گے:

باری تعالیٰ! ہم کیوں خوش نہ ہوں گے! آپ نے تو اتنا دیا، ایسا دیا کہ آپ نے ایسا کسی کو نہیں دیا۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: اب میں تمھیں ایسی چیز دینے جا رہا ہوں جس کی کوئی نظیر نہیں، بندے عرض کریں گے: اب کیا باقی ہے؟ باری تعالیٰ فرمائیں گے: میں تم کو اپنی رضا اور خوشنودی عطا کرتا ہوں، اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ جو چیز جنتیوں کو سب کے آخر میں دی جائے گی، یہ چیز اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو دنیا ہی میں عطا کر دی تھی۔

زمانۂ نبوی میں ہونے کی ہماری خواہش اور حقیقت کا دوسرا رخ

حضراتِ صحابہ نے جو قربانیاں پیش کی تھیں، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے عجیب بات فرمائی کہ بہت سی مرتبہ ہم اور آپ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوتے، اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ اس نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا اور اسی میں ہمارے لیے خیر ہے، اس زمانے میں ہوتے تو پتہ نہیں کون سی فہرست میں ہمارا نام جاتا؛ اس لیے بھائی! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس حال میں رکھا ہے، اس پر راضی رہو۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا ایمان افروز واقعہ

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے واسطے محبت ہو اور اللہ کے واسطے دشمنی ہو۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور بنو قریظہ کو یقین ہو گیا کہ اب تو ہمارے لیے سوائے سِپر ڈالنے کے کوئی چارۂ کار نہیں تو انھوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہلوایا کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دو، ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں، ان سے بڑی دوستی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ بھائی! گئے، یہ جب ان کے قلعے میں داخل ہوئے تو ان کو دیکھ کر ان کی عورتیں، بچے بے حساب رونے لگے، بہت زیادہ رونے لگے، انھوں نے ان سے مشورہ چاہا کہ کیا ہم اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیں تو انھوں نے کہا کہ کر دو، ''کر دو'' کہا اور اپنے گلے کے اوپر ہاتھ بھی چلایا، گویا کر دو لیکن تمہارا انجام یہی ہے(۱)۔

کہنے کو تو یہ کہہ دیا، بعد میں ان کو خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کا اظہار میں نے دشمنوں کے سامنے کر کے میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی، چنانچہ اسی وقت مسجدِ نبوی میں جا کر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے قصور کو معاف نہیں کریں گے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے مجھے نہیں چھڑائیں گے، اس وقت تک میں اپنے آپ کو چھڑانے والا نہیں ہوں، یہ اسطوانۂ ابولبابہ ہے، اسطوانۂ توبہ ہے تو اس موقع پر انھوں نے قسم کھائی تھی کہ یا اللہ! آئندہ اس سرزمین پر جہاں تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ خیانت کا معاملہ ہوا، کبھی قدم نہیں رکھوں گا(۲)۔ یہ تھا ان کا جذبہ اور یہ تھا ان کا اسلام اور حبِ رسول، ان حضرات کا یہ مزاج تھا۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۱۳۷/۳۔

(۲) وعاهد الله أن لا أطأ بني قريظة أبدا ولا أرى في بلد خنت الله ورسوله فيه أبدا.

(البدایہ والنہایہ ۱۳۸/۳)

حضرت محیصہ بن مسعودؓ کا اللہ تعالیٰ کے لیے عشقِ رسول

جب کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کے یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، روایتوں میں ہے کہ ابنِ سبینہ ایک یہودی تھا، حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، اب ان کے خاندان کے ساتھ ابنِ سبینہ کا بڑا اچھا تعلق تھا، ان کے بڑے بھائی تھے حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انھوں نے ان کو پکڑ کر کے مارنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اس کے مال سے تیرے پیٹ میں بنی ہوئی چربی کتنی ہے پھر بھی تو نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے جواب میں حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس آدمی کے قتل کا حکم اس ذات نے دیا کہ اگر وہ مجھے یہ کہیں کہ میں تجھے قتل کر دوں تو قتل کر دوں گا، یہ بڑے بھائی تھے ان کے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے میرے قتل کا حکم دیں گے تو مجھے بھی قتل کر دو گے؟ فرمایا: ہاں! بالکل قتل کر دوں گا، یہ ہے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت، دین کے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کو ٹوٹتے ہوئے دیکھنا ان کو گوارا نہیں تھا(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا اللہ تعالیٰ کے لیے عشقِ رسول

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا واقعہ روایتوں کے اندر نقل کیا ہے، انھوں نے دیکھا کہ ان کا چھوٹا بھتیجہ کنکروں سے کھیل رہا تھا، انھوں نے کہا: بیٹا! ایسا مت کرو۔

---

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی، ۲۰۰/۳، جماع أبواب غزوۃ بدر العظمی.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس قسم کی کنکر نہ تو شکار کرتی ہے، نہ تو کسی کو مارتی ہے، البتہ اس سے کسی کی آنکھ پھوٹ جائے گی یا کسی کا دانت ٹوٹ جائے گا، ایسا مت کرو۔ وہ بچہ باز آ گیا اور وہ اپنے کسی کام میں مشغول ہوئے، بچہ کم عمر تھا، وہ دوبارہ کنکر پھینکنے کے کام میں مشغول ہوگیا، اب ان کی بھتیجے پر نظر پڑی تو فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کررہا ہوں اور تو کھیلنے میں مشغول ہے! اللہ کی قسم! میں تیرے ساتھ کبھی بات نہیں کروں گا، تو بیمار ہو جائے تو تیری عیادت نہیں کروں گا، تو مرجائے گا تو تیرے جنازے میں شریک نہیں ہوں گا(۱)۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

یہ ہے: وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ، دعاءِ قنوت میں ہم روزانہ یہ جملہ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں لیکن ہمیں اس کا خیال نہیں آتا کہ ہماری اولاد، ہمارے متعلقین اللہ کی نافرمانی کررہے ہیں اور ہم اس سے اپنا تعلق نہیں توڑ رہے ہیں بلکہ اس سے محبت اور دلی رشتہ قائم رکھتے ہیں۔ وَأَحَبَّ لِلّٰہِ محبت کرے تو کس کے واسطے؟ اللہ کے واسطے ہو۔ وَأَبْغَضَ لِلّٰہِ کسی کے ساتھ دشمنی کرے تو کس کے واسطے؟ اللہ کے واسطے کرے، یہ دونوں چیزیں اصل ہیں، یہ چیزیں جس شخص کے اندر آ گئیں تو اس کا ایمان کامل ہوگیا۔

حضرت علیؓ کا اخلاص للہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) سننِ دارمی ۱/۱۲۷، باب تعجیل عقوبۃ من بلغه عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم حديث فلم يعظمه ولم يوقره.

کی شان میں گستاخی کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور اس کو مارنے کے لیے اس کو زمین پر پچھاڑا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے، اس سے کچھ نہ بن پڑا تو لیٹے لیٹے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا، فوراً نیچے اتر آئے، کسی نے کہا کہ حضرت! یہ تو اس کو مارنے اور ختم کرنے کا اور بھی زیادہ اچھا موقع تھا اور آپ نیچے اتر آئے تو آپ نے فرمایا: میں اس لیے نیچے اتر آیا کہ پہلے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا، اب جب اس نے میرے اوپر تھوک دیا تو اب یہ غصہ اللہ کے رسول کے واسطے نہیں ہوا، اللہ کے واسطے نہیں ہوا، یہ میری ذات کے لیے ہوا۔

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ کا حُب للہ

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بہت بڑے فقیہ اور بہت بڑے عالم گذرے ہیں، حکومت کی طرف سے محتسب تھے، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مشائخ میں سے ہیں، ہم اور آپ جانتے ہیں، حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے اختلاف تھا، چشتیہ کے یہاں سماع ہے۔ سماع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت وغیرہ کو اچھی آواز میں سن کر کے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو تازہ کیا جائے۔ تو یہ چیز علماء کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، بہت سے علماء اس کا انکار کرتے ہیں، آج کل تو متفق علیہ ہوگئی ہے، ہم اور آپ جلسوں میں بڑے اور چھوٹے

سب اس کو سنتے ہوئے چشتی بن گئے ہیں۔

ہمارے اکابر کا تقویٰ اور احتیاط

ہمارے اکابر میں کتنی زیادہ احتیاط تھی کہ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک آدمی کی بڑی اچھی آواز تھی، حضرت ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، کسی نے اس کو اشارہ کر دیا تو اس نے پڑھنا شروع کر دیا تو حضرت نے اس کو فوراً یہ کہہ کر کے روک دیا کہ بھائی! سماع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور مجھے لوگ کبھی کبھی مصلے پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیتے ہیں۔ اللہ اکبر! کیا احتیاط، کیا امانت، کیا دیانت۔ ہم جب اپنے اکابر کی امانت اور دیانت کو پڑھتے ہیں تو ہم لوگ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

ایک بزرگ کو بادشاہِ وقت کی طرف سے فتویٰ دینے سے روک دیا گیا تھا، ایک مرتبہ آپ کی بیٹی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ابا جان! یہ مسئلہ کیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ بیٹی! حاکمِ وقت نے مجھے فتویٰ دینے سے منع کیا ہے، تم کسی اور سے پوچھ لو، ہمارے اندر یہ چیز نہیں ہے۔

یہ دشمنی اپنی ذات کے لیے نہیں تھی

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے واسطے دوستی اور اللہ کے واسطے دشمنی ہو، یہ حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ جو ہیں، ان کا آخری وقت تھا، بیمار تھے اور

بہت زیادہ بیمار ہو گئے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒءوقت کے بہت بڑے شیخ اور یہ بہت بڑے عالم، حضرت کو پتہ چلا تو حضرت ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور گھر میں کہلوایا کہ کہو کہ نظام الدین آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا ہے، جب ان سے کہا گیا تو انھوں نے کیا فرمایا؟ فرمایا: میں آخری وقت میں کسی بدعتی کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، اجازت نہیں دی، محض سماع کی وجہ سے، تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒء نے جواب میں کیا کہلوایا؟ بدعتی اپنی بدعت سے توبہ کر کے آیا ہے۔ انھوں نے اپنی پگھڑی بھیج دی اور کہا کہ اس کو بچھا دو حضرت کے راستے میں اور ان سے کہو کہ اپنی جوتی سمیت اس پر چل کر کے آئیں، تو حضرت نے اس پگھڑی کو اپنے سر پر رکھا اور کہا کہ یہ میرے لیے دستارِ فضیلت ہے تو میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ دشمنی اپنی ذات کے لیے نہیں تھی، اللہ کے لیے تھی، جب ان کی توبہ کی خبر پہنچی تو اپنی دستار بھیج دی کہ اپنے جوتوں کے ساتھ اس دستار پر سے چل کر کے آؤ۔

تو ضرورت ہے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اس کا اہتمام کریں، آج ہماری زندگیوں میں سے یہ چیز نکل چکی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں (۱)

بمقام: ویروال، مینارا مسجد

بتاریخ: ۱۳/ ۴/ ۲۰۱۱

اقتباس

بہرحال ! یہی حضرت ابو سعید خدریؓ اس روایت کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ: (۱) جس آدمی نے حلال غذا کھائی (۲) اور سنت کے مطابق عمل کیا (۳) اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے، وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہو گیا، جنت میں داخل ہونے کا بہت شارٹ فارمولا (short formula) بہت مختصر نسخہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا۔ آگے حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں: یہ سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ: آج کل تو ایسے لوگ بہت سارے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں، ایسے لوگ جن میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں، بہت سارے ہیں، اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي: بعد کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، بھلے اتنے نہ ہوں لیکن ہوں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي أو كما قال عليه الصلوة والسلام. (ترمذی)

راوی حضرت ابوسعید خدریؓ کا مختصر تعارف

یہ مشکوۃ شریف کی روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا نام ہے سعد بن مالک، ان کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے اور غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے، ان کی والدہ حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی صحابیہ تھیں، امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں

غزوۂ احد سے متعلق چند ابواب قائم کیے ہیں، ان میں ایک باب ہے: باب ذکر أم سليط،
جس میں انھوں نے روایت پیش کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں
کچھ چادریں آئیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی عورتوں کے درمیان تقسیم کیا؛
تاکہ وہ اوڑھنی کے طور پر استعمال کریں، ایک عمدہ قسم کی چادر بچ گئی تو حاضرینِ مجلس میں
سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ یہ چادر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی بیٹی جو آپ کے نکاح میں ہے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی
صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی طرف اشارہ ہے- ان کو دے دیجیے،
اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی زیادہ حق دار تو ام سلیط رضی اللہ عنہا ہیں، لوگوں نے
پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ وہ ہیں جو غزوۂ احد کے موقع پر مشکیزے میں پانی
بھر بھر لاکر مجاہدین کو پلایا کرتی تھیں، یہی حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا حضرت ابو سعید خدری
رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، گویا ان کے والد بھی صحابی اور والدہ بھی صحابی ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا علمی ولولہ

حضرت ابو سعید خدریؓ کا شمار دورِ نبوت کے اندر صغارِ صحابہ میں ہوا کرتا تھا،
غزوۂ احد کے موقع پر جن نوجوانوں نے غزوے میں شرکت کے لیے اپنے آپ کو پیش
کیا لیکن عمریں ۱۵؍سال سے کم ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غزوے
میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی، ان میں سے حضرت ابو سعید خدریؓ بھی ہیں لیکن
بعد میں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علم کے حاصل کرنے کا بڑا اہتمام

کیا اور وہ حضراتِ صحابہ جن کو حضراتِ محدثین کی اصطلاح اور ان کی مخصوص زبان میں مُکثرین کہا جاتا ہے یعنی وہ جن سے حدیث کی بہت ساری روایتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں حضرت ابوسعید خدریؓ بھی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اکابرِ صحابہ کے زمانے میں صغار میں شمار ہوتے تھے

ایک زمانہ وہ آیا کہ علم کے اور مسائل کے معاملے میں وہ لوگوں کا مرجع بنے ہوئے تھے، اگرچہ دورِ صحابہ میں ان کا شمار، اکابرِ صحابہ کے زمانے میں صغار میں ہوتا ہے، چنانچہ ان کا ایک واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کی ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کے لیے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے کاموں میں مشغول تھے، جب یہ پہنچے تو انھوں نے سلام کیا اور بذریعۂ سلام حاضری کی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ کام میں مشغول تھے؛ اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی اور اپنے کام میں مشغول رہے، پھر سلام کیا اور اجازت چاہی، پھر نہیں دی، پھر تیسری مرتبہ سلام کیا اور اجازت نہ ملی تو وہ واپس لوٹ گئے۔

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپسی کا شرعی حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی میں عبداللہ

بن قیس کی آواز سن رہا تھا- یہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے-تو میں ان کی آواز سن رہا تھا، ان کو بلاؤ، کسی نے کہا کہ وہ تو چلے گئے۔ انھیں بلایا گیا۔ اب اگر یہ کہتے کہ آپ کام میں مشغول تھے؛ اس لیے میں چلا گیا تو کوئی بات نہیں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں چلے گئے؟ تو جواب دیا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کوئی آدمی کسی کے پاس جائے اور اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کرے اور اجازت نہ ملے تو دوسری مرتبہ، پھر نہ ملے تو تیسری مرتبہ سلام کرے اور پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے، یہی طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی شریعت ہمیں اجازت اور گنجائش دیتی نہیں ہے۔

استیذان کا حکمِ شرعی موافقِ طبع ہے

پہلے زمانے میں جب پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس وقت وہاں عربوں میں بھی یہی رواج تھا کہ لوگ آ کر گھر میں داخل ہوجاتے، آج بھی ہمارے یہاں یہی چل رہا ہے کہ کسی کے گھر جائے گا تو دروازہ کھٹکھٹائے بغیر اندر چلا جائے گا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں اندر آ سکتا ہوں، نہ اجازت مانگتا ہے، رشتہ دار ہو یا پرایا ہو، حالاں کہ خود صاحبِ خانہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو، اس کی طبیعت یہ کہتی ہے۔

ایک صحابی کا زبانِ رسالت سے دعا حاصل کرنے کا جذبۂ صادق

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ایک صحابی کے یہاں تشریف لے گئے اور اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا۔ سلام اس طرح کیا جاتا

ہے: السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته: تم پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں، گویا تین دعائیں دی جاتی ہیں۔ اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام، گویا آپ کی دعائیں اس سلام کی نسبت سے حاصل ہو رہی ہیں۔ وہ صحابی سمجھ گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی غرض سے سلام فرما رہے ہیں، موجود ہیں لیکن انھوں نے جواب نہیں دیا اور اس لیے نہیں دیا کہ وہ جانتے تھے کہ اگر میں جواب نہیں دوں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت حاصل کرنے کے لیے دوبارہ سلام کریں گے اور اس بہانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں مجھے حاصل ہوں گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ سلام کیا، انھوں نے جواب نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ سلام کیا اور لوٹ رہے تھے، یہ جلدی سے باہر نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو اندر تھا لیکن میں نے اس لالچ میں کہ آپ زیادہ سلام کریں گے، میں نے جواب نہیں دیا تھا(۱)۔

تو بہرحال یہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت طلب کرنے کا بتلایا ہے۔

نقلِ حدیث کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط

تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا حوالہ دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے اور جب آپ کی طرف سے تیسری مرتبہ سلام کرنے پر

---

(۱) صاحبِ واقعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (سنن أبی داود، قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، باب كَمْ مَرَّةٍ يُسَلِّمُ الرَّجُلُ فِى الِاسْتِئْذَانِ)

کوئی جواب نہیں ملا تو میں واپس لوٹ گیا۔ حدیث کو نقل کرنے کے معاملے میں حضرت عمرؓ کے یہاں بڑی احتیاط تھی، ان کے سامنے جب کوئی آدمی یہ کہتا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اور وہ حضرت عمرؓ کے علم میں نہ ہوتا اور پہلی مرتبہ اس ارشاد کو سن رہے ہوتے تو حضرت عمرؓ ان سے مطالبہ کرتے کہ کوئی اور آدمی لاؤ جس نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ بات سنی ہو، یہ ارشاد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا نہیں تھا۔

ہر ایک کو تمام باتیں معلوم ہونا ضروری نہیں ہے

یہ عجیب بات ہے کہ روزہ مرہ کے کاموں سے تعلق رکھنے والا ایک حکم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی، امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام کے اندر ایک باب قائم کیا ہے کہ ہر ایک کو تمام باتیں معلوم ہوں، یہ ضروری نہیں اور اس میں اس روایت کو لا کر انھوں نے یہ بتلایا کہ حضرت عمرؓ جیسا آدمی، ان کو روزمرہ سے تعلق رکھنے والا ایک حکم معلوم نہیں تھا۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ حضرت عمرؓ کے غضب کی زد میں

بہرحال! حضرت عمرؓ نے اپنی عادت کے مطابق حضرت ابوموسی اشعریؓ سے مطالبہ کیا کہ کوئی دوسرا آدمی لاؤ۔ اب حضرت عمرؓ کا معاملہ سب جانتے تھے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا تو کوڑے سے بھی خبر لی جاسکتی ہے، تو حضرت ابوموسی اشعریؓ گھبرائے ہوئے مسجدِ نبوی میں گئے۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے۔ وہاں حضرت ابی بن کعبؓ کا حلقۂ درس لگا ہوا تھا۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی رفعتِ شان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انصاری ہیں، سید الانصار ان کا لقب ہے اور بارگاہِ نبوت سے "أقرأهم ابی" کا تمغہ حاصل کیا ہے کہ علمِ قرأت کے اندر صحابہ میں سب سے زیادہ ماہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، بڑا اونچا مقام تھا۔ قراء صحابہ میں شمار ہوتے تھے بلکہ بخاری شریف میں واقعہ ہے: ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا: ابی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ "لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا" پڑھ کر سناؤں، حضرت ابیؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اب یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں سورۂ "لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا" پڑھ کر سناؤں، پھر یہ سوال کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حدیث کی تشریح کرنے والے علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عام حکم کے طور پر یہ بات کہی گئی ہو کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو یہ سورت سنائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی کو اپنی طرف سے تجویز کیا ہو، تب بھی یہ کہا جاسکتا تھا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے میں تمھیں سورۂ "لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا" پڑھ کر سناؤں؛ اس لیے بات کو زیادہ صاف اور پکا کرنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو یہ حکم دیا؟ نبی کریم ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (۱)۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ کی مشکل کا حل

یہ حضرت ابی بن کعبؓ بڑے عالم تھے، صحابہ کے زمانے میں فتوی بھی دیا کرتے تھے تو جب حضرت ابوموسی اشعریؓ مسجدِ نبوی میں پہنچے تو حضرت ابی بن کعبؓ کا حلقۂ درس لگا ہوا تھا اور انصار اس میں بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت ابوموسی اشعریؓ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور کہا: تم میں سے کسی نے نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ حدیث سنی؟ پوچھا: کون سی حدیث؟ جواب دیا: ''جب آدمی کسی کے یہاں جائے تو اجازت حاصل کرنے کے لیے پہلی مرتبہ، دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ بھی سلام کرنے پر جواب نہ ملے تو لوٹ جائے'' تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہا کہ یہاں جتنے ہیں، سب نے سنی ہے، کہا: مہربانی کرو نا، کوئی ایک آدمی آؤ اور امیر المؤمنین کے پاس آ کر گواہی دو؛ تاکہ میری جان چھوٹے تو حضرت بن ابی کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مجلس میں جو سب سے چھوٹا ہے، اس کو ہم آپ کے ساتھ گواہی دینے کے لیے بھیجتے ہیں اور پھر حضرت ابوسعید خدریؓ سے فرمایا جاؤ اور گواہی دے آؤ (۲)۔

---

(۱) صحیح البخاری، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

(۲) صحیح البخاری، باب الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ.

دخولِ جنت کا مختصر نسخہ

میں تو یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ صغارِ صحابہ میں ان کا شمار ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کو مرجعِ خلائق بنایا اور فتوی دیا کرتے تھے، بہر حال! یہی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ: (۱) جس آدمی نے حلال غذا کھائی (۲) اور سنت کے مطابق عمل کیا (۳) اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے، وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہو گیا، جنت میں داخل ہونے کا بہت شارٹ فارمولا (short formula) بہت مختصر نسخہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آگے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ: آج کل تو ایسے لوگ بہت سارے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں، ایسے لوگ جن میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں، بہت سارے ہیں، اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي: بعد کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، بھلے اتنے نہ ہوں لیکن ہوں گے۔

اے طائرِ لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی.....

بہرحال! یہاں یہ تین باتیں جن کے متعلق نبیِ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ تین چیزیں ہوں گی، وہ جنت میں جائے گا، پہلی بات تو ہے: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: حلال غذا جس نے کھائی، غذا کا حلال ہونا، یہ شریعت کی نگاہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: طَلَبُ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ(۱): کہ اسلام کے بنیادی فرائض: نماز، روزہ وغیرہ جو ہیں، ان کے بعد ایک فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے، حلال کمائی شریعت کی نگاہوں میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی معاشرے کے بننے اور بگڑنے میں، اس کے صلاح وفساد کی بنیاد یہ حلال کمائی ہے، اگر کمائی میں کمزوری آ گئی، حرام کا پہلو شامل ہو گیا تو وہ معاشرہ کبھی بھی مکمل طور پر ٹھیک اور درست نہیں ہوسکتا۔

حرام مال سے کیا ہوا صدقہ عنداللہ مقبول نہیں

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد مسلم شریف میں حضرتِ ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا(۲): اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول کرتے ہیں یعنی کوئی آدمی اللہ کے راستے میں حلال کمائی خرچ کرے تو ہی اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتے ہیں، حرام مال سے آدمی

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني.

(۲) صحيح المسلم، باب قَبُولِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْكَسْبِ الطَّيِّبِ وَتَرْبِيَتِهَا.

اللہ کے واسطے دے تو یہ حرام اللہ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتا۔ ترمذی شریف کی سب سے پہلی روایت ہے: لَاتُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ وَلاَصَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ (۱): بغیر پاکی کے نماز قبول نہیں کی جاتی اور حرام مال میں سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتا نہیں ہے۔

رزقِ حلال کے لیے جستجو اور تگ ودو جہاد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے

آدمی اپنے لیے، اپنے ماتحتوں کے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے جن کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے، ان کے لیے حلال روزی حاصل کرنے کے پیچھے محنت کرے گا تو حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر قرار دیا ہے۔

حرام مال سے صدقے کے بارے میں حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، ان کا مقولہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کوئی کپڑا اگر ناپاک ہوجائے تو اس کو پیشاب کے ذریعہ سے اگر دھووے گا تو وہ پاک ہونے والا نہیں ہے، اس کو پاک کرنے کے لیے تو پانی چاہیے تو حرام مال سے اگر کوئی آدمی صدقہ کرے گا تو اس صدقے سے اس کا مال حلال ہونے والا نہیں ہے۔

---

(۱) ترمذی شریف، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب ما جاء لا تقبل صلاۃ بغیر طهور.

ہمارا ایک فاسد نظریہ اور سوچ

آج کل لوگوں کی ذہنیت میں جو تبدیلی آئی ہے، اس میں ایک بہت بڑا افساد یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی طرح پیسے حاصل کرلو، دو چار آدمیوں کو سُلا دو، اس کے بعد کسی جگہ مسجد بنوالو، مدرسہ بنوادو، نیکی کے کسی کام میں دو چار لاکھ دے دو تو حرام طریقے سے حاصل کیا ہوا باقی مال حلال ہوجائے گا۔ آج کل یہ ذہنیت اور سوچ عام ہوتی جارہی ہے۔ حالاں کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول فرماتے ہیں۔

کسی کا ایک درہم اس کو لوٹانا لاکھوں دراہم کے صدقے سے بہتر ہے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بہت بڑے محدث، بڑے فقیہ، بڑے صوفی اور جتنے بھی بڑے بڑے روات، فقہاء، محدثین ہیں، ہر ایک کے اوپر کسی نہ کسی نے نقد کیا ہے لیکن کسی نے بھی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پر کسی بھی طرح کا کوئی نقد نہیں کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں کسی کا ایک درہم جو میرے پاس ہے اس کو واپس لوٹا دوں، یہ میرے نزدیک بہتر ہے ایک لاکھ درہم کا صدقہ کرنے سے پھر فرماتے ہیں: میں کسی کا ایک درہم جو میرے پاس ہے اس کو واپس لوٹا دوں، یہ میرے نزدیک بہتر ہے دو لاکھ درہم صدقہ کرنے سے، پھر تین لاکھ، چار لاکھ، پانچ تک شمار کرایا، یہ کسی کا ایک درہم اگر ہمارے پاس ہے تو اس کا واپس کرنا شریعت کی نگاہوں میں اتنے بڑے صدقے سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ اہم ہے۔

قلم واپس لوٹانے کے لیے مرو سے حجاز تک کا طویل سفر

خود ان کے حالات میں لکھا ہے کہ طلبِ علم کے زمانے میں وہ اپنے یہاں سے علم حاصل کرنے کے لیے آئے تھے، آپ حجاز واپس گئے، وہاں سے کسی کا قلم ان کے پاس رہ گیا تھا تو باقاعدہ اس قلم کو لوٹانے کے لیے اپنے علاقے مرو سے جو بہت دور واقع ہے، اتنا لمبا سفر طے کر کے صرف قلم واپس لوٹانے کے لیے حجاز واپس گئے، اس زمانے میں ٹرینیں نہیں تھیں، سڑکیں نہیں تھیں، کئی کئی دن لگ جاتے تھے لیکن خالی ایک قلم اس کے مالک کو واپس کرنے کے لیے اتنے میلوں کا سفر طے کیا۔

حرام مال سے صدقے کی عدمِ قبولیت کا کفارِ مکہ کو بھی یقین تھا

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے، حرام مال اگر اللہ کے راستے میں دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرتے اور یہ تو ایسی چیز ہے جس کو زمانۂ جاہلیت کے مشرکین بھی سمجھتے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ شباب میں، بیت اللہ کو، کعبۃ اللہ کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو قریش نے جنرل مٹنگ (generalmeeting) بلائی اور اس مٹنگ میں کہا کہ دیکھو! یہ اللہ کا گھر ہمیں دوبارہ تعمیر کرنا ہے اور اللہ کے گھر کو تعمیر کرنے کے لیے حلال مال ہی استعمال کیا جائے گا، حرام نہیں، مشتبہ، ڈاؤٹ فل ہو، وہ بھی نہیں، خالص حلال؛ کیوں کہ ہماری کمائی میں حرام بھی آ جاتا ہے، کسی کو لوٹ بھی لیتے ہیں تو یہ مٹنگ اس لیے بلائی ہے کہ جس کے پاس خالص حلال مال جتنا بھی ہو، لا کر کے پیش کر دے، اسی

کو ہم بیت اللہ کی تعمیر میں استعمال کریں گے، اب جس کے پاس جتنا حلال مال تھا، سب لا کر جمع کر دیا، جب مجموعہ دیکھا گیا تو بیت اللہ کو بنانے کے لیے جو تخمینی بجٹ (budget) تھا وہ پورا نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس میں کم پڑ رہے تھے، جب دیکھا کہ اتنے مال سے بیت اللہ نہیں بن سکے گا تو انھوں نے یہ پلان (plan) پاس کیا کہ پورا نہیں بنتا تو بیت اللہ سے کچھ کم کر دیں گے، چنانچہ بیت اللہ کا کچھ حصہ کم کر کے اس کی تعمیر کی۔

حرام مال اور آج کا مسلمان

جب آپ حج کے لیے جائیں گے تو وہاں حطیم دیکھیں گے، ایک دیوار ہے آدھی، نصف دائرے کی شکل میں بنی ہوئی، آدمی کے سینے تک کی اونچائی والی، وہ بیت اللہ کا ۹؍فٹ جتنا حصہ کاٹ دیا، اندر سے بنایا؛ کیوں کہ اتنے پیسے نہیں تھے کہ آگے بڑھائیں تو بیت اللہ کے اندر کمی کرنا منظور کیا لیکن حرام مال اس کی تعمیر میں استعمال کرنا گوارا نہیں کیا، یہ وہ نکتہ ہے، یہ وہ پوئنٹ (point) ہے جس کو زمانۂ جاہلیت کا ایک مشرک بھی سمجھتا تھا لیکن آج کا مسلمان اس کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے، آج تو مسجد میں بھی حرام مال لا کر لوگ دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں، حالاں کہ مسجد کے ذمہ داروں کو بھی چاہیے کہ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ حرام مال ہے تو ان کے لیے قبول کرنا جائز نہیں ہے، وہ گناہ گار ہوں گے۔

ہماری دیدہ دلیری

اس چیز کو مشرکین تو سمجھتے تھے اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ کہیں مسجد کے لیے

چندہ ہورہا ہے، کسی کے پاس گئے تو وہ بڑی جُرأت سے کہتا ہے کہ یہ تو سود کا ہے، چلے گا؟ لینے والا بھی کہتا ہے کہ چلے گا، لاؤ۔ دونوں طرف معاملہ ایسا ہی چلتا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے، بڑی خطرناک چیز ہے۔

حرام مال کی آمیزش حلال مال والوں کو بھی گھاٹے میں ڈالنے والی ہے

دوسرے حلال والوں کا معاملہ بھی گڑبڑ میں ڈال دیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے موقع پر جو لوگ حلال کی کمائی دیتے ہیں ان کو اس پر اعتراض کرنا چاہیے کہ یہ کیوں لیا گیا۔ اب جب اس میں حرام آئے گا تو قبولیت سے مانع ہوجائے گا۔ قربانی کے اندر کسی حرام والے کا حصّہ لگ گیا تو سب کی قربانی قبول نہیں ہوتی، صحیح نہیں ہوتی۔ احسن الفتاوی میں مسئلہ دیکھ لو، قبول تو کیا درست نہیں ہوتی۔ مسئلہ مفتی سے پوچھ لو۔ تو یہ اتنی ساری خرابی حرام کی ہے کہ اس کی وجہ سے دُعا قبول نہیں ہوتی، عبادت قبول نہیں ہوتی اور اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

ایمان والوں کو وہی حکم دیا گیا ہے جو رسولوں کو دیا گیا تھا

تو بہرحال میں یہ عرض کررہا تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا: اللہ کی ذات پاک ہے اور پاک مال کو ہی قبول کرتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں: وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ ﴿يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ وَقَالَ: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو

بھی اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا۔

حلال وحرام غذا کا قدرتی اثر

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسولوں کو کس چیز کا حکم دیا جس کا حکم اللہ نے ایمان والوں کو دیا؟ تو اپنی اس بات کی دلیل کے طور پر قرآنِ پاک کی دو آیتیں پیش کیں، پہلی آیت یہ تھی کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اے رسولو! حلال غذا کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ حلال غذا کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی خود بخود نیک اعمال کرتا ہے یعنی جب آدمی کے پیٹ میں حلال غذا جائے گی تو اس کو نیک عمل کرنے کی توفیق ملے گی، اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے اور اگر حرام غذا جائے گی تو قدرتی طور پر اس کے اعضاء اللہ کی معصیت اور نافرمانی کریں گے۔

حلال وحرام غذا کے سلسلے میں سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: من أكل الحرام عصت جوارحه شاء أم أبى، علم أو لم يعلم: جس آدمی نے حرام غذا کھائی، اس کے اعضاء اللہ کی نافرمانی کریں گے، وہ چاہے، نہ چاہے، اس کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو، گویا حرام غذا کی قدرتی خاصیت یہ ہے کہ وہ پیٹ میں جانے کے بعد آدمی سے گناہ کے کام ہی کرائے گی۔ نیکی کی توفیق اسے حاصل نہیں ہوتی، کھانے والے کو معلوم ہو یا نہ ہو،

بے خبری میں کھالیا تو بھی اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا، یہ بات اور رہی کہ بے خبری میں کھانے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کا جو اثر ہے، وہ تو ظاہر ہوگا۔ جیسے زہر ہے، ایک تو آدمی جان بوجھ کر زہر کھائے تو یہ تو گناہ ہے کہ جان بوجھ کر اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے، تو یہ گناہ بھی ہے اور اس کا جو اثر ظاہر ہوگا، اس کی وجہ سے اس کو نقصان بھی ہوگا اور ایک بے خبری میں کسی کو کھلا دیا گیا تو ایسی صورت میں وہ گناہ گار تو نہیں ہوگا لیکن ایسا تو نہیں کہ بے خبری میں اس کے پیٹ میں زہر گیا ہے تو اس پر اس کا اثر ظاہر نہ ہو، اسی طرح بے خبری میں بھی اگر حرام غذا اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوگا اور وہ اس کو نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

حلال غذا کی برکت

آگے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و من کان أکله حلالا أطاعته جوارحه ووفق للخيرات(۱): اور جس کی غذا حلال ہوگی، اس کے اعضاء اطاعت و فرماں برداری کریں گے اور اس آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نیک اعمال کی توفیق ہوگی، گویا حلال غذا کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو کھانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ یہ حلال غذا کی خاصیت ہے۔

---

(۱) احیاء العلوم ۲/۹۱، الباب الأول في فضيلة الحلال ومذمة الحرام.

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا مثالی تقویٰ

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گذرے ہیں، نام تھا ان کا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، ابتداء میں ان سے پڑھا پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل کی جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے، ان سے علوم کی تکمیل کی، یہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کاندھلہ کے رہنے والے تھے، جہاں کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ رہنے والے تھے بلکہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو والدہ تھی نا، وہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی تھی تو بہر حال! یہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بڑا مشہور تھا اور ان کے متعلق سب جانتے تھے کی ان کا معدہ، ان کا پیٹ حرام غذا قبول نہیں کرتا، بے خبری میں بھی اگر کھالیں تو قے ہوجاتی تھی۔

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دورانِ تعلیم صرف روٹی پر اکتفا کرنا

پڑھنے کے زمانے میں صرف روٹی کھاتے تھے، سالن استعمال نہیں کرتے تھے، دہلی میں رہتے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ سالن کیوں استعمال نہیں کرتے؟ تو فرمایا: دہلی کے سالنوں میں اچور پڑتا ہے- اچور کچا آم جو ہوتا ہے نا کچی کیری، اس کو کاٹ کر سکھا لیتے ہیں اور یہ سُکھے ہوئے ''مروے'' جو ہوتے ہیں، وہ اس زمانے میں

دہلی میں سالن میں ڈالنے کا رواج تھا، ترشی اور کھٹائی کے لیے ڈالتے تھے- تو وہ کہنے لگے کہ دہلی کے سالنوں میں امچور پڑتا ہے اور یہاں آم کے باغات کی بیع شریعت کے مطابق نہیں ہوتی، وہ پھل آنے سے پہلے ہی، پھول کے آنے پر بیع ہوجاتی ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے؛ اس لیے وہ سالن استعمال نہیں کرتے تھے، خالی روٹی کھاتے تھے۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ کا تقویٰ

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ، آپ میں سے بہت سوں نے دیکھا ہوگا، وہ آم نہیں کھاتے تھے، بازار کا آم کبھی نہیں کھاتے تھے، کوئی اپنے باغ کا آم لاکر دیتا تو کھاتے تھے، بازار کا نہیں کھاتے تھے، وہ اسی لیے کہ آم کے باغات کی بیع شریعت کے مطابق نہیں ہوتی تھی۔

حقوق العباد میں مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی احتیاط کی انتہا

تو بہر حال! یہ مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ، ان کا تقوے کا حال یہ تھا حضرت شیخؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ خاندان کے لوگ بھی ان کی دعوت کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں رسوائی نہ ہوجائے؛ اس لیے کہ ذرا بھی مشتبہ مال ہوتا تو قئے ہوجاتی تھی اور شور ہوجاتا تھا اور ان کا حال یہ تھا کہ کبھی دہلی سے کاندھلہ جانا ہوتا تھا تو اس زمانے میں بہلیاں چلا کرتی تھیں، اس بہلی والے سے جب دہلی سے کاندھلہ جانے کا معاملہ کرتے تھے تو بتادیتے تھے کہ بھائی! دیکھو، میں جاؤں گا اور میرا یہ سامان، سامان کی جو گٹھڑی ہوتی تھی، وہ بھی دکھا دیتے تھے۔ کیا کرایہ لوگے، وہ بتادیتا اور معاملہ طے

ہوجاتا، اب روانگی کے وقت جب جارہے ہوتے اور کوئی آجاتا اور پوچھتا کہ حضرت! آپ کاندھلہ جارہے ہیں؟ یہ خط ذرا پہنچا دیجیے تو حضرت فرماتے: بھائی! دیکھو، میں نے اپنا سامان بہلی والے کو بتا دیا تھا، اس میں تیرا یہ خط نہیں تھا، پوچھ لے، اگر وہ اجازت دے گا تو لے جاؤں گا، ورنہ نہیں، یہ حال تھا تقوے کا۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں دعوت وتبلیغ کا رنگ انہی بزرگ کی طرف سے ورثہ میں آیا تھا

ان کی عادت یہ تھی کہ ایک جگہ ٹھیر کے نہیں رہتے تھے، مختلف گاؤں اور بستیوں کا سفر کرتے رہتے تھے، وہاں جو ویران مسجدیں ہوتی تھیں، ان کو آباد کرتے تھے، مکتب وغیرہ قائم کرتے اور لوگوں کو نماز کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو والد تھے حضرت مولانا اسماعیل صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، وہ انہی مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور ان میں انہی کی شان آئی تھی، ویران مسجدوں کو آباد کرنا، مکاتب قائم کرنا، لوگوں کو نماز کی دعوت دینا ان کا کام تھا، اسی نسبت سے وہ نظام الدین میں ٹھہرے ہوئے تھے اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے باپ شریک بھائی ہیں، ماں الگ الگ تھیں، حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے سگے بھائی ہیں تو یہ حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے تقاضا کیا کہ یہاں آپ کے خاندان کا کوئی آدمی آجائے تو

بہتر ہے تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں بھیجا اور وہاں کے ابتدائی قیام میں آپ نے یہ کوشش کی کہ سب جگہ مکاتب قائم کیے جائیں، ویسے تو ان کے والد حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے ہی میں میوات میں ''۷۰'' مکتب قائم کیے جا چکے تھے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شروع میں یہی کوشش کی لیکن جب ماں باپ ہی پڑھے ہوئے نہ ہوں تو ان کے نزدیک دینی تعلیم کی اہمیت نہیں ہوتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کیا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کے اندر دین کی طلب پیدا کی جائے، یہ تبلیغی جماعت کا سلسلہ اسی نسبت سے دھیرے دھیرے شروع ہوا۔

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی دعوت کا حکیمانہ انداز

بہرحال! حضرت مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ کاندھلہ کے قریب ایک گاؤں میں گئے تو دیکھا کہ یہاں کی مسجد بالکل ویران ہے، کوئی نمازی نہیں ہے، انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں مسلمان ہیں؟ تو جواب ملا کہ ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہاں کے جو نواب صاحب ہیں، اگر وہ نمازی بن جائیں تو سب لوگ نماز پڑھنے لگیں گے۔ چنانچہ حضرت ان کے پاس گئے، ان کو سمجھایا اور نماز کی دعوت دی اور کہا کہ آپ نماز شروع کریں۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ مجھے تو ڈاڑھی مونچھ چڑھانے کی عادت ہے۔ اس زمانے میں ڈاڑھی مونچھ چڑھانے ایک فیشن تھا، جیسے آج کل مشین سے سیٹنگ کرتے ہیں تو یہ سیٹنگ صبح کرتے

تھے تو شام تک رہتی تھی، پھر دوسرے دن صبح دوبارہ محنت کرنی پڑتی تھی۔ تو انھوں نے کہا کہ میں تو ڈاڑھی چڑھاتا ہوں اور تم نماز پڑھنے کو کہتے ہو تو میں جب بھی میں وضو کروں گا تو چڑھی ہوئی ڈاڑھی نکل جائے گی تو حضرت نے کہا کہ شروع میں کرلو، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، پھر حضرت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو مسجد تک لانا میرا کام تھا، آگے تو اس کا والی ہے۔ اس نے وضو کرکے ایک نماز پڑھی پھر دوسری نماز کا وقت آیا تو ان کا وضو نہیں تھا، انھوں نے سوچا کہ جب اللہ کی عبادت ہی کرنی ہے تو پھر بغیر وضو کے کیوں کی جائے؟ تو انھوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ترک کردی اور اس کی وجہ سے وہ مسجد آباد ہوگئی۔

گاڑھے پسینے کی کمائی کا نور

بہر حال! ان کی عادت یہ تھی کہ وہ بستیوں میں سفر کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک گاؤں میں گئے۔ آپ نے دیکھا ہوگا، دیہاتوں میں بہت سی مسجدوں میں آگے تھوڑا سا کھلا سا کمرہ ہوتا ہے، پرانے زمانے میں مسافر اس میں کھانا کھایا کرتے تھے، مسافر آتے تھے اور مسجد کے اسی کھلے کمرے کے اندر ٹھہرا کرتے تھے۔ آپ بھی اسی میں قیام فرماتے تھے، لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر چلے گئے اور اس کے بعد ایک آدمی آیا، وضو کیا، نماز پڑھی اور واپس لوٹنے لگا، اس نے دیکھا کہ کوئی مسافر مسجد کے مہمان خانے میں بیٹھا ہے، تو وہ گھر جا کر کے تین روٹیاں لے کر کے آیا اور حضرت کی خدمت میں پیش کردیں، حضرت نے کھالیں، خیر! دوسرے دن ٹھہرنے کی عادت نہیں

تھی لیکن ٹھہر گئے۔اب دن بھر وہ آدمی نظر نہیں آیا، آج بھی مغرب کی نماز پڑھ کر سب لوگ چلے گئے، اس کے بعد پھر وہ آیا، نماز پڑھی، دیکھا کہ کل والا مسافر ابھی بھی ہے، گھر گیا اور لا کر کے دو روٹیاں ان کی خدمت میں پیش کیں۔

حضرت ٹھہر گئے، تیسرے دن بھی وہ آدمی دن بھر نظر نہیں آیا پھر تیسرے دن بھی مغرب کی نماز کے بعد جب سب لوگ چلے گئے، وہ آیا اور وضو کر کے نماز پڑھی اور دیکھا کہ کل والا مسافر آج بھی موجود ہے تو گھر گیا اور ایک روٹی لا کر کے پیش کی اور ہاتھ جوڑ کے کہتا ہے: بھائی مسافر! اللہ واسطے اب تو یہاں سے چلا جا۔ حضرت نے پوچھا: بھائی! بات کیا ہے؟ سچ سچ بتا دے، اس نے کہا: دیکھو! میں ایک مزدور پیشہ آدمی ہوں اور دن بھر مزدوری کرتا ہوں اور مزدوری کی برکت سے اتنا کما لیتا ہوں، جس سے تین روٹیاں بن جاتی ہیں، میں ہوں، میری ایک بیوی ہے اور میرا ایک بچہ ہے، ہم تینوں ایک ایک روٹی کھا کر گذارا کرتے ہیں، پہلے دن میں نے تینوں روٹیاں لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیں اور ہم تینوں نے فاقہ کیا، دوسرے دن بچے میں بھوکے رہنے کی طاقت تھی نہیں؛ اس لیے اس کے حصے کی روٹی اس کو دی اور میری اور میری بیوی کے حصے کی روٹی لا کر آپ کی خدمت میں پیش کی اور آج میری بیوی میں بھی فاقے کی طاقت نہیں؛ اس لیے میرے حصے کی روٹی لا کر آپ کی خدمت میں پیش کی ہے اور کل میرے میں بھی فاقہ کرنے کی طاقت نہیں رہے گی؛ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اللہ واسطے چلے جاؤ، حضرت نے فرمایا: بھائی! میں تو اس لیے رک گیا کہ جب پہلے دن میں نے تیری تین روٹیاں کھائیں تو رات میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور میں نے اپنے دل

میں ایسے انوارات محسوس کیے کہ زندگی میں کبھی ایسے انوارات مجھے نظر نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ یہ کھانا تو کھانے جیسا ہے؛ اس لیے میں تو رک گیا تھا۔ یہ تھا حلال غذا کا اثر۔

حرام غذا کا تباہ کُن اثر

حقیقت تو یہ ہے کہ حلال غذا بہت سے مسائل کو حل کر دیتی ہے، بہت سے لوگ دینی مجلسوں کے اندر بیٹھتے ہیں، وعظ و بیانات سنتے ہیں اور دل میں توبہ کا ارادہ کرتے ہیں، دین کے راستے پر آنا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے، اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی روزی میں کوئی خلل ہوتا ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے: کتاب الکبائر، اس میں انھوں نے ایک حدیث لکھی ہے کہ جب کوئی جوان نیکی کے راستے پر آتا ہے تو شیطان کے لشکر میں کھلبلی مچ جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی دوسری پارٹی میں چلا گیا، وہ فکرمند ہو جاتے ہیں کہ اس جانے والے آدمی کو دوبارہ کس طرح ہماری پارٹی میں لایا جائے۔ ابلیس کہتا ہے کہ یہ نیکی کے راستے پر گیا تو ہے لیکن اس کی غذا دیکھو کہ کیسی ہے؟ اگر اس کی غذا حرام ہے تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو اس کی توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے[1]۔ اس لیے خاص طور پر اپنی غذا کو حلال بنانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

---

(۱) یہ ایک بزرگ یوسف بن اسباط رحمہ اللہ کا قول ہے جو ایک حدیث پر مبنی ہے: وقد روي عن يوسف بن أسباط رحمه الله قال: إن الشاب إذا تعبد قال الشيطان لأعوانه: انظروا من أين مطعمه فإن كان مطعم سوء قال: دعوه يتعب ويجتهد فقد كفاكم نفسه إن إجهاده مع أكل الحرام لا ينفعه ويؤيد ذلك ما ثبت في الصحيحين من قوله صلى الله عليه وآله وسلم عن الرجل الذي مطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فأنى يستجاب لذلك؟ (الكبائر للذهبی علیہ الرحمۃ ۱/۱۱۸)

اکابرِ دیوبند کو شاہ جی عبداللہؒ کی دعوت کا انتظار

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی زبان سے خود بیان میں بھی اور مجلس میں بھی سنا ہے اور آپ کے خطبات میں بھی یہ واقعہ موجود ہے کہ دیوبند میں ایک بزرگ تھے جن کا نام تھا شاہ جی عبداللہ، جن کا ذریعۂ معاش یعنی گذر بسر کا ذریعہ یہ تھا کہ گھاس کاٹ کر لاتے تھے اور اسی سے ان کا گذارا ہوتا تھا، صبح گئے اور دوپہر تک گھاس کی ایک گٹھری لے کر کے آ گئے، دیوبند کے لوگوں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے جانوروں کو انہی کے پاس سے گھاس خرید کر کے کھلائیں؛ کیوں کہ نیک آدمی تھے، ہر آدمی یہ چاہتا تھا کہ ہمارے جانور کے پیٹ میں ان بزرگ کی لائی ہوئی گھاس جائے؛ اس لیے ہر ایک یہ کوشش کرتا تھا کہ ان کے پاس سے گھاس خریدیں، جب لوگ گھاس خریدنے کے لیے بازار میں پہنچتے تھے تو یہ ابھی آئے نہیں ہوتے تھے تو لوگ ان کا انتظار کرتے تھے اور دور سے آتا ہوا دیکھتے تو دوڑ پڑتے تھے، جس نے پہلے ہاتھ رکھ دیا، یہ اپنی گھاس کی گٹھری ان کو دیتے تھے اور کہتے کہ چار آنے لاؤ۔ چار آنے یا چار پیسے جو بھی قیمت تھی۔ اب ان چار آنوں یا چار پیسوں میں سے ایک تو وہیں صدقہ کر دیتے تھے، ایک پیسہ ان کی بیٹی تھی، ان کو دیتے تھے، ایک پیسہ اپنی اس دن کی ضرورت میں لاتے تھے اور ایک کو جمع رکھتے تھے۔

ان شیر دلوں کی اولادیں، ہیں عاشقِ حسنِ دام و درم

ہمارے بزرگوں کا معمول تو دیکھو! کمائی ان کی چار پیسے ہے اور اس میں سے

بھی ایک پیسہ اُسی وقت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ آج ہم ہزاروں کماتے ہیں تو بھی خرچ کرنے کی عادت نہیں۔ کبھی نیک کام میں مطالبہ کیا جائے تو کہے گا بھائی زکوۃ کے ہیں، چلیں گے؟ ارے زکوۃ تو تم کو دینی ہی ہے، اللہ کے راہ میں دوسرا جو نفلی صدقہ کرنا چاہیے، خرچ کرنا چاہیے، کرو۔ اس کی عادت ہی نہیں ہم لوگوں کو۔

کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کا مال وہ ہے جو اُس نے کھایا، پیا اور پہنا اور جو اللہ کے راہ میں خرچ کیا۔ باقی تو دوسروں کا ہے، اپنا نہیں (۱)۔ آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال، میرا مال۔ وہ جب دُنیا سے جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا نہیں تھا، یہ تو بعد والوں کا ہے اور کمال تو یہ کہ خود کما رہا ہے، اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے لیے جب مانگا جاتا ہے تو بخل سے کام لیتا ہے۔ اب پھر لوگ کہیں گے کہ خرچ کر تو اب جاتے جاتے دنیا سے امید یہ رکھتا ہے کہ میرے بعد میرے بچے میرے لیے خرچ کریں گے۔ اللہ اکبر! اس سے بڑی حماقت دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے۔ تم نے کمایا، تمہارے ہاتھ میں اختیار ہے، تم تو اپنے لیے خرچ نہیں کرتے ہو۔ اب یہی مال تمہارے مرنے کے بعد دوسرے کے ہاتھ میں جائے گا۔ اس سے امید باندھے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لیے خرچ کرے۔ بیٹا ہے تو کیا ہوا؟ تم خود اپنے لیے خرچ نہیں کرتے اس سے بڑی بے وقوفی اور کیا ہوگی؟

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۷۶۰۹.

سب سے بڑی حماقت

دنیا میں سب سے بڑی بے وقوفی یہ ہے کہ آپ امید رکھے ہوئے ہیں کہ میرا بیٹا میرے بعد خرچ کرے گا۔ ارے بھائی، تمہارا مال تھا، تم نے کمایا، تم تو اپنے لیے خرچ کرتے نہیں، بیٹا کیا خرچ کرے گا؟ اب یہ دو لاکھ چھوڑ کر گئے، دس لاکھ چھوڑ کر گئے، اب مسجد والے پہنچیں گے بھی بیٹے کے پاس اور کہیں گے کہ تمہارے ابّا کا انتقال ہوگیا، دس لاکھ چھوڑ کر کے گئے ہیں، دس ہزار ڈالر دے دو۔ تو بیٹا کہے گا تم کو بولتے ہوئے بھی ذرا خیال آتا ہے؟ دس ہزار ڈالر تو کبھی دئے جاسکتے ہیں؟ ہاں دیں گے، ہزار دو ہزار دیں گے۔ اب دیکھو تمہارے دس لاکھ میں سے دس ہزار دینے کو تیار نہیں ہے۔ کیوں دے گا تم کو؟ وہ تم نے خود تو دیئے نہیں۔ اس سے کیا اُمید رکھی جاسکتی ہے؟

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو بہر حال حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی خود خرچ کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی۔ یہ جو ہم خرچ کریں گے وہی ہمارے کام آنے والا ہے اور اللہ کا دیا ہوا ہے۔ یعنی

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی		حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہم پیسہ اگر اللہ کی راہ میں بھی خرچ کریں گے تو کوئی اللہ میاں پر احسان تھوڑا ہی ہے، ہمارا فائدہ ہے، یہ تو ہمارا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے پیسے کی ضرورت نہیں۔

اپنی کمائی میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ جو اپنی محنت سے آتا تھا اس کا بیسواں حصہ، اور جو بغیر محنت کے آتا تھا اس کا دسواں حصہ اُسی وقت الگ کر دیتے تھے۔ اللہ کے راہ میں خرچ کرتے، نفلی صدقہ کرتے تھے۔ ایک تو فرض زکوۃ جو ادا کرنی ہے وہ تو کرنی ہی ہے، نفل خرچ کرنے کا بھی اپنے آپ کو عادی بناؤ، یہی چیز آخرت میں کام آئے گی، دنیا میں بھی برکت کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ صدقہ کرنے کی وجہ سے برکت آتی ہے۔

یہ حلال غذا کی خاصیت تھی

بہرحال! شاہ جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بیان کررہا تھا، اب یہ ایک پیسہ جس کو جمع کیا، کچھ دنوں تک جمع کرنے کے بعد اس کے ذریعہ سے اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے جو اکابر تھے: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات، ان کی دعوت کرتے تھے، حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان کے کھانے کا ہمیں انتظار رہتا تھا، ان کی دعوت کھانے کے بعد دو دو مہینے تک ہم اپنے دل میں انوارات محسوس کرتے تھے اور یہ خیال آتا تھا کہ یہ نیکی کرلیں، وہ نیکی کرلیں، وہ کام نیکی کا کرلیں، یہ حلال غذا کی خاصیت تھی۔

ابھی میں نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کا مقولہ نقل کیا تھا امام غزالی رحمہ اللہ کے

حوالے سے، جب کہ حرام غذا کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے دل میں وساوس آتے ہیں، گناہوں کے خیالات آتے ہیں، نیکی کے کاموں میں سستی آتی ہے اور گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے۔

مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ

انہی کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ملفوظات میں ایک جگہ پر لکھا ہے: ایک مرتبہ یہ اسی طرح گھاس کی گٹھری لے کر آ رہے تھے اور ایک سپاہی گھوڑے پر سوار جا رہا تھا، اب سپاہی تو ایسے ہی ہوتے ہیں، اس نے دیکھا کہ یہ گھاس کی گٹھری لے کے کوئی بوڑھا آ رہا ہے تو اس نے گھوڑا کھڑا کر کے ایک چابک مارا اور کہا کہ یہ گٹھری مجھے دے دے، پیسے ویسے دینے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، ان کے یہاں ایسے ہی ظلم وتعدی ہوتی ہے، ان کا مزاج ہی ایسا ہو جاتا ہے، اب جو اس نے اس میں سے اپنے گھوڑے کو گھاس ڈالی اور وہ اس کے منہ میں گئی اور گھوڑا تڑپنے لگا، وہ بڑا پریشان ہوا کہ بھائی، کیا بات ہے! کسی نے کہا کہ تو دیکھتا نہیں، یہ تو اللہ والے تھے، ان کی گھاس تیرے گھوڑے کو ہضم نہیں ہوگی، اب تو یہ مرے گا، وہ گھبرا گیا، دوڑا ہوا گیا ان کے پاس اور معافی مانگی اور ایک روپیہ دیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ مجھے ایک روپیہ نہیں چاہیے، میری روزانہ کی جو قیمت ہے، وہی دے دے۔

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اور ان ہی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ

کسی نے دعوت کی، چلے گئے، پتہ نہیں تھا اور کھانے کے لیے بیٹھ گئے، ایک لقمہ منہ میں رکھا، وہ حلق سے اترا اور انھوں نے محسوس کیا کہ یہ مشتبہ ہے۔ مشتبہ کا مطلب یہ ہے کہ حلال نہیں ہے بلکہ اس میں شبہ ہے، ڈاؤٹ فل جس کو کہتے ہیں، شبہ والا۔ تو حضرت نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا لیکن فرماتے ہیں کہ اس ایک لقمے کا اثر ایسا خطرناک تھا کہ کئی دنوں تک دل میں برے خیالات آتے رہے کہ یہ گناہ کرلوں، وہ گناہ کرلوں، یہ حرام غذا کا قدرتی اثر ہوتا ہے۔

تو بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے: یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ: اے رسولو! حلال غذا کھاؤ اور نیک عمل کرو، یہی حکم ایمان والوں کو دیا گیا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی روزی میں سے حلال غذا کھاؤ۔

اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے!

آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ: آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، آپ نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا جو لمبے سفر پر اللہ کے راستے میں: جہاد میں، طلبِ علم میں، دعوت وتبلیغ میں، عمرے میں، حج میں، اللہ کے کسی بھی راستے کے سفر پر نکلتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس سفر کی وجہ سے اس کے کپڑے غبار آلود، بال بکھرے ہوئے ہیں اور

اس حال میں وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے: یَارَبِّ یَارَبِّ: اے میرے پروردگار، اے میرے پروردگار یعنی دعا کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی، بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

حجاج بن یوسف اور مستجاب الدعا اولیاء

دیکھو! یہ حرام غذا کی خاصیت ہے کہ اس کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی، دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ فضائلِ رمضان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھی- مستجاب الدعا اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی دعا قبول ہوتی ہے-تو ایک جماعت تھی، جب کوئی ظالم حاکم آتا تھا تو وہ بددعا کرتے تھے تو وہ حاکم ہلاک ہوجاتا تھا، حجاج بن یوسف جب کوفہ کا گورنر بن کر کے آیا تو اس کو پتہ چلا کہ اس قسم کے کچھ خطرناک لوگ ہیں جو کسی کے لیے بددعا کردیتے ہیں تو پھر وہ بچ پاتا نہیں ہے، اس نے پتہ چلایا اور باقاعدہ ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت میں خاص طور پر ان کو مدعو کیا، جب دعوت ہوچکی تو کہا کہ اب میں آئندہ کے لیے ان کی بددعا سے محفوظ ہوگیا؛ اس لیے کہ ان کے پیٹ میں حرام کی غذا پہنچ گئی۔

اولادِ صالحہ کے حصول کا نسخۂ کیمیا

بہرحال! ایک تو یہ ہے: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: جس نے حلال غذا کھائی۔ ہم اور آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد نیک بنے، مطیع وفرماں بردار بنے، اللہ کے حکموں

کو ماننے والی بنے تو حلال غذا کا اہتمام ضروری ہے، یہ سب سے بڑا نسخہ ہے۔اس کے بعد کبھی وہ نافرمان نہیں بنے گی، اللہ کی مطیع وفرماں بردار بنے گی، آپ کی بھی مطیع وفرماں بردار بنے گی، بہت سارے واقعات ہیں لیکن ابھی کہنے کا موقع نہیں ہے۔

دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے

دوسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی: وَعَمِلَ فِی سُنَّةٍ: سنت کے مطابق عمل کیا، حضورِ اکرم کی سنتوں کے اتباع ہی میں انسان اور ایک مسلمان کی دونوں جہاں کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے بھیجا ہے کہ لوگ اپنی زندگی کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مطابق بنائیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، اللہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنا اسی لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات لوگوں کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے، جیسے ہم کوئی کرتہ سینے کے لیے کسی درزی کو دیں اور ساتھ میں ایک دوسرا کرتہ دیں کہ اس کو ایسا سی لو، اب اگر وہ ذرا بھی ردوبدل کرے گا تو سلائی تو نہیں دیں گے، مزید براں اس سے اپنے کپڑے کی قیمت وصول کریں گے۔

ان کا دامن تھام لے، جن کا محمد نام ہے

گویا ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبے کو، ہر حرکت وسکون کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق بنانا ہے، یہی اصل زندگی کا مقصد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی

ہمارے لیے سیمپل ہے کوئی بھی سنت ہو، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی بھی سنت چھوٹی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں، چاہے وہ عبادات ہوں، معاملات ہوں، معاشرت ہو، اخلاق ہوں، جو بھی ہو ہر چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق چلنا ہی ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے۔

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شادرہ

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھیجا اور ہمیں حکم دیا کہ تمھیں بھی اپنی زندگیاں اسی طرح بنانی ہیں جس طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہے، تمھیں بھی سب کچھ اسی طرح کرنا ہے، تمہاری عبادتیں، تمہارے معاملات، تمہاری معاشرت، تمہارا سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق ہونا چاہیے اور اسی کو محبت کا تقاضا قرار دیا گیا، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ تم کو اگر اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ محبت کا دعویٰ کرنا بہت آسان ہے لیکن دعوے کو ثابت کرنا بڑا مشکل ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی، ایک ایک چیز میں اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے مطابق ڈھالنا یہ محبت ہے، جو جتنی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتوں کو اپنائے گا، اتنا ہی وہ اللہ کے یہاں محبوب اور پسندیدہ ہوگا، گویا اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت کے پرسنٹیج (percentage) اتنے ہی ہوں گے جتنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کرے گا، اگر سو فی صد کریں گے تو سو فی صد، پچاس فی

صد کریں گے تو پچاس فی صد، جتنا زیادہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت حاصل ہوگی۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

بہرحال! قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ کہ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ تم کو اگر اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب ہر ایمان والے کو دعوی ہوتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، ورنہ ایمان ہی کہاں رہے گا، ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے ہی کا نام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۱۶۵] یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے نبی! ان ایمان والوں سے کہہ دو، کیا؟ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ کہ: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تمھارا دعوی یہ ہے کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے راستے پر چلنا جس کو اتباعِ سنت کہا جاتا ہے، یہ حُبِّ رسول کی دلیل ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ باری تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ: اس کے نتیجے میں انعام کیا ملے گا؟ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ محبت کرے گا۔

یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح وقلم تیرے ہیں

بھائی دیکھو! دنیا کے کسی معمولی محبوب کی محبت بھی آسانی سے ہاتھ نہیں آتی،

اللہ کی محبت حاصل کرنے کا کتنا بہترین طریقہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کردیا اور جب اللہ محبت کرے گا تو ہمارے تو سارے مسائل ہی حل ہو گئے۔

اسی پہ رکھ اپنی نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار میں اعلان کیا کہ یہاں دربار میں جو چیزیں رکھی ہوئی ہیں، جو شخص ان میں سے جس چیز پر ہاتھ رکھ دے، وہ چیز اس کی ہو جائے گی؛ یہ اعلان سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی، کوئی اِدھر بھاگ رہا ہے، کوئی کس چیز پر قبضہ جمانے کے لیے کدھر جارہا ہے، ایک باندی محمود غزنوی کے پیچھے کھڑی تھی، وہ وہیں کی وہیں رہی اور اس نے محمود غزنوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، محمود نے اس سے پوچھا کہ سب لوگ چیزیں لینے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، تو کیوں نہیں جارہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے بھی تو ہاتھ رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ آپ نے کہا: ''دربار میں جو ہے'' تو دربار میں تو آپ بھی ہیں؛ اس لیے میں نے آپ پر ہاتھ رکھ دیا، آپ اگر میرے ہو گئے تو سب کچھ میرا ہو گیا۔

اللہ والوں کی مقبولیت کا راز

تو اگر اللہ کسی کا ہو جائے تو اس کے تو کیا کہنے! باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ جبرئیل! میں اپنے فلانے بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس

سے محبت کرتے ہیں اوراس کے بعد آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلانے بندے سے محبت کرتے ہیں، تم بھی ان سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے سب فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الأَرْضِ (۱) اس کے بعد روئے زمین پر اس کے لیے قبولیت ڈال دی جاتی ہے یعنی مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ یہ اللہ والے جو ہوتے ہیں، کیا انھوں نے ہماری کوئی دعوت کی؟ انھوں نے ہمیں کچھ پیسے دئے؟ ہمارے دلوں میں ان کی محبت کیوں ہے؟ یہ محبت کس نے ڈالی؟ اللہ نے ڈالی اور فساق وفجار کے لیے جو بغض ہمارے دلوں میں ہوتا ہے، وہ بھی ہمارے دلوں میں اللہ نے ڈالا ہے اور اہل اللہ کی محبت بھی اللہ نے ڈالی ہے۔

عشق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام

محبت تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عجیب وغریب اور انمول نعمت ہے کہ ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے لیکن قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلادیا اور جب اللہ ہم سے محبت کرے گا تو ہمارے سارے مسائل ہی حل ہو جائیں گے، محبت ہی سے سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے، سفر پر نکلے، اب ان کا جہاں پروگرام تھا، وہاں اترے تو ان کے استقبال کے لیے ایک بہت بڑا مجمع جمع ہو جاتا تھا۔

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب ذِكْرِ الْمَلائِكَةِ.

ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا

ہمارے اکابر جب آتے ہیں تو آپ بھی دیکھتے ہیں اور ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ حضرت سے فیض حاصل کرے، ہر ایک چاہتا ہے کہ حضرت میری گاڑی میں سفر کریں، بڑے بڑے بنگلے والوں میں سے ہر ایک کی یہ تمنا ہے کہ میرے بنگلے میں قیام کریں، ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میرے یہاں کھانا کھائیں یعنی وہ بزرگ ذرا سا اس کی طرف التفات کرلے تو وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ دیکھو! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیسے سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے تو پیسے سے سب کچھ ملتا ہو لیکن محبت نہیں ملا کرتی۔

اب وہاں بڑا مجمع جمع ہو گیا ہے، حضرت جب اترے تو ہر ایک درخواست کر رہا ہے کہ حضرت میری گاڑی میں تشریف رکھئے، حضرت میری گاڑی میں تشریف رکھئے، اب جو پہلے سے تجویز تھا، اس کے مطابق بیٹھے، اسی طرح قیام وغیرہ کے معاملے میں پیش آیا۔

جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

یہاں پروگرام ختم کر کے دوسری جگہ گئے تو وہاں بھی یہی چیز سامنے آئی، تیسری جگہ گئے تو وہاں بھی یہی منظر تھا تو انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ دیکھو! یہ کیا دیکھ رہے ہو؟ اگر ہم پیسوں کی تھیلی لے کر جاتے تو جس شہر میں گئے ہیں، وہاں کی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہم قیام کرتے تو وہاں راحت کا سب سامان مل جاتا، روم بھی مل جاتا، کھانا بھی مل جاتا اور آرام بھی مل جاتا، پیسے دے کر کے اچھی گاڑی میں ہم سوار بھی

ہو جاتے، سب کچھ مل جاتا لیکن یہ جو محبت ہے کہ ایک بڑا مجمع ہر وقت ساتھ لگا رہا اور ہماری توجہ اور التفات کا طالب رہا، اپنی محبتیں لٹا تا رہا، یہ سب کیسے ملتا! دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کردو گے تو یہ چیز حاصل ہونے والی نہیں ہے، یہ سب کس چیز کے نتیجے میں حاصل ہوا؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوا، اسی کو باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ: کہ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میری سنتوں کا اتباع کرو، وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ، یہ سنت کے مطابق عمل کیا۔

حضرت حذیفہؓ اور اتباعِ سنت کا بے مثال جذبہ

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کہیے! انھوں نے تو اپنے آپ کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کردیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے جی جان سے لگائے ہوئے تھے، اس کے خلاف کچھ بھی کرنا ناممکن تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا لقب تھا صاحبُ سرِّ الرسول، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جو راز بتلائے تھے، کسی اور کو نہیں بتلائے گئے، آپ مدائن کے گورنر تھے، مدائن عراقِ عجم کا پایۂ تخت تھا، کیپیٹل (capital) تھا، یہ کسریٰ والا جتنا بھی علاقہ تھا، شاہِ ایران کا، اس کا یہ کیپیٹل تھا، وہاں کے یہ گورنر تھے، ایک مرتبہ کھانے کے لیے بیٹھے، لقمہ ہاتھ میں لیا تو نیچے گر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ لقمہ گر جائے تو اس کو شیطان کے لیے مت چھوڑو بلکہ اٹھا کر صاف کرلو اور صاف کرکے اس کو

کھاؤ(۱)، چنانچہ انھوں نے اس گرے ہوئے لقمے کو اٹھایا، صاف کیا اور کھایا۔ ان کا ایک غلام تھا پارسی، ابھی وہ مسلمان نہیں ہوا تھا، وہ خدمت میں رہتا تھا، اس کو تعجب ہوا اور کہا: آقا! آپ نے یہ گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کے صاف کر کے کھالیا، یہاں تو لوگ اس کو بہت برا سمجھتے ہیں، یہاں کی تہذیب نہیں ہے یہ، یہاں ایسے آدمی کو لوگ سمجھیں گے کہ بھکاری ہے، نادیدہ ہے، کبھی کوئی کھانا دیکھا ہے یا نہیں کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھاتا ہے، جب اس نے بات کہی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا؟ ہمیں اس جواب کو اپنے دل پر نقش کر لینے کی ضرورت ہے، فرمایا: أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء: ان بے وقوفوں کی خاطر کیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، اپنے محبوب کی سنت چھوڑ دوں گا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی محبت ان کے دل کے اندر کیسی تھی! ؎

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکین	پر وہ نہ سمجھیں میری محبت کے قابل نہ رہا

کتابِ کفر در بغل، خدا کا نام بسر زباں

اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں، وہ یہ تو سوچتے ہی نہیں لوگوں کی رائے ہمارے متعلق کیا ہوگی، وہ بھاڑ میں جائیں، ہمارا کیا جاتا ہے، ہم کو تو ہمارے حبیب کو دیکھنا ہے، ہمارا محبوب جو کرتا تھا، وہ ہمیں کرنا ہے۔ آج ہمارا حال کیا ہے، نماز کا وقت آ گیا، کھیل

---

(۱) إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذًى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ الحديث (صحيح المسلم، عَنْ جَابِرٍ، بَاب اسْتِحْبَابِ لَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالْقَصْعَةِ وَأَكْلِ اللُّقْمَةِ السَّاقِطَةِ بَعْدَ مَسْحِ مَا يُصِيبُهَا مِنْ أَذًى وَكَرَاهَةِ مَسْحِ الْيَدِ قَبْلَ لَعْقِهَا)

میں مشغول ہیں، اسٹیڈیم میں بیٹھے ہیں، ٹی. وی کے سامنے بیٹھے ہیں، فرض نماز ہے، نفل بھی نہیں ہے، اس کو بلا جھجک چھوڑ رہے ہیں۔

بھلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا، مٹا ہی دیتا ہو جس کو گردوں

شادی، بیاہ، موت میت کی رسومات میں کیا ہوتا ہے، نہیں کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے، گویا ہم نے اپنے آپ کو لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا، بھائی! لوگوں کی خواہشات پر کب تک چلتے رہو گے، سب کچھ کرو، تب بھی تم لوگوں کی نگاہ میں محبوب بن سکتے نہیں ہو، جو لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کو حضرت عائشہؓ کی نصیحت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے اور لمبی نصیحت نہ ہو، مختصر ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں لکھا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ (۱) جو آدمی اللہ کی خوشنودی لوگوں کو ناراض کر کے حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ناراضگی کے لیے اس کو کافی ہو جائے گا، لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ اس کو کوئی نقصان پہنچنے نہیں دیں گے اور جو لوگوں کی خوش نودی حاصل کرے گا اللہ کو ناراض کر کے، اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۹۷.

حوالے کر دیں گے۔ضرورت ہے کہ ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام کریں۔

اتباعِ سنت پر اللہ تعالیٰ کے چار وعدے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آدمی نے میری سنت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو چار چیزیں عطا فرماتے ہیں:

ایک تو المحبة فی قلوب الصالحین: نیک لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ اس کی محبت ڈال دیتے ہیں، اللہ کے نیک بندے اس سے پیار کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں، یہ اللہ والوں کے ساتھ مجھے اور آپ کو سب کو محبت ہوتی ہے، کیا انھوں نے ہمیں کھانا کھلایا، پیسے دئے، کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں، اللہ نے ان کی محبت ہمارے دل میں ڈال دی، ہمارے سامنے کوئی ان کے متعلق کوئی نامناسب بات بولے گا تو ہم لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، اپنے کسی عزیز کے متعلق بولا ہو تو برداشت کر لیں گے لیکن ان کے متعلق کوئی بات برداشت نہیں کریں گے، یہ کیا ہے؟ یہ محبت کس نے ڈالی؟ یہ اتباعِ سنت کے نتیجے میں ہے۔

والهيبة فی قلوب الفجرة: اور جو گناہ گار، بدمعاش لوگ ہیں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی ہیبت ڈال دیتے ہیں، اس کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کے سامنے آکر کچھ کر پائے۔

والسعة فی الرزق: اور اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں کشادگی عطا فرماتے ہیں۔

والصلبة فی الدين: اور دین میں مضبوطی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی ہیبت ورعب

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک مرتبہ ہمارے حضرت نے سنایا۔ چوں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ مل کر حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شاملی کے میدان میں انگریزوں کے ساتھ جہاد بھی کیا تھا، اگر چہ اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، بعد میں ان حضرات کے خلاف وارنٹ جاری ہوئے، اسی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ مظفر نگر ضلع کا جو کلیکٹر تھا اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ لوگ جنھوں نے ہماری حکومت کے خلاف جنگ لڑی تھی، وہ کون ہیں؟ میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے گنگوہ کی طرف نکلا، حضرت کو کسی نے بتلایا کہ کلیکٹر آپ کی ملاقات کے لیے آرہا ہے، جب وہ آبادی کے قریب آیا تو حضرت اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور کواڑ بند کر لیے، وہ آیا، تھوڑی دیر بیٹھا لیکن اس کو یہ ہمت اور جرأت نہیں ہوئی کہ وہ کواڑ کھلوائے یا کھٹکھٹائے، بس تھوڑی دیر انتظار کر کے واپس چلا گیا لیکن حضرت اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے۔ دوسری مرتبہ اس کلیکٹر کا دورہ تھا تو لوگوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کلیکٹر کا دورہ ہے اور دیو بند کے مدرسے کے متعلق کچھ غلط شکایتیں حکومت میں پہنچائی گئی ہیں، اگر آپ کلیکٹر سے ملاقات کر لیں تو اس کا تصفیہ ہو جائے اور مدرسے کا نقصان نہیں ہوگا

تو مدرسے کا معاملہ تھا؛ اس لیے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

محبت جس نے کی تم سے خدا کو پالیا اس نے

حضرت سرکاری مہمان خانے میں جہاں اس کا قیام تھا جانے کے لیے نکلے۔ اس زمانے میں سواری کے لیے بڑے لوگوں کے پاس پالکی ہوا کرتی تھی، حضرت کی پالکی بڑے بڑے علماء: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اٹھایا کرتے تھے۔ تو حضرت کی پالکی کو اس مکان کے سامنے لے جا کر کے رکھا جس میں وہ کلیکٹر ٹھہرا ہوا تھا تو وہ کھلے پیر دوڑا ہوا آیا، حضرت پالکی سے باہر آئے، اس نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت نے مصافحہ کیا لیکن اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ اس نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کرو تو حضرت نے فرمایا کہ انصاف کرو اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ یہ کہا اور پالکی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت کے جانے کے بعد کلیکٹر نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھا؟ یہ آئے تو میرا دل ''دھک دھک'' کر رہا تھا اور وہ چلے گئے تو مجھے اطمینان ہوا تو لوگوں نے کہا کہ یہ وہی تھے جن کی ملاقات کے لیے تم ایک مرتبہ گئے تھے لیکن وہ تمھاری ملاقات کے لیے باہر نہیں نکلے تھے۔ اتباعِ سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ رعب و ہیبت عطا فرمائی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل سنت کا عملی نمونہ ہوتا تھا

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اتباعِ سنت کا اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ لوگ یہ

معلوم کرنے کے لیے کہ کون سے کام میں سنت طریقہ کیا ہے؟ حضرت کے عمل کو دیکھتے تھے۔ایک مسئلے میں لوگوں کا اختلاف ہوا کہ اس میں اصل سنت کیا ہے؟ تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان علماء سے کہا کہ اس سلسلے میں ہمارے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کیا ہے، وہ دیکھ لو۔آپ کا جو عمل ہوگا، وہی اصل سنت ہوگی تو آپ کا ہر عمل سنت کے مطابق ہوتا تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کی کمالِ اتباعِ سنت کی طرف اشارہ

کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جارہے ہیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہی ہے، اس نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم پڑتا ہے، وہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنا قدم رکھتے ہیں، بالکل پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔یہ کمالِ اتباعِ سنت کی طرف اشارہ تھا۔

اتباعِ سنت کے معاملے میں حضرت گنگوہیؒ کا امتحان

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔جو لوگ یوپی کے علاقوں میں گئے ہیں، وہ وہاں کی مسجدوں کا حال جانتے ہیں۔ہمارے یہاں کی مسجدوں میں تو مسجد کی شرعی حد جہاں ختم ہوتی ہے، اس کے بعد جوتے، چپل رکھنے کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام ہوتا ہے اور وہاں تو پوری مسجد ہی ہوتی ہے، جہاں باہر نکلے کہ مسجد کی حد ختم ہوگئی، جوتے، چپل کے لیے وہاں علیحدہ جگہ نہیں ہوتی بلکہ مسجد جہاں ختم ہوئی، اسی جگہ جوتے چپل اتارے جاتے

ہیں۔اب مسجد میں داخل ہونے کی سنت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں رکھے اور دعا پڑھے:
بسم اللّٰہِ الصّلوٰۃُ والسّلامُ علٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اللّٰھُمّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور دایاں پاؤں رکھا پھر بایاں رکھا اور نکلتے وقت بسم اللّٰہِ الصّلوٰۃُ والسّلامُ علٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اللّٰھُمّ إِنِّی أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ: پڑھے اور الٹا پاؤں پہلے باہر نکالے پھر سیدھا پیر نکالے اور جوتا پہننے میں پہلے سیدھے پیر کا جوتا پہنا جائے گا، اس کے بعد الٹے پیر میں پہنا جائے گا۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا

چندلوگوں نے آپس میں طے کیا کہ حضرت ان دوسنتوں پر کس طرح عمل کرتے ہیں، ہم ذرا اس کا امتحان لیں، چنانچہ انھوں نے حضرت کے جوتے مسجد کی باؤنڈری سے بالکل متصل رکھ دیے، اس طرح کہ باہر نکلتے ہی فوراً جوتے پہننے پڑیں۔اب اگر پہلے جوتے پہننے جاتے ہیں تو سنت پر عمل کرنے کے لیے پہلے دایاں پیر مسجد سے نکالنا پڑتا ہے اور یہ مسجد سے باہر نکلنے کے سنت طریقے کے خلاف ہے اور اگر مسجد سے باہر نکلنے کے سنت طریقے پر عمل کرتے ہیں اور بایاں پاؤں پہلے نکالتے ہیں تو جوتا پہننے کی سنت چھوٹتی ہے کہ پہلے بایاں پیر جوتے میں داخل کرنا پڑتا ہے تو اب ان دونوں سنتوں پر ایک ساتھ حضرت کیسے عمل کرتے ہیں۔انھوں نے حضرت کو دیکھا کہ آپ نے پہلے بایاں پیر مسجد سے باہر نکال کر بائیں جوتے میں داخل کیے بغیر اس کے اوپر رکھ دیا پھر سیدھا پاؤں نکالا اور سیدھے جوتے کے اندر ڈالا اور اس کے بعد پھر بایاں پاؤں بائیں جوتے

کے اندر ڈالا، اس طرح حضرت نے دونوں سنتوں کو جمع کردیا۔ ہمارے یہاں بعض لوگ مسجد کی حد ختم ہو چکی ہوتی ہے پھر بھی اس واقعہ کو سن کر ایسا کرتے ہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اس جگہ کے لیے ہے جہاں مسجد سے بالکل لگ کر جوتے رکھے گئے ہوں۔

الاستقامة خیر من الف کرامة

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سنتوں کا کس قدر اہتمام تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں ایک شخص آیا اور پانچ چھ مہینے قیام کیا اور جانے کا ارادہ کیا تو جاتے وقت کہتا ہے کہ چھ مہینے رہا لیکن کوئی کرامت نظر نہیں آئی، حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم نے میرا کوئی کام خلافِ سنت اور سنت سے ہٹ کر دیکھا تو اس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ اور کیا کرامت چاہیے! الاستقامة خیر من الف کرامة: آدمی کا شریعت کے اوپر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنا اور ہر چیز میں حکمِ شرعی کے مطابق عمل کرنا، اسی کو استقامت کہتے ہیں اور یہ ہزار کرامتوں سے بہتر ہے، کرامت کی کیا حیثیت ہے؟

اتباعِ سنت اصل کمال کی چیز ہے

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر مسجد میں رکھتا ہے اور ایک دوسرا آدمی سو مرتبہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس کے مقابلے میں یہ اور اس کا عمل بڑھ کر ہے؛ اس لیے کہ اس طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے اس کو اللہ کا قرب حاصل ہوا،

اللہ کی محبت ملی؛ اس لیے کہ سنت کی پیروی ہوئی تو اللہ کی محبت تو حاصل ہونے ہی والی ہے، جیسا کہ ابھی آپ نے سنا اور وہ اللہ کے اولیاء میں شامل ہوا اور جو شخص سو مرتبہ ہوا میں اڑا ہے تو اس کے اس طرح ہوا میں اڑنے سے کیا اس کو اللہ کا کوئی قرب حاصل ہوا؟ اللہ کی محبت میں اضافہ ہوا؟ وہ تو مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے تو ہوا میں اڑنا کوئی کمال نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی جائے۔ تو سنت کی پیروی اصل کمال کی چیز ہے، اس کا خاص اہتمام کیا جائے، ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

آج ۲۳ رسال کے بعد تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی

ایک مرتبہ دیوبند کے اندر دستار بندی کا جلسہ تھا، اس زمانے میں کچھ وقفے سے یہ جلسہ ہوتا رہتا تھا، اس زمانے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، آپ اس جلسے میں تشریف لے گئے۔ اذان ہوئی تو اذان کی آواز سنتے ہی آپ مسجد کی طرف روانہ ہو گئے لیکن مجمع بہت زیادہ تھا، راستے میں لوگ مصافحے کے لیے بھی روکتے رہے تو مسجد پہنچتے پہنچتے کچھ دیر ہو گئی، اس زمانے میں حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امامت کراتے تھے، آپ مصلے پر جا چکے تھے اور اقامت کہی جا چکی تھی اور اللہ اکبر بھی کہہ دیا تو آپ تکبیرِ اولیٰ، تکبیرِ تحریمہ میں شریک نہیں ہو پائے، نماز کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر حزن وملال اور غمگینی کے آثار ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کے خدّامِ خاص نے کہا کہ حضرت! نماز سے پہلے تو آپ خوش وخرم تھے اور

ابھی ہم آپ کو کافی غم زدہ دیکھ رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ رشید احمد کے لیے اس سے زیادہ غم کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ آج ۲۳ ؍سال کے بعد تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور اتباعِ سنت کا اہتمام

ہمارے اکابر کے یہاں ان امورِ دین کا اہتمام بہت زیادہ ہوتا تھا، جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام کرنا۔ آپ سب کچھ کر رہے ہیں لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کے بارے میں اتنی سخت تاکیدیں ہیں، آپ اس کا اہتمام نہیں کرتے! حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ بیماری کے زمانے میں جب آپ کے لیے چلنا ممکن نہیں تھا تو دو آدمیوں کے سہارے سے کمرے سے نکل کر مسجد کے اندر آتے تھے، اس حال میں کہ پاؤں گھسٹ رہے ہیں، اس کے اندر بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا خیال ہے۔ مرض الوفات میں آپ دو آدمیوں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے، حالاں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کمزوری کی وجہ سے گھسٹ رہے تھے۔ یہ ہے سنت کی پیروی اور یہی اصل ہے، کرامتیں ہزار بھی ہوں تو ان کرامتوں سے کچھ جنت ملنے والی نہیں ہے، جنت تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور اتباعِ سنت کے اہتمام کی وجہ سے ملے گی۔

حضرت مجدّد دِالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرت مجدّد دِالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، بہت بڑا کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے۔ اکبر بادشاہ نے دینِ الٰہی قائم کر کے پورے ہندوستان میں لوگوں

کوملحد بنانا چاہا تھا اور مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تھے تو حضرت ہی کی محنتوں اور کاوشوں سے اسلام اس ملک میں دوبارہ زندہ ہوا۔ حضرت مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اتباعِ سنت کا بہت زیادہ اہتمام تھا، بے خبری میں بھی خلافِ سنت کوئی کام نہیں ہوتا تھا، ہر کام سنت کے مطابق انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار تھے، بے ہوش ہو گئے، اس حالت میں پیشاب نکل گیا تو پائجامہ خراب ہو گیا، خدّام نے اسی بے ہوشی کی حالت میں خراب پائجامہ نکال کر صاف ستھرا پائجامہ بدلوانے کی کوشش کی تو انھوں نے بے خبری میں پہلے دائیں پیر کا پائنچہ نکالنے کی کوشش کی۔ نکالنے والوں کو خیال نہیں رہا کہ نکالتے ہوئے پہلے بائیں پیر کا پائنچہ نکالنا چاہیے اور یہ سنت ہے تو بہر حال! انھوں نے پہلے دائیں پیر کا پائنچہ نکالنے کی کوشش کی تو حضرت نے بے ہوشی ہی کی حالت میں پیر جھٹک دیا۔

بیماری اور کمزوری میں بھی اتباعِ سنت کا بے مثال جذبہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ بیماری کی حالت میں چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، کمزوری اتنی زیادہ تھی کہ اپنے ہاتھوں سے ان کو نکال نہیں سکتے تھے تو اشارہ کیا کہ اس کو نکالو، جب لوگ نکالنے لگے تو اسی طرح بے خیالی میں الٹے پاؤں کے بجائے سیدھے پاؤں سے پہلے نکالنے لگے تو حضرت نے فوراً پاؤں کھینچ لیا، اب وہ سوچنے لگے کہ ایک طرف تو موزے نکالنے کو کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو پاؤں کھینچ لیتے ہیں، دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، اسی دوران حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ: حضرت جی ثانی

تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کو یہ قصہ بتایا تو حضرت جی نے فرمایا کہ تم پہلے سیدھے پاؤں سے موزے نکالتے ہو تو حضرت کھینچ ہی لیں گے نا! پہلے الٹے پاؤں سے نکالو۔

سنتوں کی طرف سے ہماری غفلت

تو یہ تھا ہمارے اسلاف میں سنتوں کے اہتمام کا جذبہ اور آج ہمارا حال کیا ہے؟ آج ہمارے پاس بہت سی سنتیں ہیں اور ہمیں ان کا علم بھی ہے لیکن ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنت کے مطابق بنانے کا اہتمام کریں، آج ہی سے سوچ لو، اپنی زندگی کا جائزہ لے لو کہ بھائی ہماری زندگی میں کہاں کہاں سنتیں چھوٹ رہی ہیں، بہت سی سنتیں ہیں جو مجھے اور آپ کو معلوم ہیں لیکن ہمارا ان پر عمل نہیں ہے۔ دیکھو رات کو ابھی جا کے سو جائیں گے، سوتے وقت کی دعا، سونے کا طریقہ کہ دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر کے لیٹنا، یہ سنت کا طریقہ ہے، باوضو ہو اور پھر دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيٰ[1]، سب کو معلوم ہے، شاید ہی اس مجلس میں کوئی ایسا ہو جس کو یہ معلوم نہ ہو لیکن میں اگر پوچھوں کہ کل رات جب آپ سوئے تھے تو کتنوں نے یہ دعا پڑھی تھی؟ دعا ہم سب کو معلوم ہے لیکن عمل کتنوں کا ہے؟

بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ اور ہماری غفلت

بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ کہ آدمی پہلے دعا پڑھ لے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ.

أَعُوذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث [۱]، پھر بایاں پاؤں پہلے رکھے پھر دایاں پاؤں رکھے، فارغ ہوکر جب نکلے تو پہلے دایاں پاؤں نکالے پھر الٹا پاؤں نکالے پھر دعا پڑھ لے: غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الأَذَی وَعَافَانِي [۲]، بہت سے ہیں جن کو یہ طریقہ معلوم ہے، دعا معلوم ہے لیکن اگر میں پوچھوں گا کہ ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوئے تھے تو کیسے داخل ہوئے تھے؟ تو جواب ملے گا کہ معلوم نہیں! قضائے حاجت کا جب موقع آتا ہے نا تو بھاگتے دوڑتے جائیں گے اور دروازہ کھول کے گھس گئے، نہ دعا یاد، نہ یہ معلوم کہ پہلے سیدھا پاؤں اندر پڑا پھر الٹا یا پہلے الٹا اندر گیا پھر دایاں، کچھ پتہ نہیں۔ ہے یا نہیں؟ یہ ہمارا حال ہے کہ جو سنتیں معلوم ہیں، ان پر عمل نہیں کرتے۔

مسجد میں جانے کا سنت طریقہ اور اس کی طرف سے ہماری غفلت

مسجد میں جانے کا سنت طریقہ بہت سوں کو معلوم ہے کہ بھائی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھ لو: بسم اللّٰہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پہلے درود پڑھنے کا ہے پھر دعا اور پھر داخل ہونا ہے پھر جب واپس نکلے تو اسی طرح پڑھے: بسم اللّٰہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا یَقُولُ عِنْدَ الْخَلاءِ.

(۲) یہ دو حدیثوں میں مذکور دو مختلف دعاؤں کا مجموعہ ہے، غُفْرَانَكَ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے جس کو ابوداود وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الأَذَی وَعَافَانِي حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جس کو ابنِ ماجہ وغیرہ میں روایت کیا گیا ہے۔

مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ (۱): ہمیں یہ دعا بھی معلوم ہے اور طریقہ بھی معلوم ہے لیکن جب آئیں گے مسجد میں تو خیال نہیں رہتا، پتہ نہیں کس چکر میں آتے ہیں اور کن خیالات میں گم ہیں، یوں ہی داخل ہو گئے، یہ کیا زندگی ہے! سوچو! اس پر عمل کا طریقہ یہ ہے کہ اگر بے خیالی میں مسجد کے اندر داخل ہو گئے تو باہر نکل جاؤ اور پھر دوبارہ باقاعدہ جیسا سنت طریقہ ہے، اس کے مطابق آؤ، چند مرتبہ ایسا کرو گے تو إن شاءاللہ آپ کو اس کی عادت پڑ جائے گی۔

اور ساتھ میں یہ اہتمام بھی کہ جس وقت عمل کریں، یہ سوچ کر کریں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، میں بھی اسی لیے کر رہا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے، یہ سوچے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں آئے گی، سنت کے برکات آئیں گے۔

عمل بالسنہ کے استحضار کی برکات کے بارے میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا مقولہ

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بہت بڑے بزرگ تھے، ۱۰۵ رسال کی عمر پائی، ''گنج مرادآباد'' اِلٰہ آباد کے قریب ایک قصبہ ہے، آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے، بڑے صاحبِ نسبت بزرگ تھے، وہ فرماتے تھے کہ جب بھی تم سنت پر عمل کرو تو اس تصور کے ساتھ سنتوں پر عمل کرو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، مثلاً آپ سونے جا رہے ہیں

(۱) عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ، أَوْ أَبِي أُسَيْدٍ الأَنْصَارِيِّ، ابوداود، بَابٌ فِيمَا يَقُولُهُ الرَّجُلُ عِنْدَ دُخُولِهِ الْمَسْجِدَ.

توسوتے وقت پہلے وضو کرلیجیے، پھر دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھیں اور دعا پڑھیں: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا، تو جب آپ باوضو سونے کے لیے وضو کر رہے ہیں تو اس وقت دل میں یہ خیال ہونا چاہیے کہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوضو سوتے تھے؛ اس لیے میں بھی باوضو سونے کے لیے یہ وضو کر رہا ہوں، پھر جب دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر سونے لگے تو یہ تصور کرو کہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سونے کا طریقہ یہی تھا، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں آئے گی۔

اخلاصِ نیت کے ساتھ احتساب بھی ضروری ہے

شریعت میں نیت اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ احتساب بھی ضروری ہے یعنی دل میں یہ تصور ہو کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ثواب ملے گا اور یہ استحضار بھی ضروری ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ ہے، سنت طریقے کے مطابق عمل کرنا ہے لیکن غفلت کے ساتھ نہیں، اگر بے خبری میں کریں گے تو سنت تو ادا ہو جائے گی لیکن اس سنت کی ادائگی کے جو فوائد اور انوارات ہیں، وہ کماحقہٗ حاصل نہیں ہوں گے تو حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس طرح استحضار کے ساتھ سنتوں پر عمل کرو گے تو چند دنوں میں صاحبِ نسبت نہ بن جاؤ تو مجھے کہنا، دیکھو! اس کی وجہ سے چند دنوں کے اندر ہماری زندگی میں انقلاب پیدا ہو جائے گا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے کا اکسیر نسخہ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ خواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو اور کون مؤمن ہے جس کی یہ تمنا نہ ہو لیکن خواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا ہونا ہمارے اختیار میں تو نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں تم کو ایک ایسی چیز بتلاتا ہوں جس کی وجہ سے تم کو ہر وقت معنوی اور روحانی طور پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت حاصل ہوگی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور حاصل ہوگا اور وہ یہ کہ تم دو کام کرو: ایک یہ کہ جب تم کھانے کے لیے بیٹھو تو ہاتھ دھو کر بیٹھو؛ کیوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے لیے بیٹھتے تھے تو ہاتھ دھو کر بیٹھتے تھے اور بیٹھو تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کے مطابق بیٹھو اور یہ سوچو کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے لیے اسی طرح بیٹھتے تھے، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور یہ سوچو کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے، بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اور یہ سوچ کر کھاؤ کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بسم اللہ پڑھ کر کے کھاتے تھے، اپنے سامنے سے کھاؤ، یہ سوچ کر کھاؤ کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے سامنے سے کھاتے تھے، یعنی ہر وقت، ہر سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ تصور رہے کہ یہ کام نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

مسجد سے نکل رہے ہیں تو دعا پڑھتے ہوئے اور بایاں پاؤں نکالتے ہوئے یہی سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح مسجد سے نکلتے تھے کہ پہلے بایاں پاؤں مبارک نکالتے تھے تو اس طرح کرنے سے ہر وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور رہے گا، ہر وقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور دل ودماغ پر چھایا رہے گا، یہ خواب والی زیارت سے بہت بہتر ہے تو ضرورت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی جائے۔ ہمارے اکابر میں سنتوں کی پیروی کا بہت زیادہ اہتمام پایا دیکھنے کو ملتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب دلانے والی ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے متعلق ان کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ حضرت جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ زیارت کے لیے گئے تو وہاں روضۂ اقدس پر مواجہہ شریف یعنی وہ جالی مبارک جس کے سامنے کھڑے رہ کر سلام پیش کیا جاتا ہے، جو لوگ گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہاں جالی کے سامنے بڑے فاصلے پر: دو صف کے فاصلے سے دو ستون ہیں، عام طور پر ہمارے اکابر کی عادت یہ تھی کہ وہ بیچ کی جالی ہے، اس کے سامنے کا جو ستون ہے، اس ستون کے ذرا پیچھے کھڑے رہتے، میں نے بھی اپنے حضرت کو دیکھا کہ اسی طرح سلام کرتے تھے، اور آگے نہیں بڑھتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ اسی ستون کے پاس کھڑے رہ کر سلام پیش کرتا تھا۔ آپ لوگ دیکھتے ہوں گے کہ لوگ بالکل قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں، جالی سے چپکنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اب تو چپکنے کی شکل نہیں رہی کہ ان لوگوں نے دیوار سی بنادی ہے، پہلے دیوار نہیں تھی تو اس وقت جالی کے پاس جاتے تھے اور اس کو چھوتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام

تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میں زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ لوگ بالکل جالی کے قریب پہنچ رہے ہیں اور اس کو چھو رہے ہیں، ایک مرتبہ میں اسی طرح زیارت کر رہا تھا کہ میرے دل میں ایک دم، غیر اختیاری طور پر خیال آیا کہ تو کیسا محروم ہے کہ یہاں آنے کے بعد بھی قریب نہیں جاتا، دیکھو! لوگ قریب جا رہے ہیں اور تو اتنا دور کھڑا ہے، دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ اس دوران میں نے آواز سنی، اندر سے آواز آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو لوگ میری سنت پر عمل کرتے ہیں، وہ مجھ سے قریب ہیں، چاہے ہزاروں میل دور رہیں اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرتے ہیں، وہ مجھ سے دور ہیں، چاہے میری جالی سے چپکے ہوئے ہوں اور یہ بھی فرمایا: ''لوگوں کو میری یہ بات بتا دو'' چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیانات میں یہ بات بیان فرماتے تھے لیکن یہ کہہ کر نہیں کہ یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آیا بلکہ یہ کہہ کر اللہ کا ایک بندہ حج میں گیا تھا، اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت کی ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ اگر کوئی ہے تو وہ اتباعِ سنت ہے، یہی چیز ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کرے گی، ورنہ سب کچھ کرتے ہو اور سنت کی اتباع کا اہتمام نہیں ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہے؛ اس لیے ہر چیز میں سنتوں کی اتباع کا اہتمام ضروری ہے۔

سنت پر عمل کے وقت اس کا استحضار حبِّ رسول پیدا ہونے کا ذریعہ ہے

اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرتے ہوئے دل میں یہ خیال ہو، جیسے میں نے کہا کہ بیت الخلاء میں جانے کا طریقہ تو جانا سنت طریقے کے مطابق ہو اور ساتھ میں دل کے اندر یہ تصور بھی ہو کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے تو اسی طرح دعا پڑھتے تھے اور اسی طرح پہلے الٹا پاؤں رکھتے تھے پھر سیدھا پاؤں، میں بھی اسی لیے کر رہا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے، یہ سوچ، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں آئے گی، سنت کے برکات آئیں گے۔

عمل بالسنہ میں کوئی دشواری نہیں ہے

ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، ہمارا کھانا، ہمارا پینا، ہمارا سونا، ہمارا لیٹنا، ہمارا اٹھنا، ہمارا بیٹھنا۔ بہت سی سنتیں ہیں، اس میں کچھ پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا، کچھ کرنا نہیں پڑتا، بھائی! آپ کھانے کے لیے بیٹھیں گے نا تو کسی نہ کسی طرح بیٹھیں گے نا، کوئی بھی طریقہ بیٹھنے کا اختیار کریں گے تو جو طریقہ کھاتے وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، وہ کیوں نہ اختیار کریں؟ کھائیں گے تو کسی نہ کسی ہاتھ سے کھائیں گے، دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ہاتھ سے کھاتے تھے، اس ہاتھ سے کیوں نہ کھائیں؟ کھانے سے پہلے یوں بھی ہم بکواس تو کرتے ہی رہتے ہیں، یہ بولے، وہ بولے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھی تو ہم کیوں نہ پڑھیں، گویا ہر

کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو۔

یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

آج ہی آپ اور ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے، یہاں سے جانے کے بعد ہم بیٹھیں اور غور کریں کہ میں کھاتا ہوں تو کس طرح؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ میں بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق داخل ہوتا ہوں یا نہیں؟ یہ بہت آسان ہے، اس میں کوئی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا، ایک سنت پر عمل کرنے سے دل میں جو انوارات آئیں گے، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، یہ وہ قیمتی چیز ہے جس کے نتیجے میں ہماری زندگیاں اللہ کے یہاں قیمتی بن جائیں گی، ہم اللہ کے محبوب اور لاڈلے بن جائیں گے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر مکہ والوں کے پاس پیغام دے کر بھیجا تھا، جب وہ جانے لگے، ان کے قبیلے والوں کو پتہ چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آرہے ہیں تو ان کے قبیلے کے لوگ مکے میں زیادہ تھے اور زیادہ قوت والے تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارے قبیلے کا آدمی آرہا ہے، یہ ان کے لیے عزت کی چیز تھی، وہ سب باقاعدہ ہتھیار لگا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے مکہ سے باہر آئے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو ساتھ لے کر گئے کہ کوئی بھی آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتا، تم جو چاہو کرو۔ خیر انھوں نے مکہ کے سرداروں کو پیغام پہنچایا، وہاں جو ضعفائے

مسلمین تھے، ان کو پیغام دیا گیا تھا، وہ بھی پہنچایا، جب فارغ ہو گئے تو -یہ بات کہنی تھی مجھے- جس وقت ان کو ان کے قبیلے والے لے جا رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے، اب مکہ والوں کا فیشن (fashion) یہ تھا کہ وہ لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے، زمین سے گھسٹے، اس طرح پہننے کی عادت تھی اور اس کو فخر کی چیز سمجھتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبیلے والوں نے دیکھا کہ ان کی لنگی آدھی پنڈلی پر ہے تو کہا کہ دیکھو عثمان! تم مکہ کے سرداروں سے ملنے کے لیے جا رہے ہو اور وہاں کا فیشن یہ ہے اور وہ ایسے آدمی کو جس کی لنگی اس طرح آدھی پنڈلی پر ہو بہت حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں؛ اس لیے تم بھی اپنی لنگی ذرا نیچی کرو۔

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

حضرت عثمانؓ نے جواب میں کیا کہا؟ فرمایا: میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی بھی اسی طرح ہوتی ہے، میں اپنی لنگی کو ذرا بھی ہٹا سکتا نہیں، یہ تھا وہ جذبہ، یہ وہ محبت تھی۔ آج ہمارے اندر اس ایمانی غیرت کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے اگر ہم اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی عزت عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی عطا فرمائے گا۔ آج ہماری جو رسوائی ہو رہی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

حاضرین سے ایک عہد

دیکھو! آج میں آپ سے وعدہ لیتا ہوں، یہاں جو مجمع بیٹھا ہے، ان میں سے

ہر ایک کو کچھ نہ کچھ سنتیں تو یاد ہیں، کھاتے وقت کی سنت کیا ہے؟ سوتے وقت کی سنت کیا ہے؟ مسجد میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت کی سنت کیا ہے؟ بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت کی سنت کیا ہے؟ گھر میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت کی سنت کیا ہے؟ بہت سی سنتیں بہت سوں کو معلوم ہے لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ عمل کا اہتمام نہیں ہے۔ آج سب حضرات یہ طے کرلیں کہ ہم جو سنتیں بھی جانتے ہیں، ان سنتوں پر تو إن شاء اللّٰہ تعالیٰ آج سے ہی عمل شروع کریں گے اور جو سنتیں معلوم نہیں ہیں، ان کو جاننے اور سیکھنے کی کوشش کریں گے پھر دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی کیا برکتیں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پاک ارشاد پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

تو بہر حال! تیسری چیز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ: اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے محفوظ رہیں، یعنی کسی کو ہماری طرف سے ادنیٰ تکلیف پہنچنی نہیں چاہیے۔ یہ بہت اہم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے پہنچنے والی تکلیفوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، آج تو ہم نے گویا اپنی زندگیوں کا ایک مشن بنالیا ہے کہ لوگوں کو تکلیف پہنچائیں، بعض تو وہ ہیں جن کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا جب تک کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچالیں، یہ حال ہوگیا ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر چین

نہیں آتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ آدمی مسلمان نہیں ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔

یہ بڑی تفصیل طلب چیز ہے اور وقت بہت زیادہ ہوگیا، میرا ایک گھنٹہ پورا ہوگیا۔ بہر حال! یہ بہت آسان اور مختصر نسخہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتلایا ہے جنت میں جانے کا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ
حدیث شریف کی روشنی میں (۲)

بمقام: لاجپور

بتاریخ: ۱/ ۴/ ۲۰۱۱   بہ وقت: قبل از نمازِ جمعہ

اقتباس

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ جو کہ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: من أ کل الحرام ع صت جوار حہ شاء أم أبی، علم أو لم یع لم: جس آدمی نے حرام غذا کھائی، اس کے اعضاء اللہ کی نافرمانی کریں گے، وہ چاہے، نہ چاہے، اس کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو، گویا حرام غذا کی قدرتی خاصیت یہ ہے کہ وہ پیٹ میں جانے کے بعد آدمی سے گناہ کے کام ہی کرائے گی۔ نیکی کی توفیق اسے حاصل نہیں ہوتی، کھانے والے کو معلوم ہو یا نہ ہو، بے خبری میں کھالیا تو بھی اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا، یہ بات اور رہی کہ بے خبری میں کھانے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کا جو اثر ہے، وہ تو ظاہر ہوگا، جیسے زہر ہے، ایک تو آدمی جان بوجھ کر زہر کھائے تو یہ تو گناہ ہے کہ جان بوجھ کر اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے، تو یہ گناہ بھی ہے اور اس کا جو اثر ظاہر ہوگا، اس کی وجہ سے اس کو نقصان بھی ہوگا اور ایک بے خبری میں کسی کو کھلا دیا گیا تو ایسی صورت میں وہ گناہ گار تو نہیں ہوگا لیکن ایسا تو نہیں کہ بے خبری میں اس کے پیٹ میں زہر گیا ہے تو اس پر اس کا اثر ظاہر نہ ہو؟ اسی طرح بے خبری میں بھی اگر حرام غذا اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوگا اور وہ اس کو نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي أو كما قال عليه الصلوة والسلام (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدریؓ کا مختصر تعارف

یہ مشکوۃ شریف کی روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا نام ہے سعد بن مالک، ان کے والد بزرگوار کا نام حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ ہے، یہ بھی صحابی تھے اور غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے، ان کی والدہ حضرت ام سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی صحابیہ تھیں۔

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول

جیسا کہ ابھی بتایا کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پیشانی پر پتھر لگا اوراس کی وجہ سے پیشانی سے خون بہنے لگا تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ سے، اپنی زبان سے اس کو پونچھ لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اگل دو تو انھوں نے کہا: نہیں، میں اس کو نہیں اگلوں گا، یہ کہہ کر وہ نگل گئے، اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہو، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اس کے بعد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اس آدمی کی تلاش میں نکلے جس نے یہ پتھر مارا تھا لیکن اسی درمیان ایک کافر مشرک نے ان کے اوپر تلوار کا وار کیا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔

چوں کہ اس غزوے میں مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں، خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی مشرکین کے بار بار حملے ہوئے اوران کی کوشش یہ تھی کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ غزوہ ختم ہونے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے تو راستے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اوران کی تعزیت فرمائی۔

غزوۂ احد میں شرکت کے لیے نوعمر صحابہؓ کی بے تابیاں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۱۳ ؍سال تھی۔ آپ نے حکایاتِ صحابہ میں پڑھا ہوگا کہ غزوۂ احد کے لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے تو

بہت سے نوعمر صحابہ جن کی عمریں ۱۵؍سال نہیں ہوئی تھی، وہ بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش ہوئے اور انھوں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غزوے میں شرکت کی اجازت چاہی لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک اصول مقرر فرما دیا تھا کہ ۱۵؍سال یا اس سے زائد عمر کے آدمی کو غزوے میں شرکت کی اجازت ملے گی، اس سے کم عمر کو نہیں۔ چنانچہ اس موقع پر بہت سے نوجوان صحابہ ایسے تھے جو ابھی ۱۵؍سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرکت کی اجازت مانگی لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو شرکت کی اجازت نہیں دی، ان نوجوان صحابہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے

مدینہ منورہ میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے اور بہت سے لوگ شہید ہوئے ہیں تو شام کے وقت جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوٹ رہے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حال معلوم کرنے کے لیے نکلا تھا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جو گھر والے تھے: بچے، بوڑھے، بیویاں، ان میں سے ہر ایک کو یہ فکر سوار تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سلامت ہیں یا نہیں۔ یہاں تک کہ ایک عورت جن کے شوہر بھی شہید ہو گئے تھے، بھائی بھی شہید ہو گئے تھے، ان کے باپ بھی شہید ہو گئے تھے۔ وہ حالات دریافت کرنے کے لیے آئیں، پوچھ رہی ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا حال ہے؟ بتانے والے نے بتایا کہ تمھارے شوہر شہید ہو گئے ہیں، پھر پوچھ رہی ہیں کہ نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ کہا: تمھارے ابا شہید کردئے گئے، پھر پوچھ رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ کہا: تمھارے بھائی شہید کردئے گئے، پھر یہی پوچھ رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ تو بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں تو کہا کہ مجھے ذرا دکھلا دو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھلائے گئے تو وہ عورت کہتی ہے: كل مصيبة بعدك جلل [۱]: ہر مصیبت آپ کے دیدار کے بعد آسان ہے، یعنی آپ موجود ہیں تو ہمیں کسی مصیبت کی پروا نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوسعید خدریؓ کو پُرسہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی آبادی سے باہر میدان کی طرف نکلا تو راستے میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوے سے فارغ ہوکر مدینہ کی طرف لوٹ رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: سعد- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد ہے، دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۳؍سال کے بچے کو بھی پہچان رہے ہیں- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: نَعَمْ بِأَبِي وَأُمِّي: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں سعد ہی ہوں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں آگے بڑھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں کو بوسہ دیا- دیکھو! ۱۳؍سال کے بچے ہیں لیکن آپ ان کا ادب دیکھئے- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آجَرَكَ اللّٰهُ فِي أَبِيكَ [۲] آپ کے والد غزوے میں شہید

---

(۱) دلائل النبوة ۳۰۲/۳.
(۲) المغازي للواقدي ۲۴۸/۱.

میں شہید ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ تمھارے باپ کی شہادت میں تمھیں اجر دے۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھا کہ آپ کے دونوں رخسار کے اوپر درہم کی طرح، روپیے کی شکل میں زخم ہیں۔

غزوۂ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچنے والے زخم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی خود، لوہے کی ٹوپی جو سر اور چہرے کی حفاظت کے لیے سر کے اوپر پہنی جاتی ہے، جو لوہے کے کڑیوں کی بنی ہوئی ہوتی تھی، اس کے دو حلقے ایک دائیں طرف کے رخسار میں، دوسرا بائیں طرف کے رخسار میں ایک مشرک ابنِ قمئہ کے حملے کے نتیجے میں داخل ہو گئے تھے، جنگ کے بعد وہ کڑیاں نکالنے کی کوشش کی گئی لیکن نہیں نکلتی تھیں، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانت کے ذریعہ ایک طرف کی کڑی کو کھینچا تو ان کا ایک دانت گر گیا لیکن کڑی باہر آ گئی، دوسری طرف کے رخسار کی کڑی کو بھی دانت سے کھینچا تو وہ بھی باہر آ گئی اور ایک دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا، ان کے آگے کے دونوں دانت ان کڑیوں کو نکالنے کے نتیجے میں ٹوٹ گئے۔

تمہارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

عام طور پر تو ایسا ہوتا ہے کہ آگے کے دانت جب ٹوٹ جاتے ہیں تو آدمی کا چہرہ بدنما معلوم ہوتا ہے لیکن روایتوں میں آتا ہے کہ ان دو دانتوں کے گرنے کے بعد ان کا چہرہ اور زیادہ حسین نظر آنے لگا تھا[۱]۔

---

(۱) المغازي للواقدي ۱/۲۴۷.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کا وبال نسلوں کو بھی بھگتنا پڑا

بہر حال! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں رخسار کے اوپر درہم کی طرح زخم ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نچلے ہونٹ مبارک پر خون لگا ہوا ہے اور دائیں طرف کا نچلا نوکیلا دانت ٹوٹ گیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک مشرک بھائی تھا عتبہ بن ابی وقاص، اس نے اس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک پتھر مارا جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دانت شہید ہو گیا تھا لیکن پورا دانت ٹوٹا نہیں تھا، اس کا ایک ٹکڑا نکل گیا تھا اور اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نچلا ہونٹ بھی زخمی ہوا تھا، چنانچہ جب اس نے یہ حرکت کی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، انھوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کا قصہ تمام کر دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس کی اولاد میں جو بھی پیدا ہوتا تھا، اس کا یہ دانت اتنا ٹوٹا ہوا ہوتا تھا(۱)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے ابا جان کے زخموں کی مرہم پٹی کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر بھی زخم آیا تھا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے دیکھا کہ اس پر کچھ سیاہ سا دھبا لگا ہوا ہے۔ چوں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں پہنچ گئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کو دھویا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال کے اندر پانی لاتے تھے اور زخموں پر ڈالتے تھے اور حضرت

(۱) أسد الغابة ۲/۱۲۴، عبد الله بن شهاب الزهري الأكبر

فاطمہ رضی اللہ عنہا ان زخموں کو دھو رہی تھیں لیکن دیکھا کہ پانی لگنے کے بعد خون کم ہونے کے بجائے اور بڑھ رہا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو جلا کر اس کی راکھ لگادی، اس کی وجہ سے خون بند ہو گیا تو اسی راکھ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زخم کالا نظر آرہا تھا(۱)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مکثرین میں سے ہیں

یہ حضرت ابوسعید خدریؓ ہیں جو اس روایت کے راوی ہیں۔ حضراتِ صحابہ میں سات اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے حدیث کی بڑی تعداد نقل کی، ان میں سے ہر ایک نے ایک ہزار سے زائد احادیث نقل کی ہیں، ایسے صحابہ کو محدثین کی مخصوص اصطلاح میں مُکثِرین کہا جاتا ہے تو حضرت ابوسعید خدریؓ بھی ان حضراتِ صحابہ میں سے ایک ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں۔

جنت میں داخل ہونے کا انتہائی سہل اور آسان نسخہ

یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: جس نے حلال غذا کھائی، وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ: اور سنت کے مطابق عمل کیا، وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ: اور لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رہے، دَخَلَ الْجَنَّةَ: وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہوگا۔ یہ سن کر ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ تو اس زمانے میں بہت ہیں، اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

(۱) المغازي للواقدي ۱/۲۴۹.

فرمایا کہ بعد کی صدیوں میں بھی ہوں گے، چاہے اتنی بڑی مقدار میں نہ ہوں۔

معاشرے کی صلاح وفساد کا مدار رزقِ حلال پر ہے

یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں داخل ہونے کا بہت سہل اور آسان نسخہ بتایا ہے، شارٹ فارمولا (short formula) بیان فرمایا، تین چیزیں ہیں: ان میں پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی حلال غذا کا اہتمام کرے، حلال غذا کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: طَلَبُ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ(۱): کہ اسلام کے بنیادی فرائض: نماز، روزہ وغیرہ جو ارکان ہیں، ان کے بعد ایک فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے، آدمی کے بننے اور بگڑنے اور معاشرے کے صلاح اور فساد کی بنیاد جن چیزوں پر ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے، اگر روزی حلال ہے تو معاشرہ بہتر بنے گا، صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، ایسا معاشرہ جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری عام ہوگی اور اگر روزی میں حرام کا حصہ ہے تو یہ معاشرے میں بگاڑ کا سبب ہوگا۔

ہمارے زمانے میں معاشرے کے بگاڑ کے مختلف بنیادی اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ روزی کے حلال ہونے کی طرف جو توجہ ہونی چاہیے اور جو اہتمام ہونا چاہیے، وہ نہیں ہو رہا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس کا بڑا اہتمام تھا، بھولے سے بھی اگر کوئی ایسا لقمہ حلق سے نیچے اتر گیا تو اس کو نکالے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۹۸۵۱۔

بغیر اجازت کے ذبح کی ہوئی بکری کا گوشت حلق کے نیچے نہیں اترا

ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کسی جنازے سے واپس لوٹ رہے تھے، کسی عورت نے آپ کو دعوت دی، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے گئے، کھانے کے لیے جب بیٹھے تو لقمہ منہ میں ڈالا، اب وہ حلق سے نیچے نہیں اُتر رہا ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے اُس کو نکال دیا اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے بکری مالک کی اجازت کے بغیر لائی گئی ہے۔ چنانچہ اس عورت سے پوچھا گیا، تو اس نے کہا ہاں، میں نے آدمی کو پیسے دے کر بازار، ریوڑ میں خریدنے کے لیے بھیجا تھا، وہاں بکری ملی نہیں، ہمارا پڑوسی بکری خرید کر لایا تھا، میں نے وہاں آدمی بھیجا، اس کی بیوی نے بکری بھیج دی، پڑوسی تھا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ سارا گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

ایک مشتبہ دانۂ خرما کی وجہ سے نیند غائب

دیکھیے! یہ حضرات حرام سے بچنے کا کیسا اہتمام کرتے تھے، حرام تو حرام، شبہ والی چیزوں سے بچنے کا بڑا اہتمام ہوا کرتا تھا، اسی حکایاتِ صحابہ میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے گھر میں کھجور کا ایک دانہ پڑا ہوا تھا، وہ اٹھا کر نبیِ کریم ﷺ نے کھالیا، آپ کے گھر میں تھا، آپ ہی کا تھا، رات کے وقت آپ کی طبیعت میں نیند میں بے چینی محسوس ہوئی، آپ کی نیند اڑ گئی، جس زوجۂ مطہرہ کے یہاں آپ کی باری تھی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے، نیند نہیں آرہی ہے؟ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: ایک کھجور پڑی ہوئی تھی، گھر میں، باہر نہیں، یہ سوچ کر کہ ضائع نہ

ہو، کھالی لیکن اب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں وہ صدقے کا نہ ہو؛ اس لیے کہ صدقے کا مال بھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بضرورت رکھا جاتا تھا تو اس شبہے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند اڑ گئی، یہ اتنا زیادہ بچنے کا اہتمام اور بڑی تاکید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔

نعمت کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے

اس لیے کہ کھجور بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور نعمت کو ضائع کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور ہم تو معلوم نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی نعمتوں کو بار بار ضائع کرتے رہتے ہیں اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

نعمت کی قدردانی ان سے سیکھیئے: ایک سبق آموز واقعہ

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کھانے میں شریک ہوا۔ کھانے سے جب فارغ ہوئے تو میں نے دسترخوان لپیٹا، (اندر ہڈیاں وغیرہ تھی) تاکہ باہر پھینک آؤں تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ کیا کر رہے ہو؟ تو کہا: حضرت! یہ باہر پھینک کر آتا ہوں۔ فرمایا تمہیں پھینکنا آتا ہے؟ میں نے کہا کیا یہ بھی کوئی فن ہے، یہ کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ کہا: ہاں، لاؤ! دسترخوان کھولا۔ اس میں کچھ تو گوشت کی بوٹیاں یا چھچھڑے وغیرہ جو نکال دئے جاتے ہیں، وہ تھے، ان کو الگ کیا، جو ہڈیاں خالی تھی، ان کو الگ کیا، روٹی وغیرہ کے جو بڑے ٹکڑے تھے ان کو الگ کیا اور چھوٹے چھوٹے جو ذرّات تھے ان کو الگ کیا، چار قسمیں ہوئیں۔ اب اس میں چھچھڑے وغیرہ بوٹیاں حضرت نے لے جا کر

ایک جگہ دیوار کے ایک حصّہ پر رکھی کہ یہاں بلّی آتی ہے وہ اس کو کھائے گی، اس کو معلوم ہے اور جو ہڈیاں تھیں ان کو محلے میں گھر کے باہر ایک کونے میں ڈالا کہ یہاں کتّے آتے ہیں وہ اس کو کھالیں گے اور روٹی کے بڑے بڑے جو ٹکڑے تھے، وہ چھت کے اوپر ایک جگہ ڈالے کہ کوّے چیل وغیرہ ان کو کھائیں گے، ان کو معلوم ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے ذرّات کو گھر میں جہاں چونٹیوں کا بِل تھا، وہاں رکھا کہ یہ چونٹیاں کھائیں گی۔ اور کہا: مولانا! یہ تو اللہ کے مخلوق کی روزی ہے، ان کو کیوں ضائع کرتے ہو؟

گِرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھانا سنت ہے

ہمارے یہاں کتنا ضائع ہوتا ہے! اس قصہ میں چوں کہ یہ جملہ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ضائع نہ ہو اس لیے میں نے کھالیا، بھوک کی وجہ سے نہیں۔ کبھی آدمی یہ سمجھ کر کہ بھائی روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے، یہ بے کار جائے گا، کھالیتا ہے۔ کوئی بھوک کی وجہ سے نہیں، بس اس کو بچانے کے لیے کھایا، یہ بھی سُنّت ہے۔

کیا ہم آقا کے غلام کہلانے کے حق دار ہیں؟

اس قصّے میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ضائع نہ ہو؛ اس لیے میں نے کھا لیا تھا لیکن اب یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ صدقہ کا نہ ہو؛ اس لیے آپ کروٹیں بدل رہے ہیں۔ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فائدہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ آقا کا تو یہ حال تھا کہ صدقہ کے ڈر سے کروٹیں بدل رہے ہیں اور غلاموں کا یہ حال ہے کہ رشوت کا، چوری کا، غصب کا جو بھی آرہا ہو ھل مِن مزید کا نعرہ چل رہا ہے۔

خراج کا مفہوم

حکایاتِ صحابہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جس کو حضرت نے خراج پر اٹھا رکھا تھا، خراج پر اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں ایک آدمی کے پاس کئی کئی غلام ہوا کرتے تھے، اپنی خدمتوں کے واسطے، اپنے کام کاج کے واسطے دو چار، آٹھ دس غلام کافی ہو جایا کرتے تھے اور باقی جو غلام ہوتے تھے، ان کو آقا کی طرف سے یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ تم کو جو ہنر آتا ہے، تمہارے پاس کمانے کا جو فن ہے، اس سے تم کماؤ اور روزانہ تم مجھے اتنا دے دیا کرو، آقا کی طرف سے کچھ مقدار مقرر کر دی جاتی تھی اور وہ ادا کرنی ہوتی تھی۔

سینگی کا مفہوم اور خراج سے متعلق ایک واقعہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مرتبہ سینگی لگوانے کی ضرورت پیش آئی، سینگی کا مطلب یہ ہے کہ جسم میں سے علاج کے طور پر خون نکالا جاتا ہے، یہ کام حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ ایک غلام صحابی تھے، وہ کرتے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس سینگی لگوائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، شمائل میں بھی ہے، بخاری میں بھی ہے۔ اور اجرت کے طور پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صاع غلہ دیا پھر ان سے پوچھا کہ تمہارا خراج کیا ہے؟ ان کے آقاؤں نے ان کو سینگی لگانے کی اجازت دے رکھی تھی، ان کو یہ فن آتا تھا تو آقاؤں نے کہہ رکھا تھا کہ تم یہ کام کرو اور روزانہ اتنا ہمیں دے دیا کرو، ان کے آقاؤں کی طرف سے ان کے اوپر خراج کی جو مقدار مقرر کی گئی تھی، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ زیادہ

معلوم ہوئی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارش فرما کر اس میں کمی کروائی (۱)۔ میں تو بتلا رہا تھا کہ خراج کیا ہے؟

حضرت صدیقِ اکبرؓ کا حرام غذا سے بچنے کا بے مثال اہتمام

تو حضرت ابوبکرؓ کا ایک غلام تھا جس پر انھوں نے خراج مقرر کیا تھا یعنی وہی اس کی جو آمدنی ہوتی تھی، اس کا ایک حصہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈال رکھی تھی، ایک مرتبہ وہ ایک کھانا لے کر کے آیا اور حضرت کے سامنے رکھ دیا، دو چار روز سے فاقہ تھا؛ اس لیے حضرت نے فوراً ایک لقمہ لے کر کے حلق سے نیچے اتار دیا، اس غلام نے کہا: آقا! آپ تو روزانہ مجھ سے سوال کرتے تھے، جب بھی میں کچھ لاتا کہ کہاں سے لایا؟ آج آپ نے کچھ نہیں پوچھا، کیا بات ہے؟ فرمایا: کئی وقت کا فاقہ تھا؛ اس لیے پوچھنا بھول گیا، بتا کہاں سے لایا۔ اس نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں میں نے کہانت کی تھی۔

کہانت کا مفہوم

زمانۂ جاہلیت میں کہانت جس کو جیوتشی ہم کہتے ہیں گجراتی میں، لوگ ان کے پاس اپنے ہاتھ وغیرہ دکھاتے تھے اور آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھتے تھے، اس زمانے میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے پاس شیاطین کا آنا جانا ہوتا اور وہ شیاطین اس قسم کی باتیں ان کو بتلاتے تھے اور یہ کاہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے تھے جن میں کوئی ایکا دبات آسمان کی ملی ہوئی شیاطین کے پاس ہوتی تھی، وہ بھی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب ذکر الحجام.

آ جاتی تھی اوراس کی وجہ سے ان کا کاروبار چلتا رہتا تھا۔

تو غلام نے کہا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں کہانت کی تھی، کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے اورانھوں نے مستقبل کے متعلق کچھ باتیں مجھ سے پوچھی تھیں، میں نے بتلائی تھی اور مجھے کہانت کرتے آتا نہیں تھا، میں نے ان کو دھوکہ دیا۔ ایک تو کہانت خود ناجائز کام تھا، مزید براں اس میں دھوکہ دہی شامل ہوگئی تھی، ''کریلا اور نیم چڑھا'' کی مصداق تو بہرحال! اس نے کہا کہ اس وقت اس کا معاوضہ اوراجرت دینے کے واسطے ان کے پاس کچھ تھا نہیں تو انھوں نے کہا کہ کسی دوسرے وقت جب ہمارے پاس کچھ مال ہوگا، ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ اس کے بعد تو یہ غلام مسلمان ہوگیا۔ کہا کہ آج میں ان کے علاقے سے گذررہا تھا، وہاں کوئی تقریب تھی۔ کھانا پکا ہوا تھا، یہ پکا ہوا کھانا مجھے انھوں نے اسی کے معاوضے میں دیا ہے۔ اب جو کہانت کے اندر دیا جاتا ہے، اس کو ''حُلوان الکاھن'' کہا جاتا تھا، کاہن کی خدمت میں پیش کی جانے والی چیز۔ اس کو شریعت میں ناجائز اورحرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بہت زیادہ طبیعت پر اثر ہوا اور فرمایا: تو تو مجھے ہلاک کرکے رکھ دیتا اور حلق میں انگلی ڈالی اور ایک لقمہ جو حلق سے نیچے اترا تھا، اس کو باہر نکالنے کی کوشش کی کہ قئے ہو اور نکلے اب وہ ایک ہی تو لقمہ تھا اور وہ بھی کئی وقت کے فاقے کے بعد پیٹ میں گیا تھا تو بھلا وہ کیسے نکلتا؟ نہیں نکلا۔

اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

کسی نے کہا: حضرت! کچھ پانی پی لیجیے اور پھر قئے کریں، شاید اس پانی کے ساتھ نکل آئے گا۔ چنانچہ ایک بڑے پیالے میں پانی منگوایا، پیا اور پھر انگلی ڈال کر

قئے کی، اور بڑی مشکل سے وہ لقمہ باہر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر کسی نے حضرت سے عرض کیا: حضرت! ایک ہی تو لقمہ تھا اور اس کو پیٹ سے نکالنے کے لیے آپ نے اتنی ساری مشقت اٹھائی؟ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی، ضرورت ہے کہ اس بات کو ہم اپنے دل پر نقش کرلیں، کیا فرمایا: اگر یہ لقمہ میری جان کے ساتھ نکلتا تو بھی میں اس کو نکال کر رہتا؛ اس لیے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ حرام غذا سے جسم کا جو حصہ تیار ہوا: كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ: کہ جسم کا جو گوشت حرام مال سے پل کر کے تیار ہوا ہو، جہنم کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے اور میں گوارا نہیں کرتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ حرام غذا سے تیار ہو اور وہ مجھے جہنم میں لے جائے (۱)۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے

ہم اور آپ نے بھی یہ روایت سنی ہے لیکن ہم اور آپ میں وہ بات نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی جو قدر و قیمت، اس کا جو اہتمام ان حضرات کے مزاج میں ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد کی خلاف ورزی ہو۔

حضرت عمرؓ اور حرام غذا سے بچنے کا اہتمام

اسی حکایاتِ صحابہ میں واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی

---

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي علیہ الرحمۃ، ۱۴/ ۱۱۸، باب اتِّقاء الشبهات.

دودھ لایا۔ آپ نے پیا تو اس کا ذائقہ عجیب معلوم ہوا۔ جو لوگ حرام سے بچتے ہیں، اُن کو حرام کا ذائقہ بھی الگ معلوم ہوتا ہے۔ ان کو اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ جیسے کوئی آدمی منرل واٹر Mineral Water پیتا رہتا ہو پھر وہ عام پانی بے خبری میں بھی پیئے گا تو اس کو پتہ چل جائے گا، ایسا ان حضرات کا حال تھا، ایک گھونٹ پیا تھا، پوچھا یہ دودھ کہاں سے لایا گیا۔ جواب دیا کہ میں جنگل گیا تھا وہاں صدقات کے اونٹ دوہے جا رہے تھے۔ وہاں سے لایا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلی ڈال کر وہ دودھ نکالا، قے کر دی۔ اتنا زیادہ اپنے آپ کو حرام غذا سے بچانے کا اہتمام!

ہمارا معدہ مشتبہ کو تو قبول نہیں کرتا، خالص حرام کو قبول کر لیتا ہے

ایک مشتبہ دودھ کا گھونٹ منہ میں گیا تو یہ حال۔ اور ہمارا حال تو ہمارے ایک اور بزرگ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ آپ نے ڈابھیل میں بخاری بھی پڑھائی ہے۔ بڑے عالم تھے، لطیفہ باز تھے۔ ان کا یہ جملہ ہے کہ ہمارا معدہ مشتبہ کو تو قبول نہیں کرتا، خالص حرام کو قبول کر لیتا ہے۔

تو اپنا تھوکا ہوا واپس چاٹنے کے لیے بھی تیار ہوں

ان کا ایک اور لطیفہ ہے، پان بہت کھاتے تھے، پان کی پیک کی وجہ سے پورا حصہ ان کے کرتے کا سُرخ رہتا تھا۔ ٹرین میں جا رہے تھے، پان کی پیک باہر پھینکی، برابر کی کھڑکی میں کوئی عورت بیٹھی ہوئی تھی ان کے رُخسار پر جا کے گری۔ اُس کو بڑی گھِن آئی، غیر مسلم عورت تھی۔ وہ آئی اُن کے کمپارٹمنٹ میں دیکھا کہ یہی بڑے میاں

کھا رہے ہیں تو ان کو خوب لتاڑا، وہ چپ چاپ سنتے رہے۔ جب وہ جو کہنا تھا کہہ چکی تو دھیرے سے سر اُٹھا کر کہتے ہیں کہ خاتون آپ اتنی ناراض کیوں ہوتی ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو اپنا تھوکا ہوا واپس چاٹنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ تو وہ بے چاری شرمندہ ہو کر واپس چلی گئی۔

کپڑے کے ایک تھان میں عیب کی وجہ سے پوری آمدنی صدقہ کر دی

حضرت امام ابو حنیفہؒ جن کی ہم اور آپ تقلید کرتے ہیں، جن کے اتباع کو فخر سمجھتے ہیں۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ تجارت میں آپ کے ایک شریک تھے حفص بن سُلیمان۔ ایک مرتبہ کپڑے کے کچھ تھان آئے، ان میں سے ایک تھان میں کچھ عیب تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ جب بیچو تو گاہک کو بتا دینا کہ یہ عیب ہے۔ انہوں نے یہ تھان بیچ دیا لیکن بتانا بھول گئے، ایسا نہیں کہ قصداً نہیں بتایا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ بیچ دیا؟ کہا، ہاں بیچ دیا۔ بتایا تھا؟ کہا: بھول گیا۔ کس کو بیچا؟ یاد نہیں رہا۔ بہت تلاش کیا۔ پتہ نہیں چلا۔ تو وہ تھان جو بیچے گئے تھے، سب کی پوری قیمت بیس ہزار درہم آئی تھی، جو آج کل کے حساب سے ۶۲ کلو چاندی ہوتی ہے۔ وہ سب امام صاحب نے صدقہ کر دیا اور آئندہ کے لیے حفص بن سلیمان سے پارٹنر شپ ختم کر دی کہ تم میرے شریک نہیں، تم بڑی بے احتیاطی برتتے ہو۔

چھ سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا

ایک مرتبہ کوفہ کے باہر کوئی قافلہ لوٹا گیا۔ اس قافلے میں کچھ بکریاں تھیں جو

لوٹی گئیں۔اور کوفہ کے بازار میں بیچی گئیں تھیں۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کی کہ بکری کی عمر کیا ہوتی ہے؟ بتایا گیا کہ چھ سال۔تو چھ سال تک کوفہ میں رہتے ہوئے بکری کا گوشت نہیں کھایا، اپنے یہاں ہی نہیں بلکہ کسی کے یہاں بھی نہیں، پتہ نہیں لوٹ کی بکری کا گوشت بھولے سے کسی کے یہاں آ جائے۔اتنا زیادہ اہتمام! دیکھو حرام جو ہے بھولے سے بھی اگر آدمی کھالے گا تو وہ اپنا اثر دکھلا کر رہے گا۔کوئی غذا اگر ایسی ہے جو آپ کو جسمانی طور پر نقصان پہنچا سکتی۔کوئی کھانے کی چیز، پینے کی چیز، بگڑا ہوا کھانا، اس کی ڈیٹ نکل چکی ہے۔آپ بے خبری میں کھالیں گے اور وہ پیٹ میں جائے گا تو بھی آپ کو نقصان پہنچائے گی۔چاہے جان بوجھ کر کھائے چاہے بھول سے کھائے۔

ہمارے اور اسلاف کے درمیان فرق

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے دلوں کو پاک، منقی اور صاف کر رکھا تھا۔جس کی وجہ سے حرام غذا کے اثرات کو وہ محسوس کرتے تھے۔ہم لوگوں کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک آدمی جنگل کا رہنے والا، جس نے کبھی بجلی دیکھی ہی نہیں، اس کی پوری زندگی اندھیرے کے اندر گذری، رات کو بھی بجلی نہیں، تو اس کی طبیعت اندھیرے سے مانوس و عادی ہوگئی اور شہر میں چوبیس گھنٹے یہ بجلی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، دو منٹ کے لیے بھی اگر یہ پاور چلا جائے تو آدمی کتنا بے چین ہو جاتا ہے۔اس جنگل والے کو کوئی بے چینی نہیں اس لیے کہ اس نے بجلی دیکھی ہی نہیں۔تو ایسا ہمارا حال ہے کہ وہ حلال کی برکتیں اور انوار

ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہی نہیں، اندھیرے میں ہیں اس لیے پتہ ہی نہیں چلتا۔

آج پرانے وقت کی ساری قدریں درہم برہم ہیں

تو بہرحال! ضرورت اس کی ہے کہ حرام سے اپنے آپ کو بچایا جائے، حرام سے احتیاط کیا جائے، حلال کا اہتمام بہت ضروری ہے، حلال کے اپنے اثرات ہیں۔ آج کل تو ہر ایک چاہتا ہے کہ کسی طرح میں مالدار بن جاؤں۔ جلدی سے میرے پاس پیسہ آ جائے، حرام حلال نہیں دیکھتا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ ایک زمانہ لوگوں پر آئے گا کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام، بس یہ دیکھے گا کہ مجھے پیسہ ملنا چاہیے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس سے منع کیا گیا۔ حرام سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ ہمارے یہ اکابر (جیسے امام ابوحنیفہؒ نے بیس ہزار درہم یعنی باسٹھ (۶۲) کلو چاندی صدقہ کر دی۔ ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے کہ بے خبری میں بتانا بھول گئے) نعوذ باللہ وہ لوگ بے وقوف تو نہیں تھے کہ اتنا مال قربان کر دیتے۔ پُرانے زمانہ میں ہمارے معاشرہ میں کسی کی اس طرح پائی بھی لینا کتنا بُرا سمجھا جاتا تھا! لیکن آج معاملہ اُلٹ گیا۔

ایک مزدور کی امانت داری

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک سِقّہ (بِھشتی) جس زمانے میں نہر جمنا کھودی جاتی تھی۔ (رائے پور اگر آپ گئے ہوں تو راستے میں پڑتی ہے) تو کُھدائی میں جو مزدور کام کرتے تھے، ان پر نگراں ایک سِقّہ تھا۔ کُھدائی

کے دوران بہت بڑا خالص سونے کا سلنڈر نکلا۔ تو سِقّہ نے دو مزدوروں پر اس کو اُٹھا کر انگریز جو پورے کام کا بڑا افسر تھا، اس کے پاس لے جا کر جمع کروا دیا۔ اس انگریز کو بھی تعجّب ہوا کہ اتنی بڑی مقدار میں سونا اندر سے ملا، یہ مزدور اگر آپس میں چُپ چاپ تقسیم کر لیتے تو بھی پتہ نہ چلتا۔

بڑھتی ہی چلی جاتی ہے دنیا کی خرابی

کہتے ہیں کہ اس کے کچھ سالوں کے بعد جب کہ انگریز مظفر نگر کا کلکٹر تھا، (یہ انگریزی دور ہی کا قصّہ ہے) ایک کیس اس کے پاس لوٹ کا آیا کہ ایک آدمی نے ایک بچی کو جس کے کان میں بالیاں تھیں، وہ بھی سچے سونے کی نہیں، گِلٹ کی، لیکن رول گولڈ، اس پر رنگ سونے کا چڑھا ہوا تھا، یہ سمجھ کر کہ سونے کی ہے بچی کو مار دیا اور وہ لے لیا۔ مجرم کو پیش کیا گیا۔ وہ مجرم جب اُس کے سامنے آیا تو پوچھا کہ بھائی تو وہی ہے کہ آج سے چند سال پہلے نہر جمنا کھودی جا رہی تھی اُس وقت سونے کا خزانہ میرے پاس لے کر آیا تھا۔ کہا ہاں! میں وہی ہوں۔ کہا: اُس وقت تو اتنی بڑی مقدار میں سونا تو نے لا کر جمع کروایا تھا، گر تم لوگ چُپکے سے لے لیتے تو بھی پتہ نہ چلتا اور جھوٹے سونے کی بالیوں کے لیے تو نے اس کی جان لی۔ کہا: کیا کریں! وہ زمانہ، وہ دور ایسا تھا، ماحول ہی ایسا تھا کہ کسی کی ایک پائی لینا ایسا سمجھا جاتا تھا جیسے سوّر کا گوشت کھا لیا ہو۔ اور آج یہ ماحول ہے کہ جیسا ہو، لاؤ۔ تو ماحول کے اثرات ہوتے ہیں۔ آج ایک مزاج بنتا جا رہا ہے کہ جس طرح ہو کرو تو اپنے آپ کو حرام سے بچانے کی خاص طور پر بڑے اہتمام

سے ضرورت ہے۔ حرام کے بڑے اثرات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول کرتے ہیں

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک اور حلال مال ہی کو قبول کرتے ہیں یعنی کوئی آدمی اللہ کے راستے میں حلال کمائی خرچ کرے تو ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے، حرام مال سے آدمی اللہ کے واسطے دے تو یہ حرام اللہ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتا۔

آگے فرماتے ہیں:

وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يٰأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ وَقَالَ: يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا۔

حرام غذا کے چار نقصانات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جزاء الاعمال کے اندر حرام غذا کے چار نقصانات ذکر کیے ہیں: (۱) دل کا نور چلا جاتا ہے (۲) برے خیالات اور وساوس آتے ہیں (۳) طبیعت میں کاہلی وسستی پیدا ہو جاتی ہے (۴) نیک عمل کے لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ تو بہر حال یہ حرام لقمے کا قدرتی اثر ہے۔

دوسرا فرمانِ رسول

آگے دوسری بات نبیِ کریم ﷺ نے یہ فرمائی: وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ: سنت کے مطابق عمل کیا، یہ سنت پر عمل، اس کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم ﷺ کو اسی لیے مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ تمھیں اپنی زندگی کس طرح گزارنی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے، گویا ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبے کو، ہر حرکت وسکون کو نبیِ کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق بنانا ہے، یہی اصل زندگی کا مقصد ہے، کوئی بھی سنت ہو، نبیِ کریم ﷺ کی کوئی بھی سنت چھوٹی نہیں ہے۔

دو جہاں کی کامیابی گر تجھے درکار ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرمایا کرتے تھے: خاکم بدہن، خاکم بدہن، نبیِ کریم ﷺ کی کوئی سنت چھوٹی سنت نہیں ہے لیکن آپ کی کسی چھوٹی سی سنت کی کل کائنات مل کر کے بھی اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں جو چیزیں عطا فرمائی ہیں، وہ ایسی قیمتی ہیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے، یہ تو ہماری ناقدری کی بات ہے، ہماری غفلت اور بے توجہی کی بات ہے کہ ہم ان قیمتی موتیوں اور جواہرات سے غافل رہتے ہیں، نبیِ کریم ﷺ کے طریقوں کو اپنی زندگی میں لانا گویا ہر مؤمن کا مقصدِ زندگی ہونا چاہیے قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ تم کو

اگر اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

حُبِّ رسول کا خالی خولی دعوی کافی نہیں

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے: گویا جتنی آدمی میں سنت کی اتباع ہوگی، اسی قدر اللہ کی بارگاہ میں اس کو محبوبیت کا مقام حاصل ہوگا، گویا محبوبیت کے پرسنٹیج جو ہیں نا، وہ اس کے اتباع کے پرسنٹیج کے مطابق ہوں گے، جتنا زیادہ اتباع، اتنا ہی زیادہ اللہ کی نگاہوں میں محبوب ہوگا، اب ہمیں اختیار ہے کہ ہم کس درجے کی محبوبیت حاصل کریں تو حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایسا نسخہ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا ہے کہ ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں۔

حضرت حکیم الامتؒ کی اہلیہ کا جذبۂ اتباعِ سنت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھر میں کھانے کے لیے بیٹھا تو لوکی، وہ کدّو جس کو ہم ’’دودھی‘‘ کہتے ہیں وہ سالن میں تھی، خیر! کھالی، پھر دوسرے وقت بھی، تیسرے وقت بھی، چوتھے وقت بھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کئی وقتوں سے سالن میں مسلسل لوکی آرہی ہے تو گھر والی نے کہا کہ میں نے کتاب میں پڑھا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوکی بہت زیادہ پسند تھی، جب سے میں نے اپنے بازار لانے والا جو خادم ہے، اس کو تاکید کردی کہ بازار میں جب تک لوکی ملتی رہے، تم ضرور لانا، ہم اس کو کھاتے رہیں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ جواب سن کر میں تو لرز گیا، ایک عورت کا

جذبہ سنت پر عمل کے بارے میں یہ ہے کہ جب ان کے علم میں یہ بات آئی تو گویا وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کو اپنانے اور ادا کرنے اور اس پر عمل کرنے کا اتنا اہتمام کرنے لگی! حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سارے کام روک دئے، تین دن تک میں نے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیا، اپنی زندگی کے تمام شعبوں کا اور ہر شعبے کے تمام جزئیات کا معائنہ کیا کہ میری زندگی میں کہاں کہاں سنت چھوٹ رہی ہے، جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ الحمد للہ تمام شعبوں میں سنت کا اہتمام ہے۔

بچپن سے یاد کرائی جانے والی سنتوں کی طرف سے ہماری غفلت

آج ہمارے پاس بہت سی سنتیں ہیں، بیت الخلا میں جانے کا سنت طریقہ کہ ہمیں معلوم ہے کہ آدمی پہلے دعا پڑھ لے: بِسْمِ اللّٰهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث، پھر بایاں پاؤں پہلے رکھے پھر دایاں پاؤں رکھے، پھر جب نکلے تو پہلے سیدھا پاؤں نکالے پھر الٹا پاؤں نکالے پھر دعا پڑھ لے: غُفْرَانَكَ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الأَذَى وَعَافَانِي۔

مسجد میں جانے کا سنت طریقہ اور اس وقت کی دعا معلوم ہے، نکلنے کا طریقہ اور اس وقت کی دعا معلوم ہے۔ بہت سی سنتیں ہیں، رات کو سوتے وقت کا سنت طریقہ معلوم ہے لیکن اس کے باوجود حال ہمارا کیا ہے؟ جب قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جانے کا وقت آئے گا تو بھاگے دوڑے چلے جائیں گے، جلدی سے بیت الخلا کھولا اور گھس گئے، نہ دعا یاد رہی، نہ کون سا پاؤں پہلے ڈالنا ہے، کون سا پاؤں بعد میں ڈالنا

ہے، خیال ہی نہیں رہا۔ فارغ ہوئے اسی طرح نکلے۔ مسجد میں آنے کا موقع آیا تو اسی طرح، یعنی یہ سنتیں، یہ چھوٹی چھوٹی سنتیں، ہمیں بچپن سے سکھائی جاتی ہیں، یاد کرائی جاتی ہیں، ہمیں طریقہ بتالا جاتا ہے لیکن ان پر عمل کا اہتمام نہیں، آخر کیا بات ہے؟

سنت کے مطابق عمل کرتے وقت عمل بالسنہ کا استحضار بھی ہو

آج اس مجلس میں جتنے بھی میرے بھائی ہیں، چھوٹے بڑے، سب کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ ایسی بہت سی سنتیں ہیں جو ہمیں اور آپ کو معلوم ہیں، آج یہ طے کرلیں کہ آج ہی سے ان سنتوں پر عمل کا اہتمام کریں گے اور جس وقت عمل کریں، یہ سوچ کر کریں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے تو اسی طرح دعا پڑھتے تھے اور اسی طرح پہلے الٹا پاؤں رکھتے تھے پھر سیدھا پاؤں، میں بھی اسی لیے کررہا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے، یہ سوچ، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں آئے گی، سنت کے برکات آئیں گے۔

عمل بالسنہ کے استحضار کی برکات

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ فرماتے تھے کہ جب تم اس تصور کے ساتھ سنتوں پر عمل کروگے، دیکھو اس کی وجہ سے چند دنوں کے اندر ہماری زندگی میں انقلاب پیدا ہوجائے گا۔ ایک تو سنت پر عمل کرنا ہے اور اس جذبے اور اس نیت کے ساتھ کرنا تو پھر اس کی وجہ سے جو برکات ہمیں حاصل ہوں گی، اس کا تصور بھی ہم نہیں کرسکتے۔

مسلمانوں کی ایذا رسانی سے خود کو بچائیں

اور تیسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ لوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے محفوظ رہیں، ہمیں اور آپ کو اس کا خاص اہتمام کرنا ہے کہ ہماری ذات سے دانستہ، نادانستہ، بالارادہ، بلاارادہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچنے نہ پائے، ایک مسلم کے اسلام کا اور ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ذات سے، زبان سے، ہاتھ سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پاک ارشاد پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسلامی معاشرت: حقوق اور آداب

بمقام: ویراول، اکبری مسجد

بتاریخ: ۱۴/ ۴/ ۲۰۱۱

اقتباس

شنیدم کہ مـــردانِ راہِ خـدا		دلِ دشمناں ہم نـہ کردند تنگ
ترا کے میســر شود ایں مقـام		کہ بادوستانت خلاف ست و جنگ

ہم نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دل بھی دُکھایا نہیں کرتے، اے مخاطب! تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ تیری تو اپنے دوستوں کے ساتھ لڑائیاں ہیں۔

آج ہمارا حال یہی ہے، ہمارے ماں باپ، ہمارے بھائی، ہماری بیوی بچے ہم سے تنگ ہیں، آدمی جب گھر میں آتا ہے تو بچے بھی دعا کرتے ہیں کہ یہ بلا کب جاوے کہ جب تک گھر میں رہے گی، مصیبت ہی مصیبت ہے، ہمارا یہ حال ہے گھر میں تو دوسروں کا کیا پوچھنا۔

ضرورت ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے وجود کو اپنے لیے بھی اور ساری دنیا کے لیے، ساری انسانیت کے لیے بھی نفع بخش بنانے کی کوشش کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا.

وقال النبی ﷺ: اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُونَ مِنۡ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالۡمُؤۡمِنُ مَنۡ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمۡ وَأَمۡوَالِهِمۡ (۱).

وقال النبی ﷺ: كُلُّ الۡمُسۡلِمِ عَلَى الۡمُسۡلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرۡضُهُ (۲).

وقال النبی ﷺ: لَا يُؤۡمِنُ أَحَدُكُمۡ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفۡسِهٖ (۳).

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

---

(۱) ترمذی، عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الۡمُسۡلِمَ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُونَ مِنۡ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ.

(۲) ابنِ ماجة، عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ حُرۡمَةِ دَمِ الۡمُؤۡمِنِ وَمَالِهٖ. /مسلم شريف

(۳) صحيح بخاری، عَنۡ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ بَابٌ مِنَ الإِيمَانِ أَنۡ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفۡسِه.

گذشتہ سے پیوستہ

میرے قابلِ احترام بھائیو! کل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت آپ کے سامنے پیش کی تھی، جس کے تین اجزاء تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت ابوسعید خدریؓ نے نقل فرمایا تھا: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (۱): جس نے حلال غذا کھائی اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذا رسانیوں سے مامون اور محفوظ رہے تو وہ آدمی جنت کے اندر داخل ہو گیا، کل اس حدیث کے دو اجزاء کی بقدرِ ضرورت تشریح کی گئی تھی، آخری جزء باقی تھا، آج اسی کے متعلق کچھ باتیں عرض کروں گا۔

آیت وحدیث کا خلاصہ

ابھی آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی ایک آیت اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات پڑھے گئے، یہ سورۂ احزاب کی آیت ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ: جو لوگ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو، بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا، بغیر اس کے کہ انھوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس کی وجہ سے وہ لائقِ سزا ٹھہرے، ان کو ایذا پہنچانا چاہتے ہیں، فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا، ایسے لوگ اپنے اوپر بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ لے رہے ہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیفوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے کہ جس سے لوگ اپنی

---

(۱) سننِ ترمذی، المستدرک علی الصحیحین، کتاب الأطعمة.

جان اور مال کے سلسلے میں اس کی طرف سے مامون ہوں اور حضور ﷺ نے فرمایا: **كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ: پورا کا پورا مسلمان دوسرے مسلمان کے اوپر حرام ہے، اس کی جان بھی، اس کی عزت وآبرو بھی اور اس کا مال بھی۔**

اور حضور ﷺ نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: **تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔**

ابھی آپ کے سامنے قرآنِ پاک کی آیت اور نبیِ کریم ﷺ کے ارشادات پڑھے گئے، ان کا ترجمہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، اس آیت میں اور نبیِ کریم ﷺ کے ارشادات میں دراصل دین کی اہم شعبے کی درستگی کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

دین کے پانچ شعبے، پہلا شعبہ: عقائد

دین کے پانچ شعبے ہیں: ایک تو عقائد کا شعبہ ہے کہ اپنے عقیدوں کو درست کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حضراتِ انبیاء کی نبوت ورسالت اور قیامت، جنت، دوزخ وغیرہ جو ہمارے عقائد ہیں، ان کو درست کریں، یہ تو گویا بنیادی چیز ہے، اسی لیے عقیدے میں اگر کوئی کمی رہ گئی تو اس کی وجہ سے آدمی مؤمن نہیں رہتا۔

دوسرا شعبہ: عبادات

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے، یہ وہ شعبہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق استوار کرتا ہے، قائم کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے گویا اللہ کا

حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان عبادات میں نماز ہے، روزہ ہے، زکوۃ ہے، حج ہے، یہ سب اسلام کے بنیادی فرائض قرار دیئے گئے ہیں۔

تیسرا شعبہ: اخلاق

تیسرا شعبہ ہے اخلاق کا، اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کو مختلف کیفیتوں سے مکیف فرمایا ہے، ہمارے دل میں مختلف کیفیتیں پیدا فرمائیں، اچھی بھی اور بری بھی۔ کوئی عمل ہم کرنے جارہے ہیں، اس عمل کے متعلق دل میں یہ کیفیت ہو کہ یہ عمل اللہ کو راضی اور خوش کرنے کے لیے کر رہا ہوں، کسی قسم کی نام آوری یا شہرت یا لوگوں کے نزدیک ہماری عزت ہو، کوئی چیز مطلوب نہ ہو، اس کو شریعت کی اصطلاح میں اخلاص کہتے ہیں؛ ہر عمل، ہر عبادت اخلاص کے ساتھ ادا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة:۵]

ریا اور سمعہ: موجبِ عذاب اخلاق

اگر اس میں دوسرا کوئی جذبہ کارفرما ہو، دل میں یہ خیال ہو کہ میں نماز پڑھوں، مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں میرے متعلق یہ خیال پیدا ہو کہ یہ اللہ کا بڑا عبادت گزار بندہ ہے۔ نام آوری کے لیے، لوگوں کی نگاہوں میں اچھا بننے کے لیے، نماز پڑھے تو یہ نماز جو ہے، وہ اللہ کے لیے نہیں رہی بلکہ لوگوں کے لیے بن گئی اور اس پر بجائے اس کے کہ ہمیں کچھ ثواب ملتا، الٹی سزا ہوگی۔ یہ اخلاص کے مقابلے میں ریا

اورسمعہ اور دکھلاوا اور شہرت ہے۔

زہد اور حبِّ دنیا

اسی طریقے سے ایک ہوتی ہے دنیا سے بے رغبتی کہ آدمی اپنا دل دنیا کی طرف نہ لگائے، آخرت کی فکر کرے، دنیا کی طرف سے اس کا دل ہٹا ہوا ہو، آخرت کی طرف متوجہ ہو، جس کو زہد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں ہے دنیا کی محبت، یہ دنیا کی محبت ہی ہے جس کی وجہ سے آدمی بہت سے گناہ کرتا ہے، چور اسی کے لیے چوری کرتا ہے، بھائی اپنی بہن کا حق اسی لیے ادا نہیں کرتا کہ دل میں دنیا کی محبت ہے، ایک تجارت کرنے والا تاجر اپنے گاہک کو دھوکہ دیتا ہے، اسی لیے کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے مال جمع کرنا چاہتا ہے تو یہ دنیا کی محبت جو ہے، بہت ساری خرابیوں کو لاتی ہے، یہ بھی دل کی ایک کیفیت ہے اور دنیا سے بے رغبتی جس کو زہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ بھی دل کی ایک کیفیت ہے۔

تواضع اور تکبّر

اسی طرح تکبر کہ کوئی آدمی دوسروں کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے، اس کے بالمقابل آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر سمجھے جس کو تواضع کہتے ہیں، یہ جو دل کی مختلف کیفیتیں ہیں، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سجدہ ہو بے خلوص تو سجدہ بھی گناہ ہے

یہ بہت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اعمال کے مقابلے میں بھی اخلاق کو اونچا

درجہ دیا گیا ہے، اس کو ترجیح دی گئی ہے، اس لیے کہ اگر اس میں بگاڑ آئے گا تو اعمال بھی اپنی حیثیت کھودیں گے۔ دل میں ریا، سمعہ ہے، شہرت کا جذبہ ہے، نماز پڑھوگے، روزہ رکھوگے، پیسے خرچ کروگے، مسجد بناؤگے، مدرسہ بناؤگے، یہ سارے اعمال بے کار ہیں، آپ سمجھتے ہوں کہ یہ اعمال ہمیں جنت میں لے جائیں گے تو نہیں لے جائیں گے تو یہ اخلاق کی درستگی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

اخلاقی امراض کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، دل کی کیفیات کے متعلق تو کوئی تذکرہ ہوتا ہی نہیں، دل کی یہ ایسی خطرناک بیماریاں ہیں جو آدمی کے دین کو ختم کردیتی ہیں لیکن اگر آج کسی کو کینسر ہوجائے یا کسی کو اور مہلک مرض ہوجائے تو اس کے متعلق ہمارے دل میں ہمدردی ہوتی ہے، اگر اس کے پاس انتظام نہیں ہے تو اس کے علاج معالجے کے سلسلے میں اس کا تعاون کرتے ہیں، لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں لیکن آج ہمارے قلوب میں یہ سب خطرناک بیماریاں بھری ہوئی ہیں لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے، یہ بہت اہم چیز ہے۔ صوفیا کے یہاں تصوف میں اسی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، ان بیماریوں کو دل میں سے ختم کرکے اچھائیوں کو پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ ہیں اخلاق۔

چوتھا شعبہ: معاملات

اور معاملات: ہم بازار میں بیٹھ کر کے خرید وفروخت کرتے ہیں، کسی کے پاس کوئی چیز رہن کے طور پر رکھی، کسی سے کوئی چیز رہن کے طور پر لی، کوئی چیز کرایے پر

دی، کرایے پرلی، یہ سب امور معاملات کہلاتے ہیں، یہ بھی دین کا ایک شعبہ ہے، اس کے متعلق بھی شریعت نے ہمیں ہدایتیں دی ہیں۔

پانچواں شعبہ: معاشرت

اور ایک شعبہ ہے معاشرت کا، یہ پانچواں شعبہ ہے، معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا پیدا فرمایا ہے کہ وہ تنہا زندگی گذار نہیں سکتا بلکہ اس کو زندگی گذارنے کے لیے اپنے ابنائے جنس، اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے بلکہ اکیلے زندگی گذارنے سے شریعت نے منع کیا ہے، ہمارے یہاں رہبانیت نہیں ہے، لا رهبانية في الإسلام (۱): بلکہ ہمیں یہ کہا گیا کہ سماج میں رہو اور اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارو۔

الْمُسْلِمُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ (۲) جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مسلمان کے مقابلے میں جو تنہا رہتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے، جس پر صبر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پہلے والا مسلمان اس دوسرے سے بہتر ہے۔

---

(۱) ویروي لا رهبانية في الإسلام (شرح السنة، باب فضل القعود في المسجد لانتظار الصلاة)

(۲) مسند طيالسی، ما روی يحيى بن وثاب عن ابن عمر رضي الله عنهم، لفظه: الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُسْلِمُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ، أَوْ أَفْضَلُ مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ.

معاشرت کا شرعی مفہوم

تو بہر حال! معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ ہم جب زندگی گذارتے ہیں تو اپنے اعزہ سے، ماں باپ، سے، بھائی بہن سے دادا، دادی، نانا، نانی، دوسرے رشتہ داروں سے واسطہ پڑتا ہے، باہر نکلے گا تو پڑوسی کا گھر لگا ہوا ہے تو اس کے ساتھ واسطہ پڑے گا، دوکان پر بیٹھے گا تو جو لوگ اس کے پاس آئیں گے معاملہ کرنے کے لیے، ان سے سابقہ پڑے گا، سفر کرے گا تو اس میں اجنبی اور دوست واحباب کے ساتھ واسطہ پڑے گا۔ یہ جو مختلف مواقع میں لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، اس وقت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کس طرح پیش آئے؟ اس کا طریقہ بھی شریعت نے بتلایا ہے، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں معاشرت کہتے ہیں۔

معاشرت کی اہمیت شریعت کی نظر میں

یہ معاشرت جو ہے، وہ دین کا ایک بہت اہم شعبہ ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض مقامات پر معاشرت کے بعض مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عبادات کے مسائل اتنی تفصیل سے بیان نہیں کیے ہیں، نماز کا حکم قرآن میں ۷۰؍ سے زیادہ جگہ پر دیا گیا ہے لیکن نماز کی ادائگی کا طریقہ قرآن میں کہیں تفصیل سے بتایا نہیں گیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے نماز امت کو سکھلا کر ایک ہدایت کردی: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (۱) لیکن معاشرت کے بعض احکام وہ ہیں جو

(۱) صحیح بخاری شریف، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ ➡

قرآنِ کریم میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

معاشرت کا ایک شعبہ: استیذان اور اس کی اہمیت

مثلاً ایک آدمی دوسرے کے گھر جارہا ہے تو اس کو اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے، کل میں نے اس سلسلے میں بات بتلائی تھی، وہ تو ضمناً آ گئی تھی، یہ استیذان یعنی کسی کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت طلب کرنا، با قاعدہ قرآن میں اس مسئلے کی تفصیل بیان کرنے کے لیے پورے دو رکوع لائے ہیں اور احادیث میں بے شمار ارشادات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، حضراتِ محدثین با قاعدہ کتاب الاستیذان کے نام سے عنوان قائم کر کے مختلف ابواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں، گویا یہ دین کا ایک پورا شعبہ ہے تو یہ استیذان معاشرت سے تعلق رکھنے والا ایک شعبہ تھا، اس کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ اہتمام کیا کہ دو رکوع نازل فرمائے۔

قرآن میں زوجین کے باہمی حقوق کا بیان نماز سے زیادہ مفصل ہے

میاں بیوی کے آپس کے معاملات کے سلسلے میں قرآنِ پاک میں بعض مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ میاں بیوی کے آپس کے معاملے کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کو بہت تفصیل سے بیان فرمائے، جب کہ نماز کے مسائل اتنی تفصیل سے بیان نہیں کیے گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرت کی حیثیت شریعت کی نگاہ میں کیسی ہے! اس کو کتنی اہمیت دہ گئی ہے۔ آج ہم نے اس شعبے کو گویا دین سے خارج

➲ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الأَذَانِ وَالصَّلاَةِ وَالصَّوْمِ وَالْفَرَائِضِ وَالأَحْكَامِ.

کردیا، آج کل تو ہمارے یہاں دین کا خلاصہ صرف اتنا ہی ہے کہ کچھ عبادات ادا کرلیتے ہیں اور عبادات میں بھی صرف نماز اور نماز بھی کس طرح ادا کرتے ہیں، وہ ہم ہی جانتے ہیں کہ ہماری نمازوں کا کیا حال ہے!

قلیل العبادت، پڑوسیوں کو راحت پہنچانے والی عورت پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے والی عبادت گزار عورت سے بہتر ہے

تو بہرحال! یہ معاشرت جو ہے، وہ ایک بڑا اہم شعبہ ہے، اس میں کوتاہی کی صورت میں بندوں کے بہت سارے حقوق ضائع ہوتے ہیں، حدیث میں آتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک عورت ہے جو بہت زیادہ اہتمام کرتی ہے عبادات کا اور نماز، روزہ وغیرہ کی پابند ہے لیکن اس کے پڑوسیوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے اور ایک دوسری عورت ہے جو فرائض پر اکتفا کرتی ہے، نوافل کا زیادہ اہتمام نہیں کرتی لیکن پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے اس کی پڑوسی عورتیں اس سے راضی اور خوش ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے(۱)۔

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا، وَصِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: هِيَ فِي النَّارِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، وَصَلَاتِهَا، وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ، وَلَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: هِيَ فِي الْجَنَّةِ (مسندِ احمد)

معاشرت کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ کا مثالی مزاج

دیکھو! معاشرت کے احکام کا لحاظ کرنے پر جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا گیا، یہ معاشرت جو ہے، بڑی اہمیت کی حامل ہے، ہمارے اکابر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، حضرت فرمایا کرتے تھے، خانقاہوں کے متعلق عام طور پر ایسا خیال ہوتا ہے کہ لوگ وہاں جا کر کے ''اللہ اللہ'' کرتے ہیں، ذکر میں، تسبیحات میں، تلاوت میں، مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں، حضرتؒ کے یہاں معاملات کی درستگی پر اور معاشرت کی درستگی پر بڑا زور دیا جاتا تھا، حضرت فرمایا کرتے تھے: مجھ سے جو اصلاحی تعلق رکھنے والے ہیں، ان میں سے کسی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا ہے کہ معمولات میں کوتاہی کرتا ہے کہ اس کو دس تسبیحات بتائی گئی، وہ اس کے بجائے پانچ کرتا ہے تو رنج تو ہوتا ہے لیکن اگر کسی کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرت سے تعلق رکھنے والے احکام کے اندر اس نے کوتاہی کر کے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق میرے دل میں نفرت سی آجاتی ہے۔

انسانیت بھی شرط ہے انسان کے لیے

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اگر تم کو صوفی بننا ہے، زاہد بننا ہے، عابد بننا ہے تو بہت ساری خانقاہیں موجود ہیں، وہاں چلے جاؤ، ہمارے یہاں تو انسان بنائے جاتے ہیں، پہلے انسان تو بن جاؤ، زاہد بننا، مسلمان بننا، عابد بننا، صوفی بننا تو بعد کی چیز ہے، کم سے کم جانوروں کی سطح سے بلند ہو کر انسان تو بنو۔

جانوروں کی تین قسمیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جانوروں کی تین قسمیں بتائی ہیں: جانور کی ایک قسم تو وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ ہی پہنچاتی ہے، یہ پالتو جانور جتنے بھی ہیں: گائے، بھینس، بکری وغیرہ، ان کا کام کیا ہے؟ انسانوں کو فائدہ ہی پہنچاتے ہیں، دودھ دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب عمر ہوتی ہے اور دودھ دینے کے قابل نہیں رہتے تو ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور اپنے گوشت سے، اپنی کھال سے انسانوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہے، فائدہ نہیں پہنچاتی، جیسے: درندے، جنگلی جانور، پھاڑ کھانے والے، سانپ، بچھو وغیرہ۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو نہ فائدہ پہنچاتی ہے، نہ نقصان، جیسے جنگل میں بہت سارے جانور ہیں، گیدڑ ہے، لومڑی ہے، اور بھی بہت سے جانور ہیں جو نہ فائدہ پہنچاتے ہیں، نہ نقصان۔

اپنے منصب سے انسان تو گر گیا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے انسان! تو نے اگر یہ سوچ ہی لیا ہے کہ اشرف المخلوقات کی سطح سے نیچے اتر کر جانور ہی بننا چاہتا ہے تو کم سے کم پہلی قسم کا جانور بن جا اور لوگوں کو فائدہ پہنچا اور اگر پہلی قسم کا جانور نہیں بنتا تو کم سے کم تیسری قسم کا بن کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے، ورنہ دوسری قسم میں داخل ہو جاؤ گے۔

تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف پہنچے، شریعت ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی، کسی کو بھی ایذا پہنچانا یہ حرام قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سارے ارشادات فرمائے اور اصول بھی ہیں، جزئیات بھی ہیں، بعض ضمنی طور پر بھی ارشادات ہیں اور اصولی طور پر بھی بعض باتیں ایسی فرمائیں کہ اگر آدمی اس کو اختیار کر لے تو اس کی معاشرت درست ہو سکتی ہے اور لوگوں کو اس کی ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے.......

ابھی آپ کے سامنے جو ارشادات پیش کیے گئے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ: مسلمان وہ ہے یعنی حقیقی مسلمان کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ بھائی! دیکھئے، کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی اس کو کافر نہیں کہتا لیکن لوگ بہر حال یہ ضرور کہیں گے: یہ کیسا مسلمان ہے! مسلمان ہے اور نماز نہیں پڑھتا! گویا یہ حقیقی مسلمان نہیں ہے، اسی طریقے سے جو شخص دوسروں کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچاوے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ اعضاء اس لیے نہیں دئے کہ ہم لوگوں کو اس کے ذریعہ سے تکلیف پہنچائیں، زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ جب سے اس کی خدمت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، بچہ جب بولنا سیکھتا ہے، وہاں سے لے کر موت تک برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے، یہ ایسی مشین ہے کہ جس کو سروس

کرانے کی ضرورت نہیں پڑتی، نہ تیل ڈالنا پڑتا ہے، نہ اور ہولنگ کرنی پڑتی ہے، بس اس کی خدمات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ بڑھاپے میں بھی دوسرے اعضاء تو جواب دے دیتے ہیں، آنکھوں کی بینائی میں کمی آ جاتی ہے، کانوں کی شنوائی میں کمی آ جاتی ہے، ٹانگوں کی قوت کم ہو کر کے چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی ہے لیکن یہ زبان، اس کی قوت گھٹتی نہیں ہے۔

ہماری ہر بات اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ رہتی ہے

یہ زبان جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب وغریب نعمت ہے اور اس کو صحیح استعمال کرنے اور اس کی حفاظت کی بڑی تاکید احادیث میں آئی ہے، قرآنِ پاک میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ [ق:۱۸] کہ آدمی جو بات اپنی زبان سے نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی باتوں کو نوٹ کرتا ہے، ہم جو بول بولتے ہیں نا تو ہمارا بولا ہوا بول ہوا میں تحلیل نہیں ہو جاتا بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہوتا ہے، کل کو قیامت میں جب ہمارے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا تو آدمی اس کو دیکھ کر کیا کہے گا: ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ [الکہف:۴۹] اس نوشتے کو کیا ہو گیا کہ کوئی چھوٹا بڑا گناہ رہا ہے ہی نہیں کہ اس کو لکھا نہ گیا ہو۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اگر اب سے پانچ منٹ پہلے کوئی کچھ بولا ہونا، پھر اس سے کہا جائے کہ ابھی تو نے یہ کہا تھا تو وہ کہے گا کہ نہیں نہیں، میں نے تو یہ نہیں کہا تھا، چار آدمی آ کر کہیں گے کہ تم نے یہ کہا تھا تو وہ

کہے گا کہ بھول ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا(۱): اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالو جس کے متعلق تم کو بعد میں معذرت پیش کرنی پڑے، معافی تلافی کرنی پڑے کہ بھائی مجھ سے بھول ہوگئی، پہلے سے سوچ کر بولو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تو لو اور پھر بولو۔

جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو........

زبان بڑی اہمیت رکھتی ہے، بخاری شریف میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ(۲) جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان اور اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ کہ وہ ان اعضاء کو غلط استعمال نہیں کرے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔

زبان کی حفاظت نجات کا ذریعہ ہے

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ دریافت کیا تو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں پہلی بات یہ تھی: أَمْسِكْ

---

[۱] مسندِ احمد، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ

[۱] بخاری شریف، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ.

عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۱): اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔

زبان کے سلسلے میں حضرت صدیقِ اکبرؓ کی احتیاط

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضراتِ انبیاءؑ کے بعد انسانوں میں سب سے افضل ہیں، اپنی زبان کے متعلق کتنے محتاط تھے! مشکوۃ شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر مروڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے: إِنَّ هٰذَا الَّذِي أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ (۲): اسی نے مجھے ہلاکتوں کے اندر ڈالا ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے؛ تاکہ بلاضرورت بولنے کی نوبت نہ آئے، گویا زبان کو لوک (lock) کرتے تھے۔ لوک کی تو ہمیں ضرورت ہے، ہماری زبانیں قینچی کی طرح چلتی رہتی ہیں، ضرورت ہے کہ ہم اس پر تالا لگائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی لیے منہ میں کنکر رکھتے تھے۔

زبان ایک درندہ ہے

اس زبان کو بڑے اہتمام سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں اور تفسیر میں ان کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ زبان درندہ ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑوں گا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔

---

(۱) سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِی حِفْظِ اللِّسَانِ وتمام الحدیث: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

(۲) مشکوۃ شریف، موطا امام مالک علیہ الرحمۃ، باب ما جاء فیما یخاف من اللسان.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، فرماتے ہیں: اگر لمبی قید کی کوئی چیز حق دار ہے تو وہ زبان ہے کہ اس کو قید میں رکھا جائے۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ اور لایعنی کلام

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، جب وہ مجلس میں آتے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو اپنے قریب بٹھلاتے تھے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے تھے اور جب ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے: لَوْ رَآكَ رَسُولُ اللّٰهِ لأَحَبَّكَ (۱) اللہ کے رسول اگر تمھیں دیکھتے تو تم سے محبت کرتے۔ ان کے متعلق ہے کہ بیس سال تک کبھی اپنی زبان سے دنیا کی کوئی بات نہیں نکالی (۲)، ان کا معمول تھا کہ جب بیٹھتے تھے تو قلم اور دوات لے کر بیٹھتے تھے، جب کوئی بات زبان سے نکالی تو اس کو لکھ لیتے تھے، شام کو بیٹھ کر سب دیکھ کر اپنا محاسبہ کرتے تھے اور بے جا، بلاضرورت بات کو اپنی زبان سے نہیں نکالتے تھے، لایعنی بات کو کبھی اپنی زبان سے نہیں نکالی یعنی ایسی بات جس میں نہ دنیا کا فائدہ ہو، نہ دین کا فائدہ ہو۔

روزی کھا رہے ہیں اور اپنی موت انتظار کر رہے ہیں

ان سے جب کوئی سوال کرتا: کیف أصبحتَ: آپ نے کس حال میں صبح

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۷/ ۲۸۹

(۲) قَالَ فُلاَنٌ: مَا أَرَى الرَّبِيْعَ بنَ خُثَيْمٍ تَكَلَّمَ بِكَلاَمٍ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً، إِلاَّ بِكَلِمَةٍ تَصْعَدُ (ایضًا)

کی؟ تو جواب میں فرماتے تھے: أصبحنا ضُعفاءَ مُذنِبینَ، نا کل ارزاقنا وننتظر اٰجالَنا: ہم نے کمزور اور گناہ گار ہونے کی حالت میں صبح کی، روزی کھا رہے ہیں اور اپنی موت انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت حسّان بن ابی سنانؒ اور لایعنی کلام

مِنْ حُسْنِ إِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالاَ يَعْنِيهِ(۱): انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے ضرورت چیزوں کو چھوڑ دے۔ ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرت حسّان بن ابی سنان ایک بزرگ ہیں، تابعی ہیں، ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک مکان پر نظر پڑی، نیا نیا بنا تھا، اتفاقاً ساتھیوں سے پوچھ لیا کہ یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا، معاً دل میں خیال آیا کہ میں نے بے کار سوال کر لیا، پھر دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو نے بے ضرورت سوال پوچھ لیا، میں اس کی سزا میں ایک سال کے روزے رکھوں گا۔ ان حضرات کا یہ حال تھا، حالاں کہ یہ کوئی گناہ کا جملہ نہیں تھا لیکن اتنے زیادہ محتاط تھے، اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، ان کی نگاہیں تک بلا ضرورت کسی چیز پر پڑتیں تو اس پر توبہ وندامت کا اظہار کرتے تھے۔

اتنے سال ہو گئے، میں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا نہیں

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا، گھر میں داخل ہوا، اوپر کی طرف دیکھا تو ایک کڑی ٹوٹی ہوئی تھی، کہنے لگا کہ حضرت! آپ کے کمرے کی یہ کڑی

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ كَفِّ اللِّسَانِ فِي الْفِتْنَةِ.

ٹوٹی ہوئی ہے تو بزرگ نے جواب دیا کہ اتنے سال سال ہو گئے، میں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا ہی نہیں، ان کو چھت کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں، یہ حضرات اپنے اوقات کو اللہ کی یاد میں گذارنے کا ایسا اہتمام کرتے تھے کہ کھانے پینے کے اوقات میں سے بھی کٹوتی کر کے اس کو اللہ کی یاد میں گذارتے تھے۔

اس میں میں ۷۰ ر مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں

حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ۷۰ ر مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا۔ ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں وقت کو گذارنے کے لیے ۴۰ ر سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کی نعمت کی قدر کی اور اس سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، وہ اٹھایا۔

لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ زبان اللہ کی نعمت ہے، اللہ نے اس لیے نہیں دی کہ ہم اس کے ذریعہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچائیں، یہ زبان کی جو تکلیف ہے، وہ بڑی

خطرناک ہے، کبھی کبھی تو وہ ہاتھ کے ذریعہ سے پہنچنے والی تکلیف سے آگے بڑھ جاتی ہے، عربی میں شعر ہے:

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامُ		وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ (۱)

نیزے کے ذریعہ سے جو زخم لگایا جاتا ہے نا، وہ بھر جاتا ہے، وہ ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن زبان کے ذریعہ سے جو زخم لگایا جاتا ہے، وہ بھرتا نہیں ہے، جیسے گالی دے کر اور طعنہ دے کر کے جو تکلیف پہنچائے، آدمی زندگی بھر اس کو بھولتا نہیں ہے، یہ زبان جو ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

جو اپنے لیے پسند کرو، وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو

اور دوسرا ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: زبان کے معاملے میں بھی: اگر ہم کسی کو کوئی بات کہنا چاہتے ہیں تو سوچیں: ایک تو یہ کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو مجھے اس کے بارے میں جواب دینا ہے، دوسرا یہ کہ جو بات دوسرے کو کہنے جا رہا ہوں، اگر یہی بات مجھے کہی جاتی تو کیا مجھے یہ بات گوارا تھی؟ اگر میں یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو مجھے اپنے بھائی کے لیے بھی یہ بات پسند نہیں کرنا چاہیے: أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ (۲) لوگوں کے لیے بھی وہی چیز پسند کرو جو

(۱) فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے: كقول المرتضى كرم الله وجهه: جراحات السنان لها التئام "البيت (۶/۱۷۹)

(۲) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ.

اپنے لیے پسند کرتے ہو، ہم جو جملہ، جو بات اپنے لیے گوارا نہیں کرتے، اپنے بھائی کے لیے کیوں گوارا کرتے ہیں؟ اگر ہم کسی کو گالی دیں، وہ ہمیں گالی دے تو کیا ہم اس کو گوارا کریں گے؟ ہم کسی پر تہمت لگائیں، کوئی ہم پر تہمت لگائے گا تو کیا ہم اس کو برداشت کریں گے، ہم اس کو پسند کریں گے؟ نہیں، پھر ہم دوسروں پر کیوں تہمت لگاتے ہیں؟ ہم لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، کوئی ہماری، آپ کی غیبت کرے تو کیا ہم اور آپ اس کو گوارا کر سکتے ہیں؟

اپنی غیبت پسند نہیں تو اپنے بھائی کی غیبت بھی مت کرو

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے غیبت کے متعلق ایک مضمون ''جنگ'' کے اندر لکھا تو ایک وکیل صاحب کا خط آیا کہ آپ نے تو ہماری زندگی کا مزا کِرکِرا کر دیا، چند احباب ساتھ مل کر کچھ باتیں اِدھر اُدھر کی کر لیتے ہیں تو اس کی وجہ سے ذرا لطف آ جاتا ہے اور آپ نے تو یہ کہا کہ یہ غیبت ہے اور اس کی وجہ سے گناہ ہوگا تو وہ جو زندگی کا تھوڑا بہت لطف تھا، وہ بھی ختم ہو گیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو جواب میں لکھا کہ دوسروں کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے میں آپ کو جو مزا آتا ہے تو آپ نے ذرا سوچا کہ اگر کوئی آپ کی اس طرح غیبت کرے گا تو کیا آپ کو یہ گوارا ہوگا؟ کیا آپ اس کو پسند کریں گے؟ جب خود آپ اس کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اپنے بھائی کے لیے کیوں پسند کرتے ہیں؟

ذخیرۂ احادیث کا خلاصہ چار حدیثوں میں ہے

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، حدیث کی جو مشہور

کتابیں ہیں، جن کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے، ان میں سے ایک سننِ ابوداود بھی ہے۔ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں حاصل کیں اوران میں سے منتخب کر کے ۴۸۰۰/ حدیثیں میں نے اپنی اس کتاب کے اندر جمع کی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے ارشادات کا خلاصہ چار حدیثیں ہیں، ان چار میں ایک یہ ہے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ کہ تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں بن سکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے(۱)۔

معاشرت کی درستگی کے لیے ایک رہنما اصول

معاشرت کی درستگی کے لیے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسا اصول بتادیا کہ اگر ہم اس کو اختیار کرلیں تو کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں، جو معاملہ ہم دوسرے کے ساتھ کرنے جارہے ہیں، پہلے سوچ لو کہ اگر وہ معاملہ میرے ساتھ کیا جاتا تو میں اس کو برداشت کرتا؟ مثلاً آپ کسی کو گالی دینا چاہتے ہیں تو سوچ لیجیے کہ اگر کوئی ہمیں گالی دیتا تو کیا ہم اس کو گوارا کرتے؟ اگر آپ کسی پر تہمت لگانا چاہتے ہیں تو پہلے سوچ لیجیے کہ اگر کوئی ہم پر تہمت لگاتا تو ہم اس کو برداشت کرتے؟ ہمارا نفس کسی کی ماں، بہن کو بری نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہے تو پہلے سوچ لیجیے کہ اگر کوئی شخص ہماری بہن کو بری نگاہ

(۱) دوسری حدیث: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، تیسری حدیث: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ، چوتھی حدیث: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ۱/۵۷) امام ابوداود کے الفاظ ہیں: لا يؤمن أحدكم حتى يرضى لأخيه ما يرضى لنفسه.

سے دیکھتا تو کیا ہم اس کو پسند کرتے؟ جب وہ پسند نہیں کرتے تو یہ کیوں پسند کرتے ہو؟ ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں، ہمارے پاس دو ''ماپ'' ہیں: لوگوں کے لیے الگ اور اپنے لیے الگ، یہ طریقہ اچھا نہیں ہے، ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو بتلایا: أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ: لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو ہماری معاشرت جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

عبادات کی ادائیگی میں بھی دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ معاشرت کے متعلق بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، کسی کو تکلیف پہنچانا شریعت کو گوارا نہیں ہے، یہاں تک کہ عبادات کے اندر بھی اگر کوئی ایسا پہلو نکل آتا ہے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس صورت میں شریعت آپ کو کہے گی کہ دوسرے کو تکلیف مت پہنچاؤ۔

باجماعت نماز کی سخت تاکید

جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ شریعت میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، احادیث میں آتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے، عشا کی جماعت میں یا فجر کی جماعت میں تو میرا جی یہ چاہتا ہے کہ مسجد میں کسی کو نماز کے لیے کھڑا کر کے میں ان کے گھروں میں جاؤں اور جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، ان کے گھروں کو آگ لگاؤں (۱)۔ اتنی زیادہ تاکید ہے اور جماعت چھوڑنے والے کی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب وُجُوبِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ.

گواہی بھی شریعت قبول نہیں کرتی، گویا جماعت کے ساتھ نماز کی بڑی تاکید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے باجماعت نماز کا اہتمام

خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الوفات میں، جس بیماری میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، اتنا اہتمام کہ دو آدمیوں کے سہارے سے، پاؤں مبارک کو گھسٹتے ہوئے، مسجد میں آتے تھے، جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی، تب آپ نے چند نمازیں گھر میں ادا کیں، ورنہ اس طرح آ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت میں شرکت کی ہے، جماعت کی شرکت اتنی اہم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے مسلم شریف میں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین ہی جماعت چھوڑنے کی ہمت کرتے تھے، جماعت کا اس قدر اہتمام تھا(۱)۔

عبادت کیا کہ جس سے ہو تکلیف اور کو

لیکن اس کے باوجود ایک آدمی ہے جس کو کوئی ایسی بیماری ہے، جس کی وجہ سے اس کے جسم سے بدبو آتی ہے، منہ سے بدبو آتی ہے، بیماری کی وجہ سے بدبو آتی ہے، اب اگر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جائے گا تو اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اسلام اس کو کہتا ہے کہ بھائی! اب تم کو جماعت سے نماز کی ضرورت

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلاةِ إِلاَّ مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلاةَ - وَقَالَ - إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ (صحیح المسلم، باب صَلاةُ الْجَمَاعَةِ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى)

نہیں ہے، اپنے گھر میں پڑھو، تم کو وہاں بیٹھے بیٹھے جماعت کا ثواب مل جائے گا، مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے، تمہارا آنا لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔

ایذا رسانی کی صورت میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی ممانعت

حجرِ اسود کا بوسہ دینا اس کی بڑی فضیلت ہے، یمین اللہ کہا گیا، حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ قرار دیا گیا، اس کے بوسے سے گناہ کا جھڑنا بتایا گیا لیکن تاکید فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم توانا آدمی ہو، کہیں تمہاری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تکلیف پہنچا کر بوسہ دینے کی شریعت اجازت دیتی نہیں ہے۔

ایذا رسانی کی صورت میں کلامِ پاک کی ممانعت

قرآنِ پاک کی تلاوت بڑا نیکی کا کام ہے لیکن رات کو لوگ سوئے ہوئے ہیں اور آپ وہاں قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں اور آپ کی تلاوت کی وجہ سے لوگوں کی نیند میں خلل پڑتا ہے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

ایک واعظ کو زور سے تقریر کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

ایک صاحب مسجدِ نبوی میں وعظ کہتے تھے اور ان کے زور سے بولنے کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہلوایا لیکن اس نے دھیان نہیں دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا، ان کو کہلوایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو بلا کر منع کر دیا پھر اس آدمی نے دوبارہ اسی طرح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آئندہ تو نے ایسا کیا تو اس لکڑی سے تیرے سر پر ماروں گا۔

اپنا شوق پورا کرنے میں دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائیں

مسجد میں جتنا مجمع ہو، اس کی مناسبت سے آواز بلند ہونی چاہیے، اس سے زیادہ آواز نہیں ہونی چاہیے، آج کل ایک عام مزاج بنتا جارہا ہے کہ جو لاؤڈ اسپیکر (loudspeaker) ہوتے ہیں، ان اسپیکروں کے ذریعہ باتیں دور دور تک رات کے وقت میں پھیلتی ہے، اب بہت سے لوگ سوئے ہوئے ہیں، اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں، (ان کی مصروفیات میں یہ اسپیکر کی آواز خلل انداز ہوتی ہے) شریعت اس کی اجازت دیتی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو تقریریں وغیرہ سننے کا شوق ہوتا ہے، وہ اپنے گھروں میں ٹیپ ریکارڈر (tape recorder) لگاتے ہیں، رات کو سونے کا وقت ہے، لوگ سو رہے ہیں، اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہیں اور یہ زور زور سے ٹیپ ریکارڈر بجا رہا ہے، آپ کو شوق ہے تو اپنے کان میں لگا کر سن لیجیے، دوسروں پر لادنے کی کیا ضرورت ہے؟ شریعت اس کی اجازت دیتی نہیں ہے۔

گھر میں داخلے کے وقت سلام کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط

بہر حال! شریعت نے ہر ایک کا لحاظ کیا ہے، کسی کو ہماری ذات سے ادنی تکلیف بھی نہ پہنچے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب آپ رات کو گھر تشریف لے جاتے تھے تو آپ سلام بھی ایسی آواز سے کرتے تھے کہ اگر کوئی بیدار ہو تو سن لیتا اور کوئی اگر سویا ہوا ہو تو اس کو نیند میں خلل نہ پڑے، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام تو وہ سلام تھا کہ لوگ اس کی تمنا کیا کرتے تھے، کل میں نے واقعہ سنایا تھا کہ ایک صحابی نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کے لیے کیا تدبیر اختیار کی تھی، بہر حال! یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں سے ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور پھر تکلیفیں بھی گھر والوں کو پہنچانا!۔

بیوی کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک

دیکھو! شریعت ہمیں زندگی کے آداب سکھلاتی ہے، آپ کے گھر میں آپ کی بیوی آپ کے بغیر کھانا نہیں کھائے گی، آپ کو یہ معلوم ہے، اب آپ نماز کے بعد کہیں سیر سپاٹے کے لیے نکل گئے، رات کو ۱۲ ربجے آپ گھر پہنچے، بیوی بے چاری آپ کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہے، پوچھا: کھانا؟ اب آپ کو نہیں آنا تھا تو اس کو پہلے سے بتلا دینا تھا کہ میں آج آنے والا نہیں، تم وقت پر اپنا کھانا کھا کر سو جائیو، میں آرام سے آؤں گا۔ اس کو خبر نہ دے کر کے ہم نے اس کو تکلیف پہنچائی، ہم لوگ اپنے گھر والوں کو تکلیف پہنچانے کے معاملے میں کوئی احتیاط برتتے نہیں ہیں، اس بے چاری کو کبھی اس قابل سمجھا ہی نہیں گیا کہ اس کی تکلیف کا خیال کیا جاتا، سلام تک کرنے کے روادار نہیں، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آپ گھر میں جائیں تو پہلے سلام کریں۔

بہتری کا معیار اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے

ایک جگہ ایک بھائی کو بتایا گیا کہ جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو تو وہ کہنے لگا کہ ''عورتوں کو کیا سلام کرنا'' یہ ہمارا حال ہے، اس اللہ کی بندی کو اس لائق ہی نہیں سمجھتے کہ اس کو سلام کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا

خَيْرُكُمْ لأَهْلِي (۱): تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتری کا معیار اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک قرار دیا ہے۔

گھر والے آپ کے حسنِ اخلاق کے زیادہ مستحق ہیں

ایک آدمی کے اخلاق کی ساری دنیا تعریف کرتی ہے لیکن گھر والوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے تو ایسے اچھے اخلاق کا کیا فائدہ کہ جس کے فائدے سے اس کے گھر والے ہی محروم ہوں، ساری دنیا کو فائدہ پہنچایا تو کس کام کا؟ تو مطلب یہ ہے کہ جن کو آپ کے اخلاق سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچنا چاہیے تھا، وہ تو تکلیف میں ہیں تو اس کا کیا فائدہ؟۔

نماز پڑھنے والے کے ساتھ کام ہو تو اس کے پاس بیٹھنے کا ادب

شریعت نے ہمیں آداب بتلائے ہیں، کسی کا انتظار کرنا ہے تو اس انتظار کے لیے بھی باقاعدہ اصول ہیں۔ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے، ہمیں اس سے کام ہے تو ہم تو کیا کرتے ہیں؟ اس کے پہلو میں جاکے بیٹھ جاتے ہیں، ارے بھائی! جب اس کے پاس آپ آکر کے بیٹھ گئے تو اس کی نماز تو اس کی وجہ سے غارت ہوگئی، اس کا ذہن تو منتشر ہو ہی گیا کہ کوئی ملنے کے لیے آیا ہے، اب اگر وہ نماز پوری بھی کرتا ہے تب بھی نماز میں جو ذہن تھا، وہ نہیں رہے گا، کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ کسی نمازی سے

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، باب فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

جب آپ کو کوئی کام ہو تو آپ اس طرح بیٹھیں کہ اس کو خیال بھی نہ ہو کہ یہ میرے انتظار میں بیٹھا ہے؛ تا کہ اس کی وجہ سے نماز میں اس کی توجہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے اس میں کوئی خلل نہ آئے، جب وہ نماز سے فارغ ہو جائے، تب آپ اس کے پاس آ کر بیٹھیں۔

راستوں میں گاڑی چلاتے وقت ہم سے پہنچنے والی تکالیف

بعض لوگ مسجد میں راستے ہی میں نماز کی نیت باندھ دیتے ہیں، آنے جانے والوں کو اس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی طرح راستے کے اندر پارکنگ (parking) کا مسئلہ! آپ راستے میں ایک طرف سے آ رہے ہیں اور آپ کا کوئی دوست سامنے سے اسی راستے پر آ رہا ہے اور آپ کو اس سے کوئی بات کرنی ہے تو راستے پر بیچ میں کھڑے ہو گئے اور باتوں میں مشغول ہو گئے، اب پیچھے سے ہارن (horn) کی آواز آ رہی ہے تو آپ بڑے غصے کے ساتھ جیسے آپ کی شان میں گستاخی ہو گئی ہو، اس کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں! ایک تو تکلیف پہنچا رہے ہیں اور گویا پیچھے والے کو یہ حق بھی نہیں کہ ہارن دے کر کے اس کو متوجہ کرے، یہ ہمارا حال ہو گیا ہے، شریعت ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی۔

ہم اپنے سلوک سے اسلام کو بدنام نہ کریں

کسی جگہ اپنی گاڑی رکھنی ہو تو ایسی جگہ پر رکھنی چاہیے کہ کسی کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اگر ہمیں راستے میں بات کرنا ہے تو ایسی جگہ کھڑے رہ کر کے بات کریں

کہ اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ شریعت نے ان امور کا بڑا لحاظ کیا ہے لیکن ہم ہیں کہ شریعت کی ان تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر کے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، ہمارا یہ عمل لوگوں کو کیا پیغام دیتا ہے؟ کیا میسیج دیتا ہے؟ کہ گویا اسلام کے ماننے والے یہی ہیں جو لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں؟

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

آپ یورپ میں چلے جایئے! وہاں ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کی تکلیف کا اتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، وہاں دیکھا کہ وہ لوگ معاشرت کے آداب کا اتنا زیادہ لحاظ کرتے ہیں۔ کہیں راستے میں کسی کی گاڑی خراب ہوگئی، تو ہم نے دیکھا، ایک دفعہ ہم ایک جگہ جارہے تھے، راستے میں کسی وجہ سے ہماری گاڑی رک گئی، ایک گورا اپنی گاڑی میں تیزی سے جارہا تھا، اس نے ہمیں دیکھا پھر آگے جاکے گاڑی روکی اور لوٹ کر کے آیا اور پوچھتا ہے: آپ لوگوں کی میری کوئی ضرورت ہے؟ یہ ان کا حال ہے۔

ترا کے میسر شود ایں مقام......

اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم اپنے ہم جنسوں کو، اپنے ہم مذہبوں کو دیکھتے ہیں پھر بھی اپنی آنکھیں پھیر کر چلے جاتے ہیں کہ ان کی مدد میں ہمارا وقت برباد ہوگا اور یہ گورا گیا ہوا واپس آیا، ایسی باتیں تو وہاں ایسی عام ہیں کہ ہم اور آپ تو ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے ''کسی کو ادنی سی تکلیف نہ پہنچے'' اس کا بڑا خیال کرتے ہیں، یہ وہ

تعلیمات ہیں جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دی تھیں، جو لوگ ان تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں، ان کی دنیوی زندگی سکون والی ہے، بھلے آخرت میں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے عذاب میں ہوں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان تعلیمات کو چھوڑ کر ہماری معاشرت تکلیفوں کا شکار ہو چکی ہے، ایک دوسرے کی ایذا رسانی، ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے، لڑائیاں، لڑائیوں کا ایک سلسلہ ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

وعدہ کرو تو پورا کرو

تو بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہے، وہ بڑا خطرناک کام ہے، اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے اور معاملات کے اندر بھی اس کی ضرورت ہے، کسی سے وعدہ کیا کہ میں آپ کو آپ کے پیسے فلاں دن اور تاریخ تک دے دوں گا، اب اس بے چارے نے آپ کے اس وعدے پر اعتماد کر کے اس کا جو کام تھا، یہ سوچ کر کہ آپ اس کو وقتِ موعود پر دے دیں گے، اپنا کام نکال لیا اور وقتِ موعود آنے پر آپ اس کا نام ہی نہیں لیتے۔

مقروض کے حج وعمرہ اور صدقات مقبول نہیں

پورے خاندان کے ساتھ حج، عمرے میں جا رہے ہیں اور آپ کے ذمے لوگوں کا قرضہ ہے، وہ ادا کرنے کا نام نہیں لیتے، کیا یہ اسلام کی تعلیمات ہیں؟ کیا یہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوں گے؟ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ کے ذمے دوسروں کا قرضہ ہے تو اس قرضے کے ساتھ دوسروں کی دعوت نہیں کرنی ہے، جن کے

پاس فالتو پیسے ہیں وہ کریں، تقوے کا حق تو یہ ہے اور یہاں ہمارا حال یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق ہمارے سر پر باقی ہیں اور ہم یہ سب کرتے جارہے ہیں، شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کی ہمیں کوئی پروانہیں۔

حقیقی مفلس

ضرورت ہے اس طرح زندگی گذارنے کی کہ کسی کو، چاہے وہ اپنا ہو یا پرایا ہو، مسلم ہو، غیر مسلم ہو، یہاں تک کہ کسی جانور کو بھی ہماری ذات سے کوئی تکلیف پہنچنی نہیں چاہیے کہ جو تکلیفیں ہماری طرف سے لوگوں کو پہنچتی ہیں، کل قیامت کے دن اس کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑے گی، ہم نامۂ اعمال میں بہت ساری نیکیاں لے کر جائیں اور وہ ہمیں بالکل کام نہ آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: تم مفلس کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جن کے پاس پیسے نہ ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حقیقت میں مفلس وہ ہے جو کل قیامت کے دن بہت ساری نیکیاں لے کر آئے گا، نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے، حج کیے تھے، عمرے کیے تھے، بہت کچھ کیا تھا لیکن اس کو گالی دی تھی، اس کو تکلیف پہنچائی تھی، اس کا حق مارا تھا تو سارے حقوق والے آکر کے اس کی ساری نیکیاں لے جائیں گے، یہ ہے حقیقی معنی میں مفلس (۱)۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب تَحْرِیمِ الظُّلْمِ.

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

بھائی! ضرورت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات کو ہم اپنے سینے سے لگائیں، آج اگر ہم ان تعلیمات کو اپنا لیتے ہیں تو ہماری سوسائٹی، ہمارا سماج جنت کا نمونہ بن جائے گا، بھائی! ہماری طرف سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، ہمارا دل ہر ایک طرف سے بالکل صاف شفاف ہو۔ آج یہ جو آپس کے جھگڑے ہیں، آپس کی عداوتیں ہیں، ہر کوئی دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے، گویا اس نے اپنی زندگی کا یہ مشن بنایا ہے کہ کس طرح میں اس کو رسوا کروں، کس طرح اس کو ذلیل کروں، کس طرح اس کو تکلیفیں پہنچاؤں، ہم نے اپنے مقاصد کو چھوڑ دیا، یہ جو ہمارے سماج کا برا حال ہو رہا ہے وہ قابلِ نفرین ہے، ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنا جائزہ لے، اپنے متعلق سوچے اور ایسی حرکتیں جن سے کسی کو بھی ہماری ذات سے تکلیف پہنچتی ہو، چاہے اپنا ہو، پرایا، گھر کا ہو، باہر کا ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے، پہلے ایک واقعہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کر دیتا ہوں جو احیاء العلوم میں بیان کیا ہے: ایک بزرگ تھے، اللہ والے تھے، ان کے یہاں چوہے بہت ہو گئے، ایک مرتبہ انھوں نے اپنی مجلس میں شکایت کی کہ میرے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں، کسی نے کہا کہ بھائی! اپنے گھر میں بلی پال لو، اس سے چوہوں کا علاج ہو جائے گا۔ خیر بات آئی گئی ہو گئی، انھوں نے

بلی نہیں پالی، کچھ مدت کے بعد دوبارہ شکایت کی کہ چوہوں کی کثرت کی وجہ سے پریشان ہوں۔ تو جن صاحب نے مشورہ دیا تھا، اس نے کہا: حضرت! آپ کو بلی پالنے کا مشورہ دیا تھا، بلی تو آپ پالتے نہیں اور چوہوں کی فریاد کرتے رہتے ہیں، کیوں نہیں پال لیتے بلی کو؟ تو فرمایا: بھائی! اگر میں گھر میں بلی پالتا ہوں تو میرے گھر کے چوہے بلی کو دیکھ کر ڈر کے مارے پڑوسی کے گھر میں چلے جائیں گے اور جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا، وہ اپنے بھائی کے لیے پسند کیسے کروں؟ یہ تھے ہمارے اسلاف!

کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

اور حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک اللہ والے کے گھر میں ایک چور داخل ہوا اب اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، ایک گدڑی تھی جس کو آدھی بچھا لیتے، آدھی اوڑھ لیتے تو چور جب گھسا تو یہ لیٹے ہوئے تھے، انھوں نے بھی دیکھا کہ کوئی مہمان آیا ہوا ہے، پڑے رہے، اب وہ جانتے ہیں کہ گھر میں تو کچھ ہے نہیں، چور اِدھر اُدھر پھرا، کچھ ملا نہیں، انھوں نے سوچا کہ بے چارہ کچھ امید لے کر کے آیا ہے، خالی ہاتھ جائے گا تو جس گدڑی پر آدھی بچھا کر اور آدھی اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اس کو نکال کر چور کے راستے میں ڈال دیا؛ تا کہ خالی ہاتھ نہ جائے، یہ واقعہ ذکر کر کے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رباعی ذکر کی ہے، بڑی پیاری رباعی ہے، اصل میں تو وہ سنانا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا		دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام		که با دوستانت خلاف ست و جنگ

ہم نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دل بھی دُکھایا نہیں کرتے، اے مخاطب! تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ تیری تو اپنے دوستوں کے ساتھ لڑائیاں ہیں، آج ہمارا حال یہی ہے، ہمارے ماں باپ، ہمارے بھائی، ہماری بیوی بچے ہم سے تنگ ہیں، آدمی جب گھر میں آتا ہے تو بچے بھی دعا کرتے ہیں کہ یہ بلا کب جاوے کہ جب تک گھر میں رہے گی، مصیبت ہی مصیبت ہے، ہمارا یہ حال ہے گھر میں، تو دوسروں کا کیا پوچھنا۔

ضرورت ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے وجود کو اپنے لیے بھی اور ساری دنیا کے لیے، ساری انسانیت کے لیے بھی نفع بخش بنانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تقویٰ کیا ہے؟

بمقام: ڈابھیل

بتاریخ: ۸/۴/۲۰۱۱

تقریر کا پس منظر

حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقش بندی دامت برکاتہم نے اپریل ۲۰۱۱ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا، اس سفر میں آپ نے گجرات کا دورہ بھی کیا تھا لیکن کچھ قانونی موشگافیوں کی وجہ سے یہاں کی گورنمنٹ نے آپ کو بیانات کرنے سے روک دیا تھا، صرف ترکیسر میں آپ کا بیان ہوا تھا، قانونی مسئلے کو حل کرنے کی کوششیں جاری تھیں، اسی دوران آپ طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈابھیل پہنچے تھے اور نہ صرف گجرات بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آپ کا بیان سننے کے لیے مسلمانوں کا جمِ غفیر یہاں جمع ہو گیا تھا، اسی موقع پر ہمارے حضرت دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا تھا اور لوگوں کو پرسکون رہنے کی تاکید فرمائی تھی، جیسا کہ آپ اس بیان کو پڑھ کر محسوس کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ﴾ [التوبة: ۱۱۹]

مجمع سے پرسکون رہنے کی درخواست

بھائی! میری گذارش یہ ہے کہ جو حضرات یہاں آواز کر رہے ہیں، ذرا خاموش ہوجائیں، حضرت (مولانا ذوالفقار صاحب) دامت برکاتہم کے حکم اور ارشاد پر میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، جو باتیں عرض کی جائیں، اس کو غور سے، توجہ سے سننے کی کوشش کریں۔ کل جو حضرات وہاں ترکیسر تشریف لائے تھے، وہ جانتے ہیں، قانونی نزاکتوں سے واقف ہیں کہ ہم چوں کہ اس ملک کے شہری ہیں اور ہمارا قانون ہمیں جن چیزوں کی اجازت دیتا ہے، اسی کے مطابق ہم کر سکتے ہیں اور ہمارا فریضہ بھی ہے اور

ہمارا مذہب بھی ہم کو یہی سکھلاتا ہے کہ یہاں کا ایک شہری ہونے کی حیثیت سے جو ہمارا ایک عہد و پیمان ہے، اس کا تقاضا یہی ہے، امید ہے کہ إن شاءاللّٰہ تعالیٰ عنقریب حضرت کی تشریف آوری ہوگی۔

تقویٰ کا شرعی مفہوم

بہرحال حضرت ہی کے حکم سے چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

یہ تقویٰ جو ہے، اس کا قرآنِ پاک میں مختلف انداز سے اور مختلف صیغوں میں دوسو سے زیادہ مقام میں تذکرہ کیا گیا ہے اور ہمیں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو میں مفہوم یہ ہے کہ آدمی بچے، پرہیز کرے اور گویا آدمی اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کا اہتمام کرے۔

تقویٰ کے متعلق حضرت عمرؓ کا استفسار

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ یہ تقویٰ کیا ہے، پوچھنے والے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ(۱): اگر میرے بعد کوئی نبی

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ۔

ہوتے تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے اور انہی کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ جس راستے سے اور جس گلی سے گذرتے ہیں، شیطان اپنا راستہ بدل لیتا ہے (۲) ان کی ہیبت کا یہ عالم تھا۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا مقام

انھوں نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کا لقب تھا سید الانصار اور جن کو بارگاہِ نبوت سے "أقرأهم ابی" کا لقب عطا کیا گیا کہ: حضراتِ صحابہ میں قرآنِ پاک کے سب سے بہتر اور زیادہ پڑھنے والے اور علمِ قرأت کے ماہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابی! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" پڑھ کر سناؤں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آللّٰهُ سَمَّانِي لَكَ: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو یہ حکم دیا؟

حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیوں کیا؟

اب یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں سورۂ "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" پڑھ کر سناؤں، پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوا؟ تو اس کے متعلق حدیث کی تشریح کرنے والے علماء لکھتے

(۱) صحیح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ، باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام انداز میں فرمایا گیا ہو کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو یہ سورت سنائیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا نام اپنی طرف سے تجویز کیا ہو، اگرچہ یہ بھی بڑی سعادت کی بات تھی، لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے مزید وضاحت کے لیے عرض کیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: جی ہاں! آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا ہے، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، یہ اس مسرت کے آنسو تھے (۱)۔

ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

تقویٰ کا مفہوم حضرت ابی بن کعبؓ کی زبانی

انہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اُبی! تقویٰ کیا ہے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! سَلَكْتَ طریقًا ذا شَوْكَةٍ: آپ کو کبھی کسی کانٹے والے راستے سے گذرنے کی نوبت آئی ہے، یعنی دونوں طرف کانٹے کی باڑ ہو اور بیچ میں سے پگڈنڈی ہے، اس پر سے گذرنا ہے، کیا کبھی ایسا موقع پیش آیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! تو اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مَاذا فَعَلْتَ؟ اس موقع پر آپ نے کیا کیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شَمَّرْتُ ثُمَّ سَلَكْتُ: میں نے اپنے کپڑوں کو سمیٹا اور

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ.

بہت کوشش اور اہتمام کر کے اپنے آپ کو وہاں سے بچا کر لے گیا۔ یہ جواب سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خَلِّ الذُّنُوبَ قلیلَها و کثِیرَها، ذاک التقٰی: کہ یہ دنیا جو ہے اس میں بھی گناہوں کے کانٹے جگہ جگہ پڑے ہوئے ہیں، اپنے آپ کو چھوٹے بڑے گناہوں سے بچا کر زندگی گذارنا، یہ تقویٰ ہے، چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو، اسی کا نام تقویٰ ہے(۱)۔

تقویٰ کے بارے میں ایک عام غلط فہمی

یہ تقویٰ جو ہے، اس کے متعلق ہمارے اندر بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ یہ تو اللہ کے خاص بندوں کا کام ہے، کہاں میں اور کہاں تقویٰ والا کام! حالاں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی بڑی تاکید فرمائی، جیسا کہ ایک آیت آپ کے سامنے پڑھی گئی، بعض آیتیں تو ایسی ہیں کہ جس میں ایک آیت میں دو دو مرتبہ تقویٰ کا حکم دیا گیا: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الحشر:۱۸]: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور کل کے لیے اس نے کیا اعمال بھیجے ہیں، وہ بھی ذرا سوچ لیں اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

(مجمع میں حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم کی عدمِ آمد پر ایک بے چینی سی پھیلی ہوئی تھی اور شور شغب ہو رہا تھا، اس پر حضرت نے فرمایا:) بھائی!

(۱) شرح الأربعین النوویة لصالح بن عبد العزیز آل الشیخ، ص ۱۴۹۔

سکون اور طمانیت سے بیٹھیں، یہ شور نہ کریں، ہنگامہ نہ کریں۔ بھائی اپنی جگہ پر بیٹھیں بیٹھیں دعا میں مشغول رہیں۔

تقویٰ فرض ہے

تو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم جگہ جگہ دیا گیا، یہ کوئی ایسی فضیلت کی چیز نہیں ہے کہ جس کے معاملے میں اختیار رہو بلکہ اس کو فرض اور ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کا حاصل ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے، اللہ کی معصیت سے بچانے کا اہتمام کرے اور احادیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کو عبادت کا سب سے اونچا مقام بتایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ چند نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک یہ بھی تھی: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ (۱) کہ تم اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچتے رہو، تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ گویا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا یہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

بھائی! دیکھئے، ابھی آپ کے سامنے عرض کیا گیا تھا کہ کچھ قانونی مجبوریوں کی وجہ سے حضرت دامت برکاتہم تشریف نہیں لا پائیں گے؛ اس لیے بڑے صبر واطمینان

---

(۱) تمامه: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلَاءِ الكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ القَلْبَ. (سنن الترمذی، بَابٌ: مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ)

کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، ہمارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہم لوگ حضرت کے فیوض سے اپنے آپ کو محروم پا رہے ہیں، ضرورت ہے اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی، یہ بھی ایک تربیت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہماری کہ اللہ کے فیصلے پر کس طرح صبر وضبط کے ساتھ عمل کرتے ہیں، اس لیے خاص طور پر تاکید کر کے آپ کی خدمت میں معذرت پیش کی جاتی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حضرت کے فیوض سے مالا مال فرمائے۔ آمین

(۱) مدنی زندگی کی ابتدا میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں

بمقام: نورانی مسجد

بتاریخ: ۴/۲/۲۰۱۱ء، بوقت: قبل از جمعہ

اقتباس

ایک دوسرا طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو یہ سوچ لو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس وقت مجمع میں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میری موت کب آئے گی؟ ہوسکتا ہے کہ ابھی نماز سے پہلے آجائے، نماز کے دوران آجائے، نماز کے بعد آجائے تو گویا جب بھی کوئی آدمی نماز کے لیے نیت باندھے گا تو یہ امکان موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نماز جو ابھی پڑھنے جارہا ہے، وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہو۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ ہمیں اور آپ کو یہ بتادیا جائے کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری نماز ہے تو ہم کیسا جی لگا کے اس کو پڑھیں گے تو گویا یہی مقصود ہے کہ ہر نماز آدمی اس طرح ادا کرے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں دوبارہ مجھے اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا موقع اور سعادت حاصل ہوگی یا نہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا ونبيّنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عِظْنِي وَأَوْجِزْ، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ، وَلاَ تَكَلَّمْ بِكَلاَمٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا، وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ.

(مسند أحمد، حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ)

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری

یہ ایک حدیث ہے جو آپ کے سامنے پڑھی گئی، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا نام خالد بن زید تھا اور یہ وہ صحابی ہیں جن کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، جس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں رہا، وہاں ۱۴/ یا ۲۴/روز قیام فرمانے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے لیے جب آگے بڑھے تو حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم آپ کے راستے کے دونوں طرف صف لگا کر کھڑے ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بٹھا رکھا تھا، انصار میں سے ہر ایک کی دلی تمنا اور خواہش یہ تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اس کے گھر میں رہے اور اس کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انصارِ مدینہ کی والہانہ محبت کا دل فریب منظر

چنانچہ ہر ایک درخواست کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے یہاں قیام فرمائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلا دیا تھا کہ آپ کی اونٹنی جہاں پر بیٹھ جائے گی، وہاں آپ کو قیام کرنا ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مامور تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم بھی بڑی حکمتوں پر مبنی تھا؛ اس لیے کہ حضراتِ انصار میں سے ہر ایک نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشقِ زار اور آپ پر جان فدا کرنے والا تھا، ان میں سے ہر ایک کی یہ تمنا تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں، اب اگر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو یہ چیز ان عشاق کے درمیان تنافس اور تحاسد کا ذریعہ بنتی؛ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا فیصلہ اپنے ہاتھ ہی میں رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ آپ کی اونٹنی کو ہماری طرف سے حکم مل چکا ہے، وہ جہاں ٹھہرے گی، وہاں آپ کو ٹھہرنا ہے۔ چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں اور راستے میں دونوں طرف حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم دو رویہ صف بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کر رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتلا دیا کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس لیے وہ جہاں بیٹھے گی، وہاں میں قیام کروں گا۔

اب تو معاملہ گویا اس پر ہو گیا کہ ہر ایک اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اس کے یہاں کرا دے، جس کے مکان سے اونٹنی آگے گذر گئی، وہ تو اپنا دل موس کر کے رہ گیا کہ ہم کو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا شرف حاصل ہونے کا نہیں،

اسی دوران راستے میں، جمعہ کے دن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قبا سے روانہ ہوئے تھے تو راستے ہی میں نماز کا وقت ہو گیا اور راستے میں جو محلہ آیا، وہاں پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی اور خطبہ بھی دیا جو سب سے پہلا خطبہ تھا اور سب سے پہلی جمعہ کی نماز تھی جو آپ نے پڑھی۔

خدا بندے سے یہ پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے، بڑھتے بڑھتے، جہاں اس وقت، بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کا جہاں دروازہ ہے، وہاں اور بعض کہتے ہیں کہ جہاں منبر شریف ہے، اس جگہ پر آ کر اونٹنی بیٹھ گئی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اٹھایا اور آگے بڑھایا، دو چار قدم آگے چلی پھر وہاں سے واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی اور اپنا سر اس نے زمین پر ڈال دیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان بالکل وہیں، اس کے سامنے تھا، جلدی سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے، گویا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف عطا فرمایا، ویسے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب کی ننیہال بھی اسی خاندان میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل میں یہ تمنا تھی کہ آپ یہاں پر قیام کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا عجیب نظام فرما دیا۔

کائناتِ حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی......

اور ایک دوسری بات بھی سیرت نگاروں نے لکھی ہے کہ بہت سال پہلے یمن کا

بادشاہ تُبّع جس کی حکومت بہت پھیلی ہوئی تھی، برِّ اعظم افریقہ تک پہنچی ہوئی تھی، ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے دورے پر نکلا اوراس کے ساتھ اس سفر میں، اس قافلے میں ۴۰۰ر توریت کے علماء تھے، اس کا قافلہ جب وہاں پہنچا جہاں مدینہ منورہ آباد ہے تو وہاں کی علامتیں اورنشانیاں دیکھ کر توریت کے وہ علماء جو نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامتوں کو توریت میں اوراگلی آسمانی کتابوں میں پاتے تھے، انھوں نے وہاں کا حال دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے، انھوں نے طے کیا کہ یہیں ٹھہر جائیں لیکن چوں کہ شاہی قافلے میں آئے تھے، اس لیے بادشاہ سے اجازت لینا ضروری تھا، ان سب نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں، بادشاہ نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نشانیاں اورعلامتیں اگلی آسمانی کتابوں: توریت اوردوسرے صحیفوں میں ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہیں ہجرت فرما کر آئیں گے؛ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہاں رہ جائیں، اگر ہماری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائیں گے اور اگر نہیں تو ہماری نسلوں کو یہ شرف حاصل ہوگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تبع کی غائبانہ عقیدت

چنانچہ بادشاہ نے ان کو اجازت دے دی، اتنا ہی نہیں کہ اجازت دی بلکہ ان ۴۰۰ر میں سے ہر ایک کو مکان بھی بنا دیا، ہر ایک کو مالِ کثیر دیا؛ تاکہ اطمینان سے

زندگی گذار سکیں، ہر ایک کی شادی بھی کرادی اور ساتھ ہی ساتھ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ایک مکان مستقل الگ بنوایا اور ان ۴۰۰ علماء میں سے ایک کو ایک خط لکھ کر کے دیا جس میں اس نے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کیا تھا اور پھر یہ خط ایک عالم کو دے کر کے کہا کہ اگر تمہاری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو تم یہ خط ان کو پیش کرنا اور اس مکان میں ان کو ٹھہرانا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد اپنے ہی مکان میں ٹھہرے تھے

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے تھے، ان کے پاس وہ خط محفوظ تھا اور جس مکان میں وہ رہتے تھے، یہ وہی مکان تھا جو تُبّع بادشاہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تعمیر کرایا تھا، علامہ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گویا کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں نہیں بلکہ اپنے ہی مکان میں ٹھہرے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہا تعظیم کا ایک منظر

بہر حال! یہ مکان بالا خانے والا تھا، اوپر ایک کمرہ تھا، نیچے ایک کمرہ تھا، اس میں زیادہ روم نہیں تھے، اب حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! آپ اوپر قیام فرمائیں، میں نیچے رہوں گا، ادب کا تقاضا بھی یہی تھا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھائی! لوگ ملاقات کے لیے میرے پاس آتے جاتے

رہیں گے، اب اگر تم نیچے ٹھہرو گے، اب وہ آنے والے وہیں سے گذر کر اوپر آئیں گے تو تم کو زحمت ہو جائے گی؛ اس لیے میں نیچے ٹھہرتا ہوں، تم اوپر ٹھہرو، دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا اور آپ کی خواہش یہی تھی، انھوں نے بادلِ ناخواستہ اوپر رہنا گوارا کیا پھر بھی ادب کا یہ حال تھا کہ جب اسی کمرے میں اِدھر سے اُدھر جانا ہوتا تھا تو وہ کنارے کنارے چلتے تھے اور اپنی بیوی اُمِّ ایوبؓ سے کہتے تھے: اُمِّ ایوب! تم بھی یوں ہی چلو، یہاں نیچے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، چنانچہ وہ بھی کنارے کنارے چلتیں؛ تاکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر سے گذر نا نہ ہو اور روزانہ کھانے کے واسطے دو وقت خوانچہ تیار کر کے کھانا اندر لگا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے کھانا تناول فرما کر واپس خوانچہ ان کو دیتے تھے، خوانچہ واپس آنے کے بعد یہ دونوں میاں بیوی بچا ہوا کھانا کھاتے تھے اور جہاں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے، وہیں سے وہ کھاتے تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کی والہانہ محبت تھی۔

تمھارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

ایک دن ایسا ہو کہ خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی واپس آیا، ان میاں بیوی نے دیکھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے نشانات اندر نہیں ہیں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھبرائے، جانے کیا بات ہے، کوئی ناراضگی ہے، پھر جلدی سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج تو خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی

واپس آیا ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس میں پیاز اور لہسن ملا دیا ہے اور اس میں بدبو ہے اور میرے پاس فرشتہ آتا ہے جس کو بدبو ناپسند ہے؛ اسی لیے میں نے نہیں کھایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی میں نے ایسا نہیں کیا، چھ مہینے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکان میں رہے، کتنی بڑی سعادت کی بات ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی چھ مہینے تک ان کو حاصل رہی۔

آبلوں کا شکوہ کیا، ٹھوکروں کا غم کیسا

اسی درمیان میں ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ دونوں میاں بیوی اوپر سوتے تھے، پانی کا جو برتن تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سارا پانی کمرے میں پھیل گیا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ گھبرائے کہ نیچے پانی گرے گا، جس سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی، ان کے پاس ایک ہی لحاف تھا جس کو وہ بچھاتے بھی تھے اور اوڑھتے بھی تھے، جلدی سے اس پر ڈال کر وہ پانی اس کے ذریعہ سے جذب کرلیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ ہو پھر صبح کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ عرض کر کے پھر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اوپر تشریف لے آئیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر جانا منظور فرمالیا۔

مسجدِ نبوی اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حجرات کی تعمیر

اسی قیام کے دوران نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی جہاں پر ہے، وہ جگہ دو یتیموں کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لی اور اپنی جیبِ خاص سے اس کی قیمت اپنی

طرف سے ادا فرمائی اور وہاں مسجد تعمیر ہوئی، مسجد تعمیر ہو چکنے کے بعد اس کے کنارے پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ امہات المؤمنین، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجرے بنوائے، جب وہ بن گئے تب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں منتقل ہوئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو گویا اس وقت تک میزبانی کا شرف حاصل رہا، اس کے بعد بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر جیسا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتے تھے۔

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کئی وقت کا فاقہ تھا اور فاقہ کی وجہ سے بھوک سے بے چین ہو کر دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکلے، تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نکلے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کہا کہ کئی وقت سے فاقہ ہے، بھوک سے بے چین ہو کر نکلا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی باہر نکلے، حالاں کہ وہ وقت بھی آپ کے باہر نکلنے کا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دیکھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو حضرت ابوبکرؓ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اپنی بھوک بھول گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی زیارت کے لیے نکلا ہوں، ان کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں بھوکا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! چند وقت سے فاقہ تھا، بھوک سے بے چین ہو کر نکلا ہوں، نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی بھوک محسوس کررہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی فاقہ تھا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بھاگ کھل گئے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چلو! ابوایوب کے یہاں جاتے ہیں۔ یہ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا اور کھجوروں کے پکنے کے زمانے میں مدینہ والے اپنے شہر کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے کھجور کے باغات کی طرف منتقل ہوجاتے تھے، جہاں پھلوں کے باغات ہوتے ہیں وہاں یہی دستور رہتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ پر تشریف لے گئے، وہاں ان کی اہلیہ اُمِّ ایوب تھیں، سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول اور ان کے دونوں ساتھیوں کو میں خوش آمدید کہتی ہوں۔ فرمایا: تمہارے شوہر کہاں گئے؟ جواب دیا کہ وہ پانی لینے گئے ہیں، بٹھایا اور اتنے میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی آگئے جو چمڑے کا بڑا مشکیزہ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے تھے، دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ شیخین کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو خوشی کے مارے پاگل ہوگئے، جلدی سے مشکیزہ نیچے رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے پھر جلدی سے چادر بچھا کر ان حضرات کو بٹھایا اور جلدی جلدی جا کر کھجور کا ایک بڑا خوشہ توڑ کر کے لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کے سامنے رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پورا خوشہ توڑ کر لے آئے، پکی پکی کھجوریں توڑ کر لاتے، اس پورے خوشے میں تو کچی کھجوریں بھی ہیں، وہ ضائع نہ ہوتیں۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص تعلیم تھی کہ کوئی چیز ضائع نہ ہو تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں کی

پسند مختلف ہوتی ہے، کسی کو پکی کھجوریں اچھی لگتی ہیں، کسی کی ادھ پکی اچھی لگتی ہے، کسی کو کچی اچھی لگتی ہے، میں پورا خوشہ اس لیے توڑ کر لایا کہ جس کو جیسی اچھی لگے، ویسی کھائے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس جواب کو پسند فرما کر دعا دی۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کئی روز سے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے

پھر انھوں نے اجازت چاہی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو بکری ذبح کروں؟ تو فرمایا: ٹھیک ہے، ذبح کرو لیکن دیکھو! دودھ والی مت ذبح کرنا، جو دودھ نہیں دیتی، اسی کو ذبح کرنا، ہمیں تو گوشت ہی کھانا ہے، دودھ والی بکری کو ذبح کروگے تو وہ دودھ والا فائدہ ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بکری ذبح کی اور ان کی گھر والی نے آٹا گوندھا اور پھر ذبح کی ہوئی بکری کے گوشت کے دو حصے کر کے ایک حصہ شوربے والا اور ایک حصہ بھونا ہوا تیار کیا اور روٹیاں بھی بن گئی اور اللہ کے رسول کے سامنے رکھ دی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اس میں سے ایک روٹی لے کر اس بھونے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا اس پر رکھ کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ ابوایوب میرے گھر جا کر فاطمہ کو دے آؤ، کئی روز سے انھوں نے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے، حضرت ابوایوب دے آئے تو بہر حال! حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تعلق تھا۔

جبینِ زندگی کے ساتھ دل بھی تو جھکے زاہد

یہی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور آ کر کے یہ درخواست کی کہ: عِظْنِي وَأَوْجِزْ: اے اللہ

کے رسول! مجھے آپ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں تین باتیں ارشاد فرمائیں: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ: کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس آدمی کی سی نماز پڑھو جو دنیا کو الوداع کہہ رہا ہے یعنی مقصد یہ ہے کہ جب نماز کی نیت باندھو تو یہ سمجھو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے؛ کیوں کہ نماز کو خشوع کے ساتھ پڑھنے کی بڑی تاکید ہے، قرآن کہتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ: وہ ایمان والے جو اپنی نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ کامیاب ہیں، بامراد ہیں، دنیا وآخرت کی خوش حالی ان کو حاصل ہے۔

فلاح کا صحیح مفہوم ادا کرنے سے اردو زبان قاصر ہے

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم فلاح کا ترجمہ اردو میں کامیابی سے کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ''کامیابی'' فلاح کا مفہوم ادا کرنے میں بہت کوتاہ اور قاصر ہے۔ فلاح کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں کی خوش حالی حاصل ہو جائے۔ لفظِ ''کامیابی'' سے یہ مفہوم کما حقہ ادا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اردو زبان کا دامن بڑا تنگ ہے؛ اس لیے اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔

اگر ہم دنیا اور آخرت کی خوش حالی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کریں۔

خضوع کا مفہوم

اب خشوع کس کو کہتے ہیں؟ دو لفظ ہیں: (۱) خضوع (۲) خشوع۔ خضوع

یعنی اپنے جسم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جھکا دینا۔نماز کے دوران جسم کے تمام اعضاء اس انداز سے رہیں، جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا ہے: کون سا عضو کس طرح ہونا چاہیے۔

نماز میں نگاہیں رکھنے کی جگہ تک بھی بتادی گئی ہے

یہاں تک کہ نگاہ تک کے متعلق کتابوں میں صراحت موجود ہے کہ آدمی کھڑا ہو تو کھڑے ہونے کی حالت میں اس کی نگاہیں سجدے کی جگہ پر ہوں، رکوع میں ہو تو اس کی نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو۔غرض نگاہ جیسی نگاہ بھی نماز کی کس حالت میں کہاں ہونی چاہیے، یہ بتایا گیا ہے۔دوسرے تمام اعضاء کہ کون سا عضو ہمیں نماز میں کس طرح رکھنا ہے تو نماز میں اعضاء کو جس انداز سے رکھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس انداز سے اعضاء کو رکھنا خضوع کہلاتا ہے۔

بدنگاہی کے وبال سے بچنے کا نسخہ

آج ہم نگاہ کو صحیح انداز سے رکھنے کا بھی اہتمام نہیں کرتے۔بعض بزرگوں سے سنا کہ جو آدمی نماز میں نگاہ کو اپنی اپنی جگہ رکھنے کا اہتمام کرے گا تو بدنگاہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے۔اس کا ایک فائدہ یہ ہے۔ہماری نگاہیں ایسی بھٹکی ہوئی ہیں کہ نماز میں بھی ایک جگہ ٹھیرنے کا نام لیتی نہیں ہیں۔

خشوع کا مفہوم

دوسری چیز خشوع ہے، خشوع کا مطلب ہے دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے

جھکا دینا، دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ایسا متوجہ کر دینا کہ دوسرا کوئی خیال آوے ہی نہیں، اس کو خشوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نماز میں خشوع اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جبینِ بندگی کے ساتھ دِل بھی تو جھکے زاہد

بہرحال! اصلی نماز وہی ہے اور اسی کا وہ فائدہ ہے جو قرآن نے ہمیں بتلایا: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [العنكبوت: ٤٥] کہ: نماز بے حیائی اور ناجائز چیزوں سے روکتی ہے۔ آج ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور گناہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ ہماری نماز ہم کو اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کا ذریعہ نہیں بن پاتی؛ اس لیے کہ نماز کی جو حقیقت ہے، وہ پائی نہیں جاتی، یہ تو نماز کی محض صورت ہے۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ

تو خشوع کے ساتھ نماز کو ادا کرنا بڑا اہم ہے اور خشوع پیدا کرنے کے مختلف طریقے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں بتلائے ہیں، ایک روایت میں ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (۱) کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو اللہ تو تمھیں دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ بھی نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ

ایک دوسرا طریقہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے

(۱) صحيح مسلم، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالْقَدَرِ وَعَلاَمَةِ السَّاعَةِ.

ہوں تو یہ سوچ لو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس وقت مجمع میں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میری موت کب آئے گی؟ ہوسکتا ہے کہ ابھی نماز سے پہلے آجائے، نماز کے دوران آجائے، نماز کے بعد آجائے تو گویا جب بھی کوئی آدمی نماز کے لیے نیت باندھے گا تو یہ امکان موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نماز جو ابھی پڑھنے جارہا ہے، وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ ہمیں اور آپ کو یہ بتادیا جائے کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری نماز ہے تو ہم کیسا جی لگا کے اس کو پڑھیں گے تو گویا یہی مقصود ہے کہ ہر نماز آدمی اس طرح ادا کرے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں دوبارہ مجھے اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا موقع اور سعادت حاصل ہوگی یا نہیں۔

نماز کو مکمل سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کی عادت بنائیے

تو نماز کو مکمل خشوع اور توجہ کے ساتھ، اس کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور آداب کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ مسجد میں آئے اور جلدی جلدی نماز پڑھ لی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

تم نے نماز نہیں پڑھی

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہیں، ایک صاحب آئے اور جلدی سے نیت کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی۔ واپس جارہے تھے، دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں تو آپ کے پاس آئے اور سلام

کیا، نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ انھوں نے پھر اسی طرح پڑھی تو حضور ﷺ نے پھر اس کو یہی فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ میں بھی ایسا ہی ہوا تو اس نے پوچھا کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ آپ ہی بتادیجیے(۱)۔

پہلے تو لو پھر بولو

دوسری نصیحت نبیٔ کریم ﷺ نے یہ فرمائی کہ: وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو کہ جس کے معلق کل تمھیں معذرت پیش کرنی پڑے یعنی آج آپ نے کوئی بات کہی، کل کسی نے آپ سے کہا کہ حضرت! آپ نے کل ایسا کہا تھا اور آپ کہیں کہ ہاں میں نے کل ایسا کہا تھا لیکن میری بھول ہوگئی، مجھے ایسا کہنا نہیں چاہیے تھا، آپ اس طرح معذرت کررہے ہیں، اس کے بجائے بولنے سے پہلے اگر سوچ لیا ہوتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلے تو لو پھر بولو یعنی جو بات آپ کہنے جارہے ہیں، اس بات کے متعلق آپ کو فیصلہ کرنا چاہیے، سوچنا چاہیے کہ اگر میں آج یہ بات کروں گا تو کل کو اللہ کے حضور میں مجھے اس کا جواب دینا پڑے گا۔

ہمیں حکومت کا ڈر ہے، علیم وخبیر کا نہیں

قرآن کہتا ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق: ۱۸] کہ آدمی

---

(۱) صحيح البخاري، عن أبي هريرة، كتاب الاستئذان، باب من رد فقال عليك السلام

جو بات کرتا ہے، جو بات زبان سے نکالتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگراں مقرر ہے جو اس کی باتوں کو ریکارڈ کرتا ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ ہم جو بول رہے ہیں، وہ ریکارڈ ہوتا ہے اور حکومت کے سامنے ہمارا یہ ریکارڈ پیش ہوتا ہے تو کیا وہ ایسی بات بول سکتا ہے جس سے وہ حکومت کی نظروں میں گناہ گار بن جائے اور مجرم قرار پائے؟ کبھی نہیں۔ وہ باقاعدہ بڑی سوچ وفکر کے ساتھ اس کا اہتمام کرے گا کہ میری زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلنی چاہیے۔

قرآن میں زبان کے نعمت ہونے کا بیان

زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت ہے، اس کا صحیح استعمال ضروری ہے۔ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے اس کے نعمت ہونے کو بیان فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾ [البلد: ۸] کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے؟۔

نجاتِ ابدی کا سامانِ مختصر

زبان جتنی بڑی نعمت ہے، اس کے حوالے سے اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے بارے میں ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ کہ: نجات کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۱) کہ اپنی

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِی حِفْظِ اللِّسَانِ.

زبان پر قابو رکھو۔

یہ زبان کا کمال ہے

یہ زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس زبان کو ہم کہاں کہاں استعمال کرتے ہیں: اسی زبان سے ایک ستّر سال کا، سوسال کا کافر کلمہ پڑھ لے تو مؤمن ہو جائے گا، جنت کا حق دار ہو جائے گا اور ایک آدمی کی پوری زندگی ایمان کے ساتھ گذری ہے، اگر اسی زبان سے وہ کلمۂ کفر یہ ادا کر دے تو ایمان سے نکل کر کے جہنم میں پہنچ جائے گا۔

زبان: جنت یا جہنم میں لے جانے والا ایک عضو

بخاری شریف کی روایت ہے، نے ارشاد فرمایا کہ: کبھی آدمی کوئی کلمہ اپنی زبان سے اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی کا بولتا ہے اور جس وقت وہ بول رہا ہوتا ہے، اس وقت اس کو احساس بھی نہیں کہ میں کیا کلمہ بول رہا ہوں لیکن اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ جنت کے اندر اس کے درجات کو بلند فرماتے ہیں اور آدمی کبھی اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بولتا ہے اور جس وقت وہ بول رہا ہوتا ہے، اس وقت اس کو خیال بھی نہیں، وہم وگمان بھی نہیں کہ میں کیا کلمہ بول رہا ہوں لیکن وہ کلمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی ناراضگی والا ہوتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں اتنا نیچے گر جاتا ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ ہے(۱)۔

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ قِيلَ وَقَالَ.

صبح کے وقت دیگر اعضاءِ جسم کی زبان کے سامنے التجا

حدیث میں آتا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں کہ تم سیدھی رہیو، تیرے سیدھے رہنے میں ہم سب کی بھلائی اور اگر تو آڑی، ٹیڑھی ہوگئی تو ہماری خیر نہیں۔ گالی زبان بولتی ہے اور مار دوسرے اعضاء کو پڑتی ہے: طمانچہ پڑتا ہے گال کو، ڈنڈے پڑتے ہیں پیٹھ کو۔ نقصان دوسرے اعضاء کو اٹھانا پڑتا ہے؛ اس لیے صبح کے وقت سارے اعضاء زبان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ مہربانی کرنا، ذرا سنبھل کر کے رہنا۔ تم سیدھی رہو گی تو ہم سیدھے اور عافیت میں رہیں گے اور اگر تم اِدھر اُدھر ہو جاؤ گی تو ہمارے اوپر مصیبت آجائے گی۔

حضراتِ اکابر کے یہاں لغویات سے بچنے کا اہتمام

حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ جارہے تھے، راستے میں ایک نیا مکان دیکھا تو کسی سے پوچھا کہ یہ کب بنا؟ پوچھنے کو تو پوچھ لیا پھر فوراً انھیں احساس ہوا کہ یہ فضول سوال ہے!

اسلام کا حسن اور خوبی

حدیث میں آتا ہے: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ[1] کہ: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے کار چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے، بے کار بات،

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۲۴۸۷.

بے کار کام کہ جس کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

زبان سے کے گناہوں کی تعداد دوسرے اعضاء کے گناہوں سے بہت زیادہ ہے

اسی وجہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں انسان کے اعضاء سے صادر ہونے والے گناہوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے: آنکھ سے کیا گناہ صادر ہوتے ہیں، کان سے کیا گناہ صادر ہوتے ہیں ہاتھ سے کیا گناہ صادر ہوتے ہیں۔ زبان سے صادر ہونے والے گناہوں کی بھی فہرست دی ہے تو سارے اعضاء سے مل کر جتنے گناہ صادر ہوتے ہیں، اس سے زیادہ زبان سے صادر ہوتے ہیں۔

چھوٹی سی زبان کی بڑی بڑی کارستانیاں

یہ بیان جہاں سے شروع کیا ہے، وہاں انھوں نے ایک عجیب جملہ بیان فرمایا ہے: فإنه صغير جِرمه عظيم طاعته وجُرمه[۱] کہ: اس زبان کا سائز تو بہت چھوٹا ہے لیکن اس کی شرارتیں بہت زیادہ اور بڑی ہیں۔ دیکھنے میں چھوٹی سی ہے، ایک چھٹا نک بھر ہے لیکن اس کی وجہ سے آدمی کو جو نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں۔

بڑے موذی کو مارا، نفسِ امّارہ کو گر مارا

بہرحال! حضرت حسّان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھنے کو تو پوچھ لیا، فوراً احساس

---

(۱) إحياء علوم الدين، ۱۰۸/۳، كتاب أفات اللسان.

ہوا کہ میں نے ایک فضول سوال کیا۔ اپنے دل سے کہنے لگے کہ تو نے یہ سوال کیوں کیا؟ تجھے کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب اگر مل بھی گیا تو تجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں اب تیری سزا کے طور پر ایک سال تک تجھ سے روزے رکھواؤں گا!

اس مارِ آستیں کا نہ کچلا جو سر تو پھر

ایک بزرگ ہیں، ایک مرتبہ عصر کے بعد اپنے ایک دوست کی ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گئے اور پوچھا کہ وہ ہیں؟ جواب ملا کہ ہیں لیکن سو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ کوئی سونے کا وقت ہے۔ یہ کہا اور واپس ہو گئے۔ اب یہ بڑے آدمی تھے، گھر والوں نے پیچھے آدمی بھیجا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کو اٹھا دیں۔ وہ آدمی دیر کے بعد آیا اور کہنے لگا کہ میں تو ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، وہ تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے دل ہی دل سے باتیں کرتے جا رہے تھے کہ تجھے کیا پڑی کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں ہے، تو نے اپنی زبان سے ایسی بات کیوں نکالی؟ تو کیوں دوسروں کے متعلق ایسی بات کہتا ہے؟ اس طرح کے جملے بولتے بولتے وہ قبرستان گئے اور اپنے نفس سے کہنے لگے کہ اب تجھے یہ سزا دوں گا کہ ایک سال تک لیٹوں گا نہیں، اِلّا یہ کہ بیمار ہو جاؤں!!

ان حضرات کی زبان سے کوئی فضول بات نکل جاتی تھی تو وہ اپنے لیے باقاعدہ سزا تجویز کرتے تھے۔

ہماری ہر بات لکھی جاتی ہے

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ [آل عمران:۱۸۱] یہود نے باری تعالیٰ کے متعلق کہا تھا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَاءُ﴾: تو باری تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ جو کہہ رہے ہیں، ہمارے یہاں اس کا ریکارڈ رہتا ہے، جو کچھ بھی بولا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو لکھ لیا جاتا ہے، ہم اور آپ تو بول کر بھول جاتے ہیں، ابھی ایک گھنٹہ پہلے کوئی بات کہی ہو اور کوئی آ کر کہے کہ آپ نے یہ کہا تو صاف مُکر جاتے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور چار پانچ آدمی آ کر کہیں گے کہ حضرت! آپ نے ایسا کہا تھا تو کہیں گے کہ جی کہا تھا، مجھ سے بھول ہوگئی، لو! ''بھول ہوگئی'' تو بولنے میں سوچنے کی ضرورت ہے، اس کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام ضروری ہے۔

بھلی بات کہو یا خاموش رہو

اسی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا، أَوْ لِیَصْمُتْ: جو آدمی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ یا تو بھلی بات اپنی زبان سے کہے یا پھر خاموش رہے(۱)۔

ہمیں بھی اپنی زبان کو لوک (lock) لگانے کی ضرورت ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضراتِ انبیاء کے بعد پوری انسانیت میں سب سے افضل سمجھے جاتے ہیں، ان کے متعلق مشکوۃ شریف میں ہے کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے؛ تاکہ کوئی بات بلا سوچے بولنے کی نوبت نہ آئے، تالا لگا دیا، ہمیں بھی اپنی زبان کو لوک (lock) لگانے کی ضرورت ہے کہ بولنے سے پہلے لوک کھولیں پھر بولنے تک

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یؤذ جارہ.

سمجھ میں آ جائے کہ کیا بولنا ہے۔

پہلے سوچو پھر بولو

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں: وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو کہ جس کے متعلق کل تمھیں معذرت پیش کرنی پڑے۔

ہوتا یہ ہے کہ آدمی جب بول رہا ہوتا ہے تو اس کو اندازہ نہیں ہوتا، کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی۔ اب وہ بات اس آدمی تک پہنچ گئی اور دوسرے دن آ کر پوچھنے لگا کہ آپ نے میرے بارے میں ایسی ایسی بات کہی ہے؟ اب ''نا'' بھی نہیں کہہ سکتا تو معذرت کرتا ہے، اِدھر اُدھر کے بہانے بناتا ہے تو تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالو؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ پہلے سوچو پھر بولو، سوچ کر بولنے کی عادت ڈالو۔

سوچ کر بولنے کی عادت ایک دم نہیں آتی

جب اس کی عادت ڈالیں گے تو کچھ دنوں تک ایسا ہوگا کہ بغیر سوچے بھی کچھ باتیں کہیں گے؛ کیوں کہ ہم عادی ہو چکے ہیں، بغیر سوچے زبان سے بات نکل جائے گی مگر جب دھیرے دھیرے کنٹرول کرو گے تو ایک دن آئے گا کہ بغیر سوچے اپنی زبان سے کوئی بات نکالنا گوارا نہیں کرو گے۔

سوچنا کیا ہے؟ یہ کہ میں جو بات بولنے جا رہا ہوں، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ

کی کوئی نافرمانی تونہیں ہے؟ گناہ کا کام تونہیں ہے؟ یہ سوچو اور اس کے بعد زبان سے بولنے کی کوشش کرو۔

اسی پہ رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

اور تیسری بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاس: لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کی طرف سے مکمل مایوس ہو جاؤ۔ بھائی! آدمی کے جی میں اللہ تعالیٰ نے حرص کا ایک مادّہ رکھا ہے، لالچ کا، ہر ایک میں حرص ہے، اس حرص کی وجہ سے آدمی کا نفس کا اس کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ مجھے کچھ دے گا، وہ مجھے کچھ دے دے گا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بھائی! لوگوں کے پاس جو کچھ ہے، اس کی طرف سے مایوس ہو جاؤ، کسی سے کوئی امید نہ رکھو، امید رکھنی ہے تو اللہ سے رکھو، مانگنا ہے تو اللہ سے مانگو، زبان سے اگر مانگتے ہو، سوال کرتے ہو تو اللہ کے علاوہ سے مانگنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور دل سے یہ تمنا کرتے ہیں تو یہ بھی ناجائز ہے، اللہ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

لوگوں سے ہمیں تکلیف پہنچنے کی بنیادی وجہ

یہ جو لوگوں سے آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو بزرگوں نے لکھا ہے کہ تکلیف پہنچنے کی بنیاد یہی ہے کہ ہم یہ امید رکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا اور جب وہ ایسا معاملہ نہیں کرتا تو وہ ہمیں برا لگتا ہے، اس سے ہم کو اذیت پہنچتی ہے اور جب ہم کسی سے کوئی امید نہیں رکھیں گے تو کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

اشراف کی حقیقت

یہ ویسے بھی اشراف کہلاتا ہے یعنی نفس کا کسی کے مال کی طرف جھانکنا، تاکنا اور یہ امید رکھنا کہ مجھے اس میں سے کچھ مل جائے۔ صوفیا کے یہاں تو یہ ہے کہ کسی سے کچھ ملنے کی امید رکھی، چاہے آپ نے زبان سے سوال نہیں کیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

آدمی کو ربِّ اعلیٰ پر توکل چاہیے

حدیث میں ہے: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ (۱): **اللہ** تبارک وتعالیٰ نے تمھاری قسمت میں جو لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، سب سے بڑے مال دار بن جاؤ گے۔ ہمارا اور آپ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اور آپ کے لیے جو لکھ دیا، ساری دنیا مل کر اس میں سے ایک دانہ کم نہیں کر سکتی اور ساری دنیا مل کر ایک دانے کا اس میں اضافہ نہیں کر سکتی۔ پھر بھائی! یہ پریشانی کیوں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو لکھ دیا ہے اس پر ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حصے کی روزی کسی کو دیں گے نہیں اور دوسرے کے حصے کی روزی ہمیں مل نہیں سکتی۔

حقیقی مال داری

قناعت اور اللہ کی دی ہوئی روزی پر راضی رہنے سے بڑی کوئی مال داری نہیں ہے۔ مال و دولت کی کثرت مال داری نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی صراحت موجود

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ.

ہے: لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ (۱): کہ: سامان اور مال کی زیادتی کا نام مال داری نہیں ہے، مال داری تو دل کی بے نیازی ہے، دل کی ایک صفت ہے۔ آدمی کے دل میں کسی کے مال کی لالچ نہیں ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے ہیں لیکن دل کی بے نیازی حاصل ہے تو وہ مال دار ہے اور کروڑہا کروڑ روپیہ ہے، فیکٹریاں چل رہی ہیں، پھر بھی دل میں حرص ہے کہ اور مال آجائے تو یہ مال داری نہیں ہے۔

دل کی یہ بے نیازی وہ دولت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو عطا فرمادیتے ہیں تو بادشاہوں کی دولت پر بھی اس کی نگاہ نہیں ہوا کرتی۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور صاحبِ تفسیرِ مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں عرب ممالک سے بھی لوگ آیا کرتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ عرب کے علاقوں میں اور روس کی اوپر کی ریاستوں تک اور عراق اور شام میں ان ہی کی برکت سے پھیلا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم خلفاء

ان ہی کے خلیفہ تھے شیخ خالد کردی نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے بہت بڑے عالم تھے اور علامہ شامیؒ جو حنفیہ کے بہت بڑے مفتی اور فقیہ تھے۔ مفتیانِ کرام ان ہی

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ.

کی کتاب کو دیکھ کر فتوی دیا کرتے ہیں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کی کتاب ''روح المعانی'' معروف ومشہور ہے، یہ بھی ان ہی کے خلیفہ تھے، ان کے مریدوں کا بہت بڑا سلسلہ ہے۔

روزانہ ان کے یہاں بہت سارے لوگ آتے تھے، ویسے ۵۰۰ رفقراء تو مستقل ان کی خانقاہ میں ذکرواذکار کے اندر مشغول رہتے تھے اور دوسرے مہمانوں کی تعداد الگ ہوتی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' میں بڑے عجیب وغریب انداز میں ان کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم

ٹونک کے اس وقت کے نواب میر خان حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے انھوں نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں دسترخوان پے کثرت سے مہمان ہوتے ہیں انھوں نے ایک جاگیر دینا چاہی تو اس کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر لکھ کر کے بھیجا:

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم		با میر خان بگو کہ روزی مقدر است

کہ ہم تمھاری یہ جاگیر قبول کر کے فقر وقناعت کی عزت کو بیچنا نہیں چاہتے، میر خان سے کہہ دو کہ روزی تو مقدر ہے، وہ آکر کے رہے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے اپنے آپ کو

مایوس کرلیں گے تو اس سے بڑھ کر کے کوئی اور خوبی نہیں ہے۔آدمی اسی حرص کی وجہ سے عام طور پر ذلتیں اٹھاتا ہے

خلاصۂ حدیث

تو بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین مختصر نصیحتیں فرمائی ہیں: (۱) جب نماز پڑھو تو ایسی پڑھو، گویا یہ زندگی کی آخری نماز ہے، اگر اس طرح نماز پڑھیں گے اور یہ کیفیت ہماری نمازوں میں آجائے گی تو ہماری نماز میں جو کمزوری ہے وہ دور ہو جائے گی۔ (۲) کوئی بات اپنی زبان سے ایسی نہ نکالو کہ جس پر کل کو آپ کو معذرت پیش کرنی پڑے۔ (۳) لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو جاؤ۔ دوسرے کے پاس ہے، وہ ہمیں ملنے والا نہیں ہے۔ جب ملنے والا نہیں ہے تو کاہے کو اس پر نظر کریں۔ جو اسے ملا ہے، وہ اس کو مبارک۔ مجھے جو اللہ نے دیا ہے، وہ میرے لیے کافی ہے۔

بڑی قیمتی نصیحتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین نصیحتیں

(۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ کے احوال

بمقام: بوتسوانا (براعظم افریقہ)

۲۰۱۱ء

وضاحت

اس موضوع پر حضرت دامت برکاتہم العالیہ کا بیان اگر چہ ابھی گذر چکا ہے لیکن وہ انتہائی مختصر ہے اور اس کے مقابلے میں یہ دوسرا بیان بہت زیادہ مفصل، پر مغز اور متنوع نصائح اور معلومات پر مشتمل ہے جو علماء اور عوام دونوں طبقوں کے لیے یکساں طور پر مفید اور بے انتہاء کار آمد ہے، نیز اس میں خطیبوں کے لیے بھی سہولت ہے کہ وہ مختصر اور مطول جس طرح کا بیان کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں؛ اس لیے دونوں بیانوں کو یہاں مِن وعَن درج کیا جاتا ہے، اس معذرت کے ساتھ کہ بعض وجوہ کی بناء پر مکررات کو حذف نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے روحِ بیان کے ختم ہونے کا اندیشہ بھی تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عِظْنِي وَأَوْجِزْ، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ، وَلاَ تَكَلَّمْ بِكَلاَمٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا، وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ (مسند أحمد، حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

قبا: ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا جائے قیام

یہ ایک حدیث ہے جو آپ کے سامنے پیش کی گئی، اس حدیث کے نقل کرنے والے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، یہ وہ مشہور صحابی ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، جن کا نام خالد بن زید ہے، جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں

رہا، قبا اس زمانے میں مدینہ سے الگ ایک مستقل آبادی تھی، اب تو مدینہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک پہنچ چکی ہے اور قبا بھی گویا مدینہ منورہ کا ایک محلہ بن چکا ہے لیکن پہلے یہ ایک الگ آبادی تھی، الگ گاؤں تھا جہاں انصار ہی کے کچھ قبائل آباد تھے۔

قبا میں پہلی مسجد کی بِنا

مدینہ منورہ میں چار قبائل آباد تھے، دو عربوں کے اور دو یہودیوں کے: عربوں کے اوس اور خزرج اور یہودیوں کے بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ یہ عربوں کے جو دو قبائل ہیں: اوس اور خزرج، انہی کے کچھ لوگ قبا کے اندر بھی آباد تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں رہا اور اسی زمانۂ قیام میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ قبا کی بنیاد ڈالی، جو لوگ حج میں جاتے ہیں اور مدینہ منورہ کی زیارت گاہوں کو دیکھتے ہیں تو اس دوران قبا میں بھی جانا ہوتا ہے اور اس مسجد کی بھی زیارت کرتے ہیں جس کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولین بنیاد ڈالی تھی۔

مسجدِ قبا کا تذکرہ قرآن میں

روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلا پتھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے رکھا، دوسرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رکھوایا، تیسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رکھوایا، اس طرح اس مسجد کی تعمیر ہوئی اور ایک موقع پر قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی مسجد کی شان میں یہ آیتیں نازل فرمائیں: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸]

وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ کے اوپر رکھی گئی، وہ زیادہ حق دار ہے اس بات کی کہ آپ اس میں اللہ کی عبادت کے لیے، نماز کے لیے کھڑے رہیں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو حاصل کرنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

اہلِ قبا کی مدح قرآن میں

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا والوں سے پوچھا کہ تم پاکی حاصل کرنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرتے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی تو اس کے جواب میں انھوں نے عرض کیا کہ ہم قضائے حاجت کے بعد ڈھیلہ بھی استعمال کرتے ہیں اور پانی بھی استعمال کرتے ہیں، دونوں کو جمع کرتے ہیں، اسی پر یہ تعریف کی گئی تھی؛ اسی لیے استنجاء کے اس طریقے کو بہتر قرار دیا گیا۔

قبا سے مدینہ کی طرف روانگی اور انصارِ مدینہ کے عشقِ رسول کا عجیب نظارہ

بہرحال! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام وہاں رہا، اس کے بعد چند روز کے بعد ۱۴/ یا ۲۴/ روز کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا سے مدینہ منورہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، اس شان کے ساتھ کہ اپنی اونٹنی پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کرایا اور روانہ ہوئے، جس وقت آپ کی روانگی وہاں سے ہوئی تو راستے کے دونوں طرف حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم صف لگا کر، لائن لگا کر کھڑے ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں، حضراتِ

صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو تعلق تھا، جو محبت تھی، جو عشق تھا، اس کا تقاضا یہی تھا، چنانچہ ہر ایک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتا کہ اللہ کے رسول! آپ میرے یہاں قیام فرمائیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی بتلا دیا تھا کہ آپ کی اونٹنی کو ہماری طرف سے حکم مل چکا ہے، وہ جہاں ٹھہرے گی، وہاں آپ کو قیام کرنا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم کے جواب میں فرماتے کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس کو اللہ کی طرف سے حکم مل چکا ہے؛ اس لیے وہ جہاں بیٹھے گی، وہاں میں قیام کروں گا۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

بعض حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم تو جوشِ محبت میں آ کر اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ بھائی! چھوڑ دو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کا فیصلہ فرمایا؛ کیوں کہ اگر فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑا جاتا اور آپ اپنی طرف سے، اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان عشاق اور محبت کرنے والوں کے درمیان تنافس اور تحاسد کا ذریعہ بنتی سکتی تھی؛ اس لیے اس کا فیصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ ہی میں رکھا، چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں بڑھتے بڑھتے، جہاں اس وقت، بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کا جہاں دروازہ ہے، وہاں اور بعض کہتے ہیں کہ جہاں منبر شریف ہے،

اس جگہ پر آ کر اونٹنی بیٹھ گئی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اٹھایا اور آگے چلایا، چند قدم آگے چلی پھر وہاں سے واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ اس نے زمین پر ڈال دیا، گویا یہ اس بات کا اظہار تھا کہ مجھے یہیں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بنو عمرو بن عوف میں قیام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق تھا

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان بالکل وہیں، اس کے سامنے تھا، جلدی سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھا کر کے اپنے مکان میں لے گئے، گویا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے یہ طے فرمایا، تجویز کیا کہ ان کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہو، ویسے بنو عمرو بن عوف ــــ یہ انصار کا خاندان ہے، اسی سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا اور یہ وہ خاندان ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب کی ننیہال بھی اسی خاندان میں تھی؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو پردادا ہیں ہاشم، ان کا نکاح اسی خاندان میں ہوا تھا۔

خاندانِ بنو عمرو بن عوف میں ہاشم کا نکاح اور اس کا پس منظر

چوں کہ مکہ والے تجارت کی غرض سے شام کا سفر کرتے رہتے تھے اور مکہ مکرمہ سے شام جاتے ہوئے راستے میں مدینہ پڑتا ہے تو مکے والوں کے تعلقات مدینہ منورہ والوں سے پرانے زمانے سے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سے تھے، ان کے آنے جانے کا راستہ تھا تو مدینہ میں قیام بھی کرتے تھے اور مدینے والے بھی کبھی حج یا عمرے کے لیے مکہ جاتے تو ان کے یہاں قیام کرتے تھے، اس طرح ان

کے درمیان آپس کے تعلقات تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا حضرتِ ہاشم بھی تجارت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے، ان کا قیام بھی وہاں مدینہ منورہ کے اندر عمرو بن اُحیحہ جن کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا، ان کے گھر ہوا کرتا تھا، ان کی ایک بیٹی تھی سلمیٰ نام تھا، جو اپنے حسن و جمال اور خوب صورتی میں بڑی مشہور تھی تو حضرت ہاشم نے پیغامِ نکاح دیا عمرو بن اُحیحہ کو، بیٹی کے باپ کو کہ میں آپ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، انھوں نے منظور کیا لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ میں اپنی بیٹی کو مکہ نہیں بھیجوں گا، آپ جب چاہیں یہاں تشریف لائیں اور یہاں قیام کریں۔

خواجہ عبد المطلب کی مدینہ میں پیدائش اور پھر مکہ میں آمد

چنانچہ اسی شرط کے ساتھ نکاح ہوا اور انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب پیدا ہوئے، جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے سر کے کچھ بال سفید تھے اور جس کے سر کے کچھ بال سفید ہوں اس کو عربی زبان میں شیبہ کہا جاتا ہے تو سر کے اندر کچھ بالوں کے سفید ہونے کی وجہ سے ان کا نام بھی شیبہ رکھا گیا اور وہ اپنی ماں کے پاس، اپنی ننیہال کے اندر بڑے ہوئے۔ اسی زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا حضرت ہاشم کا انتقال ہوگیا، اس ہاشم کے ایک بھائی تھے، ویسے تو یہ کل چار بھائی تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبدِ شمس (۴) نوفل، ویسے ہاشم کا اپنے بھائی مطلب کے ساتھ زیادہ تعلق تھا تو انھوں نے اپنی موت کے وقت وصیت کی تھی کہ میرا بیٹا جو وہاں مدینہ منورہ میں جب کچھ بڑا ہو جائے تو اس کو لے آنا، چنانچہ اپنے بھائی کی اسی وصیت کے مطابق مطلب

ان کو لینے کے لیے، ہاشم کے جو بیٹے تھے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جو ابھی چھوٹے تھے، ان کو لینے کے لیے مدینہ منورہ گئے اور چوں کہ پانچ چھ سال کے ہو چکے تھے، ان کو اپنے ساتھ اپنے اونٹ پر بٹھا کر مکہ مکرمہ لے آئے۔

عبد المطلب کی وجہِ تسمیہ

اب اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ کوئی آدمی کسی سفر میں گیا ہو اور اس طرح کا کوئی چھوٹا بچہ اپنے ساتھ بٹھا کر لے آتا تو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی غلام کو خرید کر کے لایا ہے تو انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا تو لوگ سمجھے کہ یہ مطلب کا غلام ہے جس کو وہ خرید کر لے آئے ہیں تو لوگوں نے اس کو عبد المطلب، عبد المطلب کہہ کر بلانا شروع کر دیا ''مطلب کے غلام'' وہیں سے ان کا نام عبد المطلب ہو گیا تو ان کی والدہ اسی بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتی تھیں اور ویسے بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی تمنا تھی کہ آپ یہاں پر دادا کی ننیہال میں قیام کریں لیکن یہ فیصلہ آپ نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کے لیے یہ تجویز کر دیا۔

ہجرت سے سالہا سال پہلے تُبّع بادشاہ کا سفرِ مدینہ

بہر حال! حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ ویسے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے بہت سال پہلے یمن کا بادشاہ تُبّع جس کی حکومت بہت پھیلی ہوئی تھی، برِّ اعظم افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی، ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے دورے پر نکلا اور اس کے ساتھ اس قافلے

میں ۴۰۰ رعلماء توریت کے تھے، یہ ایک بہت بڑا قافلہ تھا، شاہی قافلہ۔

سابقہ کتبِ سماویہ میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں کا تذکرہ

اسی سفر میں اس کا یہ قافلہ جب وہاں پہنچا جہاں مدینہ منورہ آباد ہے تو چوں کہ توریت اور دوسری آسمانی کتابوں میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں بھی تھیں کہ نبیِ آخرالزمان پیدا ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی نشانیاں بھی ان کتابوں میں بتائی گئی تھیں ان علامتوں میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں گے تو قافلے میں موجود ۴۰۰ رعلماء جو نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان علامتوں سے واقف تھے، انھوں نے جب وہاں کی علامتیں اور نشانیاں اور حالات دیکھے تو انھوں وہاں کا حال دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے، تو انھوں نے یہ سوچا کہ اگر ہماری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائیں گے؛ اس لیے انھوں نے یہ طے کیا کہ ہم یہیں ٹھہر جائیں۔

یہودی علماء کی مدینہ میں آباد ہوجانے کی درخواست

لیکن چوں کہ شاہی قافلے میں آئے تھے، اس لیے بادشاہ سے اجازت لینا ضروری تھا، اس کی اجازت کے بغیر وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ ان چار سو کے چار سو علماء نے بادشاہ تبع سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمیں یہاں ٹھہر جانے کی اجازت دیں تو ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں، بادشاہ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس کے جواب

میں انھوں نے بتایا کہ نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جونشانیاں اور علامتیں اگلی آسمانی کتابوں: توریت اور دوسرے صحیفوں میں ہے، ان سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہیں کسی بستی میں ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے؛ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہاں رہ جائیں، اگر ہماری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائیں گے اور اگر نہیں تو ہماری نسلوں کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا فرمائیں گے، انصار انہی کے خاندان سے ہیں۔

نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شاہ تبع کی عقیدت ومحبت

چنانچہ بادشاہ نے ان کو اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے، تم یہاں ٹھہر سکتے ہو، اتنا ہی نہیں کہ اجازت دی بلکہ اجازت دینے کے ساتھ ان ۴۰۰ر میں سے ہر ایک کو مکان بھی بنا دیا، ہر ایک کو مالِ کثیر دیا؛ تا کہ اطمینان سے زندگی گذار سکیں، ہر ایک کا نکاح کرا دیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک مکان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے مستقل الگ بنوایا؛ تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لاویں تو آپ اس میں قیام کر سکیں اور ان ۴۰۰ر علماء میں سے ایک کو ایک خط بادشاہ نے لکھ کر کے دیا جس میں اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا تھا اور پھر یہ خط ایک عالم کو دے کر کے کہا کہ اگر تمہاری زندگی میں وہ تشریف لے آئیں تو تم یہ خط ان کی خدمت میں پیش کرنا اور اس مکان میں ان کو ٹھہرانا۔

ہجرت کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اپنے ہی گھر میں ہوا

روایتوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں سے

تھے، ان کے پاس وہ خط محفوظ تھا اور جس مکان میں وہ رہتے تھے، یہ وہی مکان تھا جو تُبّع بادشاہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تعمیر کرایا تھا، علامہ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک سیرت نگار ہیں، وہ فرماتے ہیں: گویا کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں نہیں بلکہ اپنے مکان میں ٹھہرے، وہ آپ ہی کا تھا، آپ کے لیے بنایا گیا تھا۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر

بہر حال! یہ مکان بالا خانے والا تھا، اوپر ایک کمرہ تھا، نیچے ایک کمرہ تھا، اس میں زیادہ روم نہیں تھے، اب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اپنے گھر لے گئے اور آپ کا قیام یہاں طے ہو گیا تو انھوں نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! آپ اوپر قیام فرمائیں، میں نیچے رہوں گا۔ ادب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر اور یہ نیچے رہیں لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: بھائی! لوگ ملاقات کے لیے میرے پاس آتے جاتے رہیں گے، اب اگر میں اوپر رہوں اور تم نیچے ٹھہرو گے، تو نیچے بھی ایک ہی کمرہ ہے تو لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے تم کو زحمت اور تکلیف ہو جائے گی؛ اس لیے میں نیچے قیام کرتا ہوں، تم اوپر ٹھہرو، دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا اور آپ کی خواہش یہی تھی، انھوں نے بادلِ ناخواستہ اوپر رہنا منظور کیا لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ جب اسی کمرے میں اِدھر سے اُدھر جانا ہوتا تھا تو وہ کنارے کنارے چلتے تھے، اپنی بیوی اُمِّ ایوب سے کہتے تھے:

اُمِّ ایوب! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف فرما ہیں تو کیا ہم آپ کے اوپر سے گذریں گے؟ تو کہیں آنا جانا ہوتا تھا تو کنارے پر چلتے تھے؛ تاکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر سے گذرنا نہ ہو اور روزانہ کھانا پکا کر کے، دو وقت خوانچہ تیار کر کے کھانا اندر لگا کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے کھانا تناول فرما کر واپس خوانچہ ان کو دیتے تھے، خوانچہ واپس آنے کے بعد یہ دونوں میاں بیوی اسی خوانچے میں سے بچا ہوا کھانا کھاتے تھے اور جہاں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے، وہیں سے وہ کھانا کھانے کا اہتمام کرتے تھے۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ

ایک دن ایسا ہو کہ دیکھا کہ خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی واپس آیا، ان میاں بیوی نے دیکھا کہ اس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے نشانات اندر نہیں تھے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھبرائے، جانے کیا بات ہے، کہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض تو نہیں ہیں، پھر جلدی سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج تو خوانچہ جیسا بھیجا تھا، ویسا ہی واپس آیا ہے، اس میں آپ کی انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھائی! تم نے اس میں پیاز اور لہسن ملا دیا ہے اور یہ بدبودار چیز ہے اور میرے پاس فرشتہ آتا ہے جس کو بدبو ناپسند ہے؛ اسی لیے میں نے نہیں کھایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی میں نے ایسا نہیں

کیا۔اس طرح چھ مہینے سے اوپر کچھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام ان کے مکان میں رہا۔ آپ اندازہ لگائیے کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ چھ ساڑھے چھ مہینے تک نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف عطا فرمائے،اس سے بڑھ کر سعادت کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اسی قیام کے درمیان میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ پانی کا جو برتن تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سارا پانی کمرے میں پھیل گیا، اب دونوں میاں بیوی اوپر سوتے تھے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ گھبرائے کہ نیچے پانی ٹپکے گا، جس سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی، ان کے پاس ایک ہی لحاف تھا جس کو وہ دونوں میاں بیوی بچھاتے بھی تھے اور اوڑھتے بھی تھے، جلدی سے اس پر ڈال کر وہ پانی اس کے ذریعہ سے جذب کرلیا، چوس لیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ ہو پھر صبح کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ عرض کر کے پھر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آج رات ایسا ہوا اور اس ڈر کی وجہ سے اور اس خدشے کی وجہ سے کہ آپ پر پانی نہ گرے، ہماری نیند غارت ہوگئی؛ اس لیے پھر میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اوپر تشریف لے آئیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر جانا منظور فرمالیا۔

مسجدِ نبوی اور امہات المؤمنین کے حجروں کی تعمیر

بہرحال! اسی قیام کے زمانے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی جہاں پر ہے، وہ جگہ دو یتیموں کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لی، ان کے والی کو بلا کر ان سے گفتگو

کی کہ بھائی! یہ زمین مجھے بیچو، میں یہاں مسجد بنانا چاہتا ہوں، انھوں نے عرض کیا کہ ہم مفت میں پیش کرتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتی رقم سے اس کی قیمت ادا فرمائی اور وہاں مسجد تعمیر ہوئی، اس زمانے میں مسجد جو تھی، اس میں کھجور کے تنوں کے ستون، مٹی اور گارے کی دیواریں اور کھجور کے پتوں کی چھت تھی، اس طرح یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے اور مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکنے کے بعد اسی کے ایک کنارے پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ امہات المؤمنین، ازواجِ مطہرات کے لیے، اپنی پاکیزہ بیویوں کے لیے حجرے بنوائے، جب وہ بن گئے تب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان سے اپنے حجروں میں منتقل ہوئے۔

اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر بنانے کا فکر کرنا چاہیے

اور دیکھیے: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس عمل سے قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کو سبق دیا کہ ایک مسلمان جب کسی اجنبی جگہ رہنے کے لیے جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر بنائے، مسجد بناؤ پھر اپنا گھر بناؤ، دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے مسجد بنائی پھر اپنے حجرے تعمیر کرائے، تو بہر حال! مسجد کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد اور حجرے بن چکنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں منتقل ہو گئے اور اس طرح چھ مہینے سے کچھ زیادہ عرصہ تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، اس کے بعد بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر جیسا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر کو اپنا گھر ہی سمجھتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کی بھوک کی وجہ سے بے چینی

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چند وقت کا فاقہ تھا اور فاقہ کی وجہ سے بھوک سے بے چین ہو کر دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکلے، تھوڑی دیر گذری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح، ان کو بھی کئی وقت سے کھانا میسر نہیں ہوا تھا، وہ بھی بھوک سے بے چین ہو کر باہر نکلے، تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی باہر نکلے، حالاں کہ وہ وقت آپ کے باہر نکلنے کا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! چند وقت سے فاقہ تھا، بھوک سے بے چین ہو کر نکلا ہوں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی بھوک محسوس کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کئی وقت سے فاقہ تھا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی خوش بختی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چلو! آج ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں جاتے ہیں، چوں کہ یہ زمانہ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا، کھجوروں کا سیزن تھا اور مدینے والے باغات کے مالک تھے؛ اس لیے کھجوروں کے پکنے کے زمانے میں مدینہ والے اپنی بستی کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے کھجور کے باغات میں جو گھر بنے ہوئے تھے، موسم بھر کے لیے ان کی طرف شفٹ ہو جاتے تھے، جہاں پھلوں کے باغات ہوتے ہیں، وہاں یہی دستور رہتا ہے، چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں حضراتِ شیخین کو لے کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ پر تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ ان کی اہلیہ اُمِّ ایوب تھیں، سلام کیا،

انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے مرحبا کہا: أھلاً بِرسول اللّٰہِ ﷺ وصاحبیه کہا کہ اللہ کے رسول اور ان کے دونوں ساتھیوں کو میں خوش آمدید کہتی ہوں، گویا ویل کم (welcome) کرتی ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے شوہر ابوایوب کہاں گئے؟ جواب دیا کہ وہ میٹھا پانی لینے گئے ہیں، بٹھایا۔

تمھارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

اتنے میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی آ گئے جو پانی کا بڑا مشکیزہ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے تھے، دیکھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ شیخین کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو مارے خوشی کے پاگل ہو گئے، جلدی سے مشکیزہ نیچے رکھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لپٹ گئے اور أھلاً بِرسول اللّٰہِ ﷺ وصاحبیه بار بار کہتے جا رہے تھے کہ اللہ کے رسول اور ان کے دونوں ساتھیوں کو میں خوش آمدید کہتا ہوں پھر جلدی سے چادر بچھا کر ان حضرات کو بٹھایا اور جلدی جلدی جا کر کھجور کا ایک بڑا خوشہ توڑ کر کے لائے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کے سامنے رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پورا خوشہ توڑ کر کیوں لے آئے، پکی پکی کھجوریں توڑ کر لاتے، أَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ اس پورے خوشے میں تو کچی کھجوریں بھی ہیں، وہ ضائع نہ ہوتیں، تو اس پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں کی پسند مختلف ہوتی ہے، بعض لوگوں کو پکی کھجوریں اچھی لگتی ہیں اور کسی کی ادھ پکی اچھی لگتی ہے، بعضوں کو کچی اچھی لگتی ہیں، میں پورا خوشہ اس لیے توڑ کر لایا ہوں کہ جس کو جیسی اچھی لگے، ویسی کھائے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے

اس جواب کو سن کر بہت مسرور ہوئے اور ان کے اس فیصلے کو سراہ کر دعا دی۔

جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ کا فقر وفاقہ

پھر انھوں نے اجازت چاہی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو بکری ذبح کروں؟ تو فرمایا: ٹھیک ہے، ذبح کرو لیکن دیکھو! دودھ والی مت ذبح کرنا، جو دودھ نہیں دیتی، اسی کو ذبح کرنا، ہمیں تو گوشت ہی کھانا ہے، دودھ والی بکری کو ذبح کرو گے تو وہ دودھ والا فائدہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بکری ذبح کی اور ان کی گھر والی نے آٹا گوندھا اور پھر ذبح کی ہوئی بکری کے گوشت کے دو حصے کر کے ایک حصہ شوربے والا اور ایک حصہ بھونا ہوا تیار کیا اور روٹیاں بھی بن گئی اور اللہ کے رسول کے سامنے رکھ دی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اس میں سے ایک روٹی لے کر اس بھونے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا اس پر رکھ کر حضرت ابو ایوب کو دے کر فرمایا کہ ابو ایوب! میرے گھر جا کر فاطمہ کو دے آؤ، بہت دنوں سے انھوں نے ایسا کھانا نہیں کھایا ہے، حضرت ابو ایوب دے آئے (۱)۔

قسطنطنیہ کی فتح میں شرکت کرنے والوں کے لیے نبوی بشارت

تو بہر حال! یہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کا مشغلہ یہی تھا: غزوات میں شرکت، یہاں تک کہ حضرت امیر

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، باب مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انھوں نے ایک لشکر قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا، قسطنطنیہ اس زمانے میں نصاریٰ کا مرکز تھا، قیصرِ روم جو تھا، اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے اس لشکر کے واسطے جو قسطنطنیہ کو فتح کرے گا بڑی بشارتیں اور خوش خبریاں سنائیں؛ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ ہوئی کہ میں لشکر بھیجوں، اگر اللہ تعالیٰ اس لشکر کے ہاتھوں قسطنطنیہ کو فتح کرادے تو ان خوش خبریوں کی سعادت مجھے اور میرے لشکر کو حاصل ہو جائے۔ قسطنطنیہ کے حقیقی فاتح۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا جذبۂ سرفروشی

چنانچہ اس کے بعد سے لشکرکشی کا یہ سلسلہ مسلمان بادشاہوں میں جاری رہا، اس وقت فتح تو نہیں ہوا، لشکر گیا اور اس نے مقابلہ بھی کیا، قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوا، اسی لشکر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے اور اسی زمانے میں وہ بیمار ہوئے، ان کی عمر اس وقت ۸۰ ر سے متجاوز ہو چکی تھی، بیمار ہوئے اور لشکر کا امیر ان کی خدمت میں خبر گیری کے لیے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جواب میں فرمایا کہ اگر میرا یہاں انتقال ہو جاتا ہے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر کے دشمن کی سرزمین میں جتنا دور لے جاسکتے ہیں، لے جانا اور وہاں مجھے دفن کر دینا- دیکھئے کیا جذبہ تھا- چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش کو گھوڑے پر رکھ کر قسطنطنیہ کی زمین میں جہاں تک لے جاسکتے تھے لے گئے اور وہیں دفن کر دیا۔

حضرت ابوایوبؓ کی قبر قسطنطنیہ میں

بعد میں قسطنطنیہ کو کئی صدیوں کے بعد سلطان محمد فاتح جو ترکوں کے آلِ عثمان کے فرماں رواؤں میں سے ہیں، انھوں نے فتح کیا اور اس کو فتح کرنے کے بعد باقاعدہ انھوں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر کو تلاش کیا اور پھر وہاں اس کے قریب ایک مسجد بنائی جو آج تک موجود ہے، قسطنطنیہ کا موجودہ نام استانبول ہے اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں، وہاں باقاعدہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں اور وہاں کا قلعہ سلطان ایوب کے نام سے مشہور ہے، ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی، ایک سفر استانبول کا ہوا اور زیارت کی سعادت میسر آئی۔

قسطنطنیہ کے حقیقی فاتح

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتھم نے بڑی عجیب بات فرمائی کہ قسطنطنیہ کے فاتح سلطان محمد فاتح نہیں بلکہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ مجھے مختصر نصیحت کیجیے

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا، یہ ہیں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں، کیا فرماتے ہیں؟ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر کے اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی: يَا رَسُولَ اللهِ عِظْنِي وَأَوْجِزْ: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے!

جو مال ومتاعِ دنیا کو تحقیر سے دیکھا کرے تھے

دیکھئے! جب ہم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ چیز کھل کر نظر آتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آدمی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی سوال کرتا تھا تو اپنی دنیا کے متعلق نہیں، بلکہ آخرت کے متعلق سوال کرتا تھا: کوئی ہے جو آ کر کے یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جس کو کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (۱)، کوئی ہے جو آ کر کے یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جس کو کر کے ہم اللہ کے یہاں محبوب بن جائیں، اللہ کے لاڈلے اور پیارے بن جائیں، ایسا کوئی عمل بتلا دیجیے (۲) یعنی ان کی زندگی کا مقصود جو تھا، منتہائے نظر جو تھا، وہ یہی تھا، آخرت۔ کوئی آ کر یہ نہیں کہتا تھا کہ میری بیوی بیمار ہے، دعا کیجیے، میرا کاروبار ٹھنڈا چل رہا ہے، ذرا دعا کر دیجیے، میری کھیتی میں برکت ہو، اس کی دعا کر دیجیے۔ کبھی ایسی درخواست نہیں کرتے تھے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج ہمارا معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ اہل اللہ میں سے کوئی آ گیا تو آخرت تو ایک

---

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا الحديث (صحيح البخاری، باب وُجُوبِ الزَّكَاةِ)

(۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللَّهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللَّهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاس (سنن ابن ماجة، بَابُ الزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا)

کنارے پر رہ جاتی ہے اور درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! ذرا کاروبار ٹھنڈا چل رہا ہے، بچہ ذرا نافرمان سا ہو گیا ہے یا گھر میں ذرا یوں معاملہ ہے، کوئی دعا کرانا گناہ کا کام نہیں ہے، اچھا ہے، ضرور کرائیے لیکن ہم نے اپنی زندگیوں میں جس چیز کو مقصد بنا رکھا ہے، اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج ہماری نگاہوں میں اسی کی اہمیت رہ گئی ہے، آخرت کا ہمیں خیال بھی آتا نہیں ہے، ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

رہ گذر دنیا ہے، یہ بستی نہیں

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو وہاں ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کی نگاہ ہر گھڑی آخرت پر لگی ہوئی ہے، دنیا کی زندگی کی ان کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں ہے، بس جو ہے، گذارا ہو رہا ہے، باقی محنت صرف آخرت کے لیے کرنی ہے اور واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے، دنیا میں ہمارا آنا مستقل نہیں ہے، دنیا ہمارا مستقل گھر ہے ہی نہیں، یہ تو رہ گذر ہے، گویا یہ ویٹنگ روم (waiting -room) ہے، راستے میں سے گذر رہے ہیں، ہمارا اصلی گھر تو آخرت ہے، ہر انسان کا اصلی گھر آخرت ہے، اب اس کو ہمیں بنانا ہے تو اس کو بنانے کے واسطے اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے۔

جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، ایک مرتبہ ان کا کوئی مکان جو چھوٹا سا تھا، مٹی سے لیپ رہے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ منظر

دیکھا تو فرمایا: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ (۱): اے عبداللہ! دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم اجنبی آدمی ہو، پردیسی آدمی ہو، دوسری جگہ سے یہاں آئے ہو۔ تو ہم یہاں آئے تو کیا ہم یہاں مکان بنائیں گے؟ نہیں، ہمیں تو یہاں دو چار دن رہنا ہے تو مکان کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ اس ایک قدم اور آگے بڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ راستہ پار کرنے والا، جیسے ہم ابھی یہاں ایک دن کے لیے بھی ٹھہرے نہیں ہیں لیکن آتے ہوئے راستے میں سے، کار میں بیٹھ کے جب آتے ہیں تو وہ جگہ جو آتے ہوئے راستے میں سے گذرتی ہے، اس کا اتنا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا ایک دن قیام کے سلسلے میں کیا جاتا ہے تو گویا ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ہمیں اپنی دنیا کی طرف دھیان نہیں دینا ہے، اپنی محنتوں اور اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے پیچھے ضائع نہیں کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے، اس موقع کو آخرت کو بنانے کے واسطے استعمال کرنا ہے۔

نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دنیا پیچھے جارہی ہے اور آخرت آگے آرہی ہے، ہمارا ہر قدم کس کی طرف ہے؟ آخرت کی طرف ہے؛ اس لیے ابناءِ دنیا میں سے مت بنو، دنیا پرستوں جیسے مت بنو، ابناءِ آخرت میں سے بنو، شاعر کہتا ہے:

نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ		کدھر جارہا ہے، کدھر دیکھتا ہے

کوئی آدمی سامنے جارہا ہو اور دیکھتا ہو پیچھے تو کیا ہوگا؟ یہی حال ہوگا، گر جائے گا

(۱) صحيح البخاري، باب مَثَلِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ.

تو ہمارا ابھی قدم تو سوئے عقبیٰ ہے، آخرت کی طرف جارہے ہیں اور نظر ہماری کدھر ہے؟ دنیا کی طرف ہے۔

نظر سوئے دنیا، قدم سوئے عقبیٰ		کدھر جارہا ہے، کدھر دیکھتا ہے

دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں

تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو اپنا مقصود بنالیا ہے، اگر ہم آخرت کے لیے اتنی محنت کرتے، بلکہ جتنی محنت دنیا کے لیے کرتے ہیں، اس کی آدھی محنت بھی آخرت کے لیے کرتے تو یہ آدھی محنت بھی آخرت میں بہت بڑی کامیابی کی ضامن تھی۔

بہرحال! میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صحابہ کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگیوں کا جو مقصود اور منتہائے نظر ہمیں نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم آخرت کی تیاری کریں؛ اسی لیے اس آنے والے نے کیا سوال کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے!

نصیحت مختصر اور جامع ہو

آج تو حال یہ ہے کہ کوئی کسی مفتی صاحب، مولوی صاحب کے پاس آکر کہے کہ مختصر نصیحت کیجیے تو مولوی صاحب ناراض ہوجائیں گے۔ یہاں حضور ﷺ کی خدمت میں درخواست کی جارہی ہے کہ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے!

لوگوں کو راضی کرنے کے لیے رب کو ناراض نہ کر

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے لیکن لمبی نصیحت مت کرنا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لکھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سنا ہے: مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ (۱): جو آدمی لوگوں کی ناراضگی مول کر اللہ کو خوش کرتا ہے یعنی اللہ کو خوش کرنے کے لیے لوگوں کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ناراضگی کے لیے اس کو کافی ہو جاتے ہیں یعنی لوگوں کی ناراضگی سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور جو آدمی اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ جاؤ۔ دیکھو! اگر کسی شخص کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کیا تو ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہی شخص اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور آخرت کے ساتھ دنیا بھی ہاتھ سے جاتی ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

آج ہم جو در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اللہ کی خوشنودی کو اپنا مقصود نہیں بنایا کہ فلاں ناراض ہو جائے گا۔ شادی کا موقع آتا ہے، سنتوں پر عمل کرنے کے لیے جب ہمیں کہا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے، لوگ کیا کہیں گے! بھائی! یہ جو دنیا والے ہیں، اگر ان سب کی خوشنودی حاصل کرنے جاؤ گے نا تو کوئی آدمی کبھی سب کو خوش کر سکتا نہیں ہے، یہ یاد رکھئے، ایک کو خوش رکھنا آسان ہے، سب کو خوش کرنا مشکل ہے، بس ایک ہی ذات ہے

(۱) سنن الترمذی، عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی تعالیٰ اللہ عنہا، رقم الحدیث: ۲۵۹۷.

جو ہماری خالق و مالک ہے، اسی کو راضی کرنے کی کوشش ہمیں کرنا ہے۔

شادی میں اللہ کے سوا سب کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے

آج کل کیا ہو رہا ہے؟ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ، فرماتے تھے کہ جب کسی کا نکاح ہوتا ہے نا تو ہر ایک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ گھر میں کام کرنے والا جو مزدور ہوتا ہے، بھنگی ہوتا ہے، بیت الخلاء صاف کرنے والا، وہ بھی راضی ہو جائے، اس کی کوشش ہوتی ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، یہ نہیں سوچا جاتا کہ میں یہ کام کرنے جا رہا ہوں، اس سے اللہ ناراض ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ ناراضگی بھی صحابۂ کرام کو گوارا نہیں تھی

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج کیسا تھا؟ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج تو یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سی ناراضگی بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ایک بالا خانے پر نظر پڑی، ایک گنبد نما مکان تھا، نیا بنا ہوا، پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ تو کسی نے جواب دیا کہ فلاں کا ہے، ایک صحابی کا نام دیا۔ اب یہ بات ہو گئی، وہ صحابی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا، ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چہرۂ انور کو پھیر لینا قیامت کی بات تھی، انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض دیکھ رہا ہوں تو انھوں نے کہا کہ ہاں! ایک بات ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے، آپ کے مکان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر پڑی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے تو ہم بتلایا کہ آپ کا ہے۔

پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

بس، گئے اور اس مکان کو ڈھا دیا! اور آ کر کے یہ بھی عرض نہیں کرتے، ہمارے جیسا ہوتا تو آ کر کے کہتا کہ حضرت! آپ کی ناراضگی کا پتہ چلا تو میں اس کو ڈھا کر کے آیا ہوں۔ نہیں آ کر بتلایا بھی نہیں۔ ہم تو اپنے بڑوں پر بھی احسان کرنے کی بات کرتے ہیں، وہاں یہ بات نہیں تھی۔ آ کر بتلایا بھی نہیں، بلکہ دوسرے موقع پر کچھ دن کے بعد دوبارہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے جب گذر ہوا اور آپ نے وہاں وہ گھر نہیں دیکھا تو پوچھا کہ یہاں وہ گنبد والا مکان تھا، اس کا کیا ہوا تو لوگوں نے بتلایا کہ اے اللہ کے رسول! وہ صاحبِ مکان آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تھا، سلام کیا تھا، آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا، اس نے ہم سے پوچھا تھا تو ہم نے اس کی وجہ بتا دی تھی، بس اس نے جا کر اپنے مکان کو ڈھا دیا۔ یہی چیز ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی ہمارے لیے ایک قیامت ہونی چاہیے تو ہماری زندگیوں میں انقلاب آ سکتا ہے، آج تو ہمیں اس کا احساس اور پرواہی نہیں۔

دین میں نماز کی اہمیت

تو بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے

رسول! مجھے کچھ نصیحت کیجیے اور مختصر نصیحت کیجیے! تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں، پہلی نصیحت یہ فرمائی: إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ: کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس آدمی کی سی نماز پڑھو جو دنیا کو الوداع کہہ رہا ہو، یعنی نماز ایک بہت اہم چیز ہے بلکہ دین کی بنیاد اس کو کہا گیا ہے: الصَّلاَةُ عِمَادُ الدِّينَ، فَمَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّينَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ کہ نماز دین کا بنیادی ستون ہے، جس نے نماز کو ڈھایا، اس نے گویا دین کو ڈھایا۔

خیمہ لگاتے ہیں نا، جس کو "تمبو" کہتے ہیں تو خیمے میں بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے، اس کو عربی زبان میں عِماد کہتے ہیں، اسی پر خیمہ قائم ہوتا ہے، وہ گر گیا تو خیمہ گر گیا تو دین کی یہ عمارت اور دین کا خیمہ نماز پر قائم ہے تو جو آدمی نماز کو قائم کرے گا، اس نے گویا دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا، اس نے گویا دین کے خیمے کو گرا دیا۔ نماز اتنی اہم ہے لیکن آج ہم مسلمان کہلانے کے باوجود نماز جیسی اہم عبادت سے غفلت کا شکار ہیں۔

نماز کے معاملے میں ہمارا مزاج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے گورنروں کے نام ایک فرمان جاری کیا تھا جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "موطا" میں شروع ہی میں نقل کیا ہے۔ چوں کہ یہ حکم رانی ایسا کام ہے جس کی وجہ سے نماز کے معاملے میں غفلت اور کوتاہی ہوتی جاہے۔ آج کل ایک رواج یہ بھی بنا ہوا ہے کہ کو لوگ دین کے یا عام سماجی کام میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کی کاموں مشغولی کی وجہ سے بہت سی مرتبہ نماز کے

معاملہ میں غفلت کرتے ہیں اور نماز کا وقت نکل جاتا ہے، نماز قضا ہو جاتی ہے۔

نماز کی حفاظت اپنے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے تمام گورنروں کے نام جو فرمان جاری کیا، اس میں یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ لکھی: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلاةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ: کہ تمھارے کاموں میں سب سے اہم کام میرے نزدیک نماز ہے- یہ کوحکم رانی ہے، اس کی وجہ سے یہ مت سمجھنا کہ نماز کے معاملے میں بے پروائی سے کام لو، غفلت سے کام لو، وقت پر نہ پڑھو، جماعت چھوڑ دو۔ نہیں، یہ سب سے اہم ہے- فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا: جس نے نماز کی حفاظت کی، اس کی پابندی کی، اس کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کیا، حَفِظَ دِينَهُ: اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔

نماز کے معاملے میں بڑھتی ہوئی ہماری کوتاہی

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اپنے دین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ ہم نماز کا اہتمام کریں۔ ہم نے اپنے جن اکابر کو دیکھا ہے، ان کے یہاں نماز کا بڑا اہتمام تھا، جماعت کا بڑا اہتمام تھا، وہ کسی حال میں نماز یا جماعت کو چھوڑنے کے روادار نہیں ہوتے تھے۔ آج ہمارے دین دار طبقے میں بھی نماز کے معاملے میں بہت زیادہ غفلت آچکی ہے اور اس کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو دینی چاہیے۔

حضراتِ اکابر کے یہاں نمازوں کا اہتمام

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا کہ بیماری کے زمانے میں اٹھ نہیں سکتے تھے تو مسجد کے اندر پلنگ لایا جاتا تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیمار ہیں، چلنے پھرنے سے معذور ہیں لیکن خُدّام ان کو کرسی پر اٹھا کر لاتے ہیں، کبھی جماعت کو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے اکابر نماز کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔

تارکِ صلوۃ سے دوسرے دینی امور کی حفاظت کی توقع نہیں کی جاسکتی

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاکید فرمائی کہ جس نے نماز کی پابندی کی، اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔ وَمَنْ ضَيَّعَهَا: اور جو نماز کو ضائع اور برباد کرے گا، فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ: وہ دین کے دوسرے شعبوں کے معاملے میں بہت زیادہ غفلت اور بے پروائی سے کام لے گا۔ جو نماز کی حفاظت اور پابندی نہیں کرتا، اس سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ دین کے دوسرے شعبوں کا حق ادا کرے؛ اس لیے نماز کی طرف خاص توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

مسلمان قوم نصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ ہمارے یہاں اب دھیرے دھیرے لوگوں نے جمعہ کی نماز کے اوپر اکتفا کرنا شروع کردیا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا، جیسے نصاریٰ ہفتے میں صرف ایک دن: اتوار کے دن اپنی عبادت گاہوں میں

جاتے ہیں اور وہ بھی اب تو ختم ہوتا جا رہا ہے۔ خدا نہ کرے، اگر یہی سلسلہ ہمارے یہاں جاری ہو گیا کہ ہفتے میں ایک دن: جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہیں، خدا نہ کرے، وہ بھی ختم ہو جائے تو ہم میں اور نصاریٰ میں کیا فرق رہ جائے گا؟

نماز امتِ محمدیہ کے لیے تحفۂ خداوندی ہے

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے معراج میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر کے نماز کا یہ تحفہ امت کے لیے عطا فرمایا ہے۔

میری نماز کی طرح نماز پڑھو

نماز کی ادائگی کا طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر امت کو بتلایا، ہر ہر چیز اپنے عمل سے کر کے بتلائی اور آخر میں ہدایت فرما دی: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي [(۱)]: کہ مجھے جس طرح تم نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو، اس طرح تم بھی نماز ادا کرو۔

نمازِ نبوی بکمالہا وتمامہا امت کے سامنے موجود ہے

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسی نماز پڑھی تھی؟ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان ساری کیفیات کو نقل کیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز میں کھڑا ہونا کس انداز میں ہوتا تھا، ہاتھ کس طرح اٹھاتے تھے اور رکوع میں کس طرح تشریف لے جاتے تھے، سجدہ کیسا ہوتا تھا، قعدہ کیسا ہوتا تھا۔ ساری چیزیں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے محفوظ کر کے امت تک پہنچا

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ، بـاب الأَذَانِ لِلْمُسَـافِرِ إِذَا كَـانُوا جَمَاعَةً وَالإِقَامَةِ.

دیں اور اگر ان چیزوں میں کسی کسی روایت میں کبھی کوئی اختلاف نظر آتا ہے تو حضراتِ ائمہ مجتہدین نے اس کو بھی حل کر کے امت کے سامنے خلاصہ رکھ دیا تو اب ضرورت ہے کہ نماز کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام

تو نماز بڑی اہمیت کی حامل ہے، ہر ایک آدمی جانتا ہے لیکن نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے، اس طرح ادا کرنا ہے کہ ہمارا دل ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہ ہو، یہ بہت اہم چیز ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ ایمان والے جو اپنی نماز کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ کامیاب ہیں، بامراد ہیں، دنیا وآخرت کی خوش حالی ان کو حاصل ہے۔

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق

تو خشوع کے ساتھ پورے دھیان کے ساتھ نماز کو ادا کرنا یہ بڑا اہم ہے، آج کل کیا ہو گیا ہے؟ دنیا مشینی دور سے گذر رہی ہے، ہر چیز آٹومیٹیک (automatic) تو ہماری نماز بھی آٹومیٹیک ہوگئی، اللہ اکبر کہا تو گویا مشین کا بٹن آپ نے آن (on) کردیا، اب شروع ہو رہا ہے، سبحانک اللھم پڑھی جا رہی ہے، أعوذباللہ پڑھ رہے ہیں، بسم اللہ پڑھ رہے ہیں، الحمد شریف پڑھ رہے ہیں، سورت ملا رہے ہیں، رکوع میں جا رہے ہیں، سبحان ربی العظیم پڑھ رہے ہیں، سب برابر پڑھ رہے ہیں،

جو چیز پڑھنی چاہیے تھی، کوئی چیز چھوٹی نہیں، اب اسی دو رکعت پڑھنے والے سے آپ پوچھو کہ بھائی! آپ نے پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ سوچے گا کہ کون سی پڑھی تھی، حالاں کہ اس نے خود پڑھی تھی۔

نیت باندھے صف میں کھڑے ہیں سب اپنے اپنے خیال میں

اب ہم میں سے بہت سے وہ ہیں جن کو پوچھا جائے کہ مغرب کی نماز میں امام صاحب نے پہلی اور دوسری رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی؟ پوچھوں گا نہیں کسی سے، برا مت ماننا، لیکن میں یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ ہی اپنی ذات سے پوچھ لیجیے، کتنوں کو یاد ہے؟ یہ تو امام صاحب کی پڑھی ہوئی سورت کی بات ہوئی لیکن میں جو بات کر رہا ہوں کہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، وہ جب پڑھ لے تو اس سے فوراً جا کر پوچھو کہ کون سی سورت پڑھی تھی تو یاد نہیں۔ اِدھر یہ سب چل رہا ہے، اُدھر نماز کے اندر ہمارا دل ودماغ پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے: دوکان میں پہنچ گئے، سودا ہو رہا ہے، وہاں بڑا آرڈر (order) بھی دے دیا اور مال کا وہ آرڈر آ بھی گیا اور اس کو چھڑا بھی لیا اور سب کچھ ہو گیا اِدھر نماز بھی ہو رہی ہے، اُدھر یہ بھی ہو رہا ہے، یہ حال ہماری نماز کا ہے ؎

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی	ترستے ہیں آج اس کو منبر ومحراب

پیش کر غافل عمل، گر کوئی دفتر میں ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ آج ہماری نمازوں میں جان نہیں رہی، نماز پڑھتے پڑھتے ہماری زندگیاں گذر گئیں، کسی کو پانچ سال، کسی کو دس سال، کسی کو پندرہ، کسی کو بیس،

تیس، چالیس، پچاس سال سے نماز پڑھ رہے ہیں، کل کو قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھا گیا کہ تو پچاس سال تک نماز پڑھ کر آیا ہے، ایک سجدہ ایسا بتا ہم کو جو تو نے دل کی پوری حضوری کے ساتھ کیا ہو تو کیا ہم ایسی پوزیشن (position) میں ہیں کہ اللہ کے حضور میں ایسا سجدہ پیش کر سکیں، قرآن تو کہتا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، ایک لمحے کے لیے بھی، ایک سیکنڈ (second) کے لیے بھی ہمارا دل اللہ کی طرف سے ہٹنا نہیں چاہیے۔

جو مال ومتاعِ دنیا کو تحقیر سے دیکھا کرتے تھے

ایک صحابی ہیں: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، بڑے باغات کے مالک تھے، ایک مرتبہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران ایسا ہوا کہ ایک چڑیا آ گئی، وہ چڑیا اڑ کے جانا چاہتی تھی لیکن وہ باغ گنجان تھا، درخت کی ٹہنیاں ایسی پھیلی ہوئی تھیں کہ اس چڑیا کو باہر نکلنے کے لیے جگہ نہیں ملی تو وہ واپس آ گئی پھر اڑی، پھر واپس آ گئی، دو تین مرتبہ ایسا ہوا، ان کا دھیان اس کی طرف چلا گیا اور اس کی وجہ سے قرآن جو پڑھ رہے تھے، اس میں بھول ہوگئی، نماز میں بھول ہوگئی، سلام پھیرا اور فوراً اپنے اس باغ کا صدقہ کر دیا کہ اس باغ کی وجہ سے میری نماز میں میرا دھیان ٹوٹ گیا، اتنا قیمتی باغ! ہزاروں درہم کی مالیت کا تھا لیکن پروا نہیں، محبت تھی نا اللہ تعالیٰ

کے ساتھ، تعلق تھا، غیرتِ محبت آ گئی کہ جو مال اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کی عبادت کی راہ میں رکاوٹ بن گیا، میں اس کو اپنے پاس باقی نہیں رکھ سکتا۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

آج تو ہمارا حال یہ ہے کہ نماز کے دوران جیب میں موجود دو روپے کے قلم کی طرف ہمارا دھیان چلا جاتا ہے پھر بھی اس کو صدقہ کرنے کی ہمیں توفیق نہیں ہوتی، باغ تو کیا صدقہ کرتے ہم، اتنا سا قلم بھی صدقہ نہیں کر سکتے۔ میں تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ نماز کو اس طرح دھیان سے ادا کرنا اور پوری توجہ سے ادا کرنا مقصود ہے اور یہی اصل چیز ہے، نماز کی روح ہے یہ، پوری نماز کی جان ہے؛ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب سب سے پہلی جو چیز اٹھائی جائے گی وہ نماز کا خشوع ہے، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن ایک بھی نماز ایسی نہیں جس میں اس کا دھیان ہو۔

خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کا طریقہ

تو بہر حال! اس نماز کو دھیان سے ادا کرنا بڑی اہمیت کی بات ہے، اس نماز کو دھیان سے ادا کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو مختلف طریقے بتلائے، ایک طریقہ یہ بھی ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّکَ تَرَاہُ فَإِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ، فَإِنَّہُ یَرَاكَ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

گویا دورانِ نماز آدمی کو اس انداز سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور کھڑے رہنا چاہیے، گویا میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی آنکھوں

سے دیکھنے کا استحضار ہو۔

آگے فرمایا گیا: اور اگر تم نہیں اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ کیفیت تمھارے دل میں پیدا نہیں ہو رہی ہے اور یہ استحضار نہیں کر پا رہے ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو یہ بات تو ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اگر تم کو یہ کیفیت عطا فرمادے۔

بعضوں کو یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ نماز کی نیت باندھی، بس! ان کا دھیان اللہ کی طرف ہو جاتا ہے، گویا وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور اگر یہ کیفیت حاصل نہیں ہوئی تو بھی ہر مؤمن کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ تو ہمارا سب کا ایمان ہے۔ اب نماز میں دھیان لانے والی اصل چیز تو یہی ہے۔

کام میں خوبی پیدا کرنے والی اصل چیز

غلام کوئی کام کر رہا تو اس کے کام میں جو خوبی آتی ہے، اس میں اصل تو یہی ہے کہ غلام اپنے آقا کو دیکھ رہا ہو۔ کام میں پختگی اور اچھائی کے آنے میں اصل مؤثر چیز غلام کا آقا کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ آقا کا غلام کو دیکھنا ہے۔

ایک مزدور کام کر رہا ہے اور کام کرتے کرتے، اپنے آقا کو دیکھ رہا ہے، آقا سامنے ہے تو وہ کام دھیان سے کرے گا نا، لیکن اگر وہ آقا کو نہیں دیکھ رہا ہے لیکن اس کو یہ معلوم ہے کہ میرا اسیٹھ، میرا آقا مجھ کو آفس میں بیٹھ کر اسکرین (screen) پر میں جو کر رہا ہوں، اس کو دیکھ رہا ہے، تو بھی وہ اسی طرح کام کرے گا، جیسے وہ آقا کو دیکھنے کی صورت میں کام کرتا تھا، تو جب ہمیں یہ خیال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو ہم بھی

نماز اسی طرح دھیان سے پڑھیں گے۔ تو بہر حال! ایک صورت تو نماز کو دھیان سے پڑھنے کی یہ ہے۔

ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھو

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرا طریقہ یہ بتلایا کہ جب تم نماز کو پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ بھائی! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، جیسے ایک آدمی کو پھانسی کی سزا ہوئی اور جب اس کو پھانسی دینے کے لیے لے جا رہے ہیں تو پھانسی دینے والوں کی طرف سے اس کو اجازت دی جاتی ہے کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟ تو بہت سے اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جو اس گھڑی میں کہتے ہیں کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آخری خواہش

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، ان کا قصہ بخاری شریف میں ہے کہ ان کو پھانسی دینے کے لیے لے جا رہے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟ تو انھوں نے دو رکعت نماز کی اجازت مانگی (۱)۔ تو جب پھانسی لگنے سے پہلے آدمی دو رکعت نماز پڑھے گا تو کیسی پڑھے گا؟ آپ بتاؤ! پورے دھیان سے، ذرہ برابر بھی دھیان اِدھر اُدھر نہیں ہوگا۔ مجھے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ ہم جو ابھی عشاء کی نماز

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب هل يستأسر الرجل ومن لم يستأسر ومن ركع ركعتين عند القتل.

پڑھیں گے، وہ ہماری زندگی کی آخری نماز ہوگی تو بتاؤ! ہماری کوشش کیا ہوگی؟ کہ ہمارا پورا دھیان اللہ کی طرف ہو، ذرہ برابر دھیان اِدھر اُدھر نہ ہو۔

موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

تو اب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، یہ کوئی خالی، فرضی چیز نہیں ہے، چوں کہ موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، موت تو آنے والی ہے، یہ ایک حقیقت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کب آئے گی، وہ معلوم نہیں ہے تو اب جب ہمیں حکم فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہوسکتا ہے کہ یہ ہماری آخری نماز ہو، پتہ نہیں اس کے بعد ہمیں نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے تو پورے دھیان کے ساتھ پڑھو، خشوع کے ساتھ پڑھو، دل لگا کر کے پڑھو، پورا دھیان اللہ کی طرف ہو، اس طرح پڑھو، اگر ایسی کوئی ایک نماز ہمیں مل گئی پھر بتاؤ! دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہوجائے گی، جس نے نماز کو پالیا نا، اس نے اپنی زندگی بنالی۔ پہلی بات تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی۔

میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اپنی نمازوں کو درست کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہم پانچ وقت آتے ہیں، الحمد للہ، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی، یہ جو ہم آتے ہیں، یہ بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے، یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے، ہم اللہ کا ایک فریضہ ادا کرتے ہیں اور یہ بھی ہمارے حق میں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کا جتنا شکر ادا کریں، کم ہے۔

یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

ایک آدمی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! میں اللہ کا ذکر تو کرتا ہوں لیکن زبان سے، دل تو پتہ نہیں کہاں کہاں گھومتا ہے۔ تو گویا وہ یوں سمجھا کہ زبان سے ذکر کرنا مفید نہیں ہے۔ اس پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ کا شکر ادا کرو کہ اپنے جسم کا ایک جزء، ایک پارٹ (part) جو ہے اس کو اس نے اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی اور قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراهيم:۷]: اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمت میں اضافہ کروں گا۔ تو اس پر شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ دل کو بھی اپنے ذکر کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

جانتے ہیں اہلِ دنیا جیسی پڑھتے ہیں نماز

تو بہر حال! ہم جو یہ نماز پڑھ رہے ہیں، اگر چہ وہ ہے ٹوٹی پھوٹی لیکن پھر بھی اللہ کا بڑا احسان ہے، البتہ ہمیں اسی پر اکتفا کرنا نہیں چاہیے۔ کسی کی دوکان ٹوٹی پھوٹی ہو تو کیا وہ یہ کہے گا کہ چلو اپنا کام تو ہو جاتا ہے، چاہے ٹوٹی پھوٹی ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہے، کام چل رہا ہے بلکہ اس کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوکان بڑی شان دار بنے اور بہت بڑا اسٹور (store) بن جائے بلکہ دوکان سے آگے فیکٹری تک معاملہ پہنچ جائے گا لیکن یہاں آخرت کے معاملے میں ہم قناعت پسند بنتے ہیں۔ بہر حال! نماز پورے دھیان سے پڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب نعمت

دوسری بات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: لَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا: کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ کہو جس کے متعلق کل تم کو معذرت پیش کرنی پڑے۔ یہ زبان جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب وغریب نعمت ہے، جب سے آدمی نے بولنا سیکھا ہے، تب سے برابر اس کی سروس چالو ہے اور ایسی کہ ہمیں نہ تو اس کی اور ہولنگ (overhauling) کرنی پڑتی ہے، نہ سروس کرانی پڑتی ہے، نہ تیل ڈالنا پڑتا ہے، برابر چل رہی ہے بلکہ بڑھاپے میں آنکھوں کی بینائی گھٹ جاتی ہے، کانوں کی شنوائی میں کمی آجاتی ہے، ٹانگوں کی قوت کم ہو کر کے چلنے پھرنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے لیکن یہ زبان، اس کی قوت کبھی گھٹتی نہیں ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے، گھر کے لوگ بھی بڑے میاں کو کہتے ہیں کہ بڑے میاں! جاؤ، مسجد میں اللہ اللہ کرو، یہاں بک بک نہ کرو۔

زبان کا صحیح استعمال نجات کا ذریعہ ہے

تو بہر حال! یہ زبان جو ہے، وہ اللہ کی عجیب وغریب نعمت ہے، دل میں خیال آیا اور چالو ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے دل کے ساتھ اس کا ایسا کانٹیکٹ قائم کر دیا ہے کہ ہمارے دل میں جو باتیں ہیں، جن کو ہم بولنا چاہتے ہیں، جہاں ہم نے سوچا، ارادہ کیا، چالو ہو گئی تو بہر حال! یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہے، اس کو صحیح طریقے پر استعمال کرنا ہے، عام طور پر لوگ زبان کو استعمال کرنے کے معاملے میں بہت غفلت برتتے ہیں، اسی بنا پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تنبیہ کے ساتھ فرمایا،

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! نجات کا راستہ کیا ہے؟ ہم کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں فرمائیں، ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھو، اس کو کنٹرول میں رکھنے کی ضرورت ہے، بڑی خطرناک چیز ہے۔

زبان کی حفاظت اور ہمارے اسلاف

ایک تابعی ہیں حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور تفسیر میں ان کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ میری زبان درندہ ہے، جنگل کا جو درندہ ہوتا ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑوں گا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔ یہ زبان ہمیں ہلاک کر کے رکھ دیتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور زبان کی حفاظت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زبان کی حفاظت کا اتنا اہتمام کرتے تھے، اتنا اہتمام کرتے تھے کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے گویا لوک کر دیتے تھے، اس کا بھی کوئی لوک ملتا ہو تو لے کر کے لوک کرنے کی ضرورت ہے کہ بھائی اس کو تالے میں رکھو، ورنہ پتہ نہیں یہ ہمیں کہاں سے کہاں لے جائے گی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ میں کنکر رکھا تو یہ اس کو لوک کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی! اندازہ لگاؤ ذرا، نبیوں کے بعد پوری انسانیت میں سب سے افضل کون ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، وہ اپنی زبان کی حفاظت کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور ہم اور آپ لوگ اپنی زبان کو کھلا اور بے لگام

چھوڑ دیتے ہیں، جو چاہیں بولتے ہیں۔

زبان کی حفاظت پر جنت کی ضمانت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اے معاذ! لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز یہ زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی ہے[۱]۔ زبان ہی کی باتوں کے نتیجے میں لوگ جہنم میں جائیں گے، اسی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بخاری شریف میں ہے: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ[۲] جو مجھے اپنے اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان اور اس عضو کی گارنٹی دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ کہ وہ ان دونوں اعضاء کو غلط استعمال نہیں کرے گا، جو مجھے اس کی گارنٹی دے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔

غیبت اور اس کی قباحت

یہ ہمارا عام معمول ہے: بیٹھے ہوئے ہیں، لوگوں کی غیبت ہوگئی، زبان چل رہی ہے اور گویا ہمارا ۲۴ر گھنٹے کا مشغلہ یہی ہے، وقت گذاری کا ذریعہ بنالیا ہے، حالاں کہ قرآن میں بھی غیبت وغیرہ کی ممانعت آئی ہے: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ

(۱) ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ (سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ)

(۲) بخاری شریف، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ.

اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ﴾ [الحجرات:۱۲]: تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کروگے؟ گویا غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا اور غیبت کا مطلب کیا ہے؟ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے جو اس کو معلوم ہو تو اس کو ناگوار گذرے، چاہے اس کی ذات سے متعلق ہو، چاہے اس کی کسی چیز سے متعلق ہو۔ بعض لوگ کیا کہتے ہیں، جب ہم ان کو کہتے ہیں کہ یہ غیبت ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ بات میں نے اس کے سامنے کہی۔ ارے بھائی! سامنے کہہ دے، منع نہیں لیکن یہاں مت کہہ، یہاں بولے گا تو وہ تو غیبت ہی ہے اور حرام ہے؛ اس لیے ہماری زبان کی حفاظت کی انتہائی ضرورت ہے۔ جھوٹ بولتے ہیں، چغلی ہے، بے کار کی گپ شپ کرتے ہیں، بیٹھے بیٹھے ٹائم پاس (timepass) ہو رہا ہے، گویا ٹائم پاس کرنے کے لیے ہمارے پاس اور کوئی چیز ہے ہی نہیں، یہی بس گپ شپ ہے۔ اللہ کی یاد نہیں ہے؟

ہمارے اسلاف کے یہاں وقت کی قدر و منزلت

ہمارے اکابر اسلاف جو تھے، وہ تو ایک ایک منٹ کو قیمتی سمجھتے تھے، ان کے ایسے ایسے حالات ہیں کہ کیا کہوں! ہم تو سنتے ہیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا، ماننے میں نہیں آتا، ایک بزرگ ہیں، وہ روٹی نہیں کھاتے تھے، حضرت علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ، وہ روٹی نہیں کھاتے تھے بلکہ روٹی کے بجائے ستو پھانک لیا کرتے تھے۔ ستو تو جانتے ہو نا؟ گیہوں کو بھون دیتے ہیں، بھون کر پیس لیتے ہیں، پرانے زمانے کا دستور یہی تھا، سفر

میں یہی استعمال کرتے تھے۔آج کل تو انسان بہت ترقی کر گیا ہے، پہلے زمانے میں لوگ جب سفر میں جاتے تو یہی ستو ساتھ لے جاتے، پانی میں بھگویا اور کھالیا، پھانک لیا تو ستو پھانک لیتے تھے۔کسی نے پوچھا: حضرت! آپ روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ تو جواب دیا کہ روٹی کھانے میں دیر لگتی ہے، چبانا پڑتا ہے تو یہ پھانک لیتا ہوں، اس میں میں ۷۰؍ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیتا ہوں، اتنا بڑا فائدہ ہے اور ان کا یہ معمول چالیس سال سے تھا، چالیس سال سے ستو پھانکنے پر اکتفا کرتے تھے ہم اور آپ تو دو مرتبہ بریانی کھا کر بور ہو جاتے ہیں، ہماری طبیعت اکتانے لگتی ہے اور یہ حضرات اللہ کی یاد میں، زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد میں وقت کو گذارنے کے لیے ۴۰؍ سال تک ستو پھانکنے پر اکتفا کرتے رہے، جو آدمی اپنے کھانے کے وقت میں سے وضع کر کے اللہ کی یاد میں لگاتا ہو، وہ دوسرا وقت ضائع اور برباد کر سکتا ہے؟

ہماری ساری قربانیاں دنیا کے لیے ہیں

ہم بھی یہ ساری چیزیں کرتے ہیں لیکن دنیا کے لیے، بہت سے لوگ ہیں جو دوکان پر دن بھر کھانا نہیں کھاتے، کہتے ہیں کہ میں تو صبح کے وقت ناشتہ کر لیتا ہوں پھر شام کو آکر ہی کھاتا ہوں۔دوپہر کے ایک وقت کے کھانے کی قربانی دے دی، پوچھو کہ کتنے سالوں یہ معمول ہے تو کہے گا کہ زندگی گذر گئی، بیس سال سے میرا یہ معمول ہے تو ہم بھی ایسی قربانیاں دے رہے ہیں لیکن دنیا کے لیے دے رہے ہیں اور وہ آخرت کے لیے دیتے تھے۔یہ حضرات نماز کے لیے کھڑے ہیں، رات رات بھر کھڑے ہو کر

قرآن پڑھتے تھے، ان کے پاؤں میں ورم آجاتا تھا، پوری رات اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے میں ان کو مزہ آتا تھا، اب جب یہ قصے ہم سنتے ہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا لیکن میں کہتا ہوں کہ کرکٹ میچ چل رہا ہے اور ٹی وی کے اوپر آرہا ہے، اس کو کھڑے کھڑے دیکھ رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

ایک مرتبہ میں جارہا تھا ہمارے یہاں نوساری تو میں نے ایک جگہ بھیڑ دیکھی، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو کسی نے کہا کہ اندر ٹی وی پر میچ چل رہا ہے، ورلڈ کپ چل رہا ہے۔ اب وہ کھڑا ہے، کھڑا ہے، گھنٹے گذر جاتے ہیں، ذرہ برابر بھی وہاں سے ہٹتا نہیں ہے، اس کے لیے کوئی دشوار نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کا دل اس پر لگا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے دل اللہ کی یاد میں لگے ہوئے تھے، یہ جیسے اس سے لطف حاصل کرتا ہے تو وہ اللہ کی عبادت سے لطف حاصل کرتے تھے تو اس کو دیکھو تو ان کی باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں گی، اللہ تعالیٰ ہمارا یہی شوق، ہمارے یہی جذبات، ہماری انہی صلاحیتوں کو اپنی عبادتوں کی طرف پھیر دے، ورنہ ہم برباد ہوجائیں گے، برباد ہو رہے ہیں لیکن ہمیں اس بربادی کا احساس نہیں ہے: ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا	کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج ہم برباد ہو رہے ہیں اور بربادی کا ہمیں احساس بھی نہیں، یہ اور خطرناک چیز ہے۔ بھائی! ایک آدمی کو لوٹ لیا گیا اور اس کو پتہ ہی نہیں کہ مجھے لوٹ لیا گیا تو پھر تو

وہ اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا، حقیقت یہی ہے۔

پہلے تولو پھر بولو

بہر حال میں یہ عرض کررہا تھا کہ یہ زبان جو ہے، اس کی حفاظت ضروری ہے، اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہو کہ جس کے متعلق کل تمھیں معذرت پیش کرنی پڑے، آج تم نے کوئی بات کہی اور کل تم سے کسی نے کہا کہ بھائی! تم نے کل ایسی بات کہی تھی، آپ کہیں گے کہ ہاں! میری بھول ہوگئی تو بھائی پہلے سے سوچ کر بولتے، پہلے تولو پھر بولو۔ تو بہر حال زبان کی حفاظت کا اہتمام کرو۔

خدا سے مانگ، جو کچھ مانگنا ہے اکبر

اور تیسری بات فرمائی: وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ: اور لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، اس کی طرف سے مکمل مایوسی اختیار کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں حرص اور لالچ کا مادہ رکھا ہے، یہ بھی عجیب بات ہے، کسی مال دار قسم کے آدمی کو دیکھتے ہیں تو اس کے متعلق دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی خدمت کروگے تو کچھ مل جائے گا، دنیا مل جائے گی، یہ حرص اور لالچ ایسی ہے کہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ یہ مجھے کچھ دے گا، وہ مجھے کچھ دے گا، یہ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف نگاہ جاتی ہے، سوچتا ہے کہ اس سے مجھے دنیوی فائدہ حاصل ہوجائے گا تو کہا جارہا ہے کہ لوگوں کی طرف سے نگاہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھو، جس ذات نے بغیر مانگے سب کچھ دیا

ہے، یہ جسم، اس کی تن درستی، یہ سب کچھ، ہم مانگنے گئے تھے؟ ایک ایک چیز کس قدر قیمتی ہے، ایک آنکھ! اس کی قیمت لگاؤ، آج کسی کی آنکھ ختم ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے لاکھوں، کروڑوں روپے خرچ کریں گے، اسی طرح زبان، کان تو اللہ تعالیٰ نے اتنی ساری نعمتیں جو ہزاروں، لاکھوں کی مفت میں دے رکھی ہیں تو دنیا کی معمولی نعمتیں ہم کو نہیں دے گا؟ ہمیں دوسروں پر نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نگاہ صرف اللہ تعالیٰ پر کی جائے، وہ دینے والا ہے، اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:

خدا سے مانگ، جو کچھ مانگنا ہے اکبر	یہی وہ در ہے کہ جہاں آبرو نہیں جاتی

سمجھتا ہے خدا کو صرف جو حاجت روا اپنا

دنیا کا حال تو یہ ہے کہ کسی سے بھی مانگو نا، وہ بڑے سے بڑا کیوں نہ ہو، ارے سب سے قریبی، بیٹا باپ سے مانگے نا کہ ابا! دو، ابا نے دئے، کتنے؟ ایک ہزار پورے دو، دے دیئے، اب آدھے گھنٹے کے بعد پھر آیا کہ ابا! دو، پھر دئے، پھر آدھے گھنٹے کے بعد آیا اور کہا: ابا! دو، پھر دئے، چار پانچ مرتبہ ہوا، چھٹی مرتبہ آیا تو ابا کیا کہیں گے؟ کہ کوئی دھندا ہے کہ نہیں! حالاں کہ مانگنے والا کون ہے؟ بیٹا ہی ہے پھر بھی دینے سے انکار کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں ہے، تم چار پانچ کیا، پچاس مرتبہ، پانچ سو مرتبہ مانگو تو اس پر وہ ناراض نہیں بلکہ خوش ہو جائیں گے، جتنا مانگو گے، خوش ہوگا، یہ ہے شان اللہ کی کہ بندہ اس سے نہیں مانگتا تو اللہ اس سے ناراض ہوتے ہیں اور جب بھی مانگتا ہے، دیتے ہیں، بعض اسی وقت دیتے ہیں، بعض کو ہم نے اپنی نادانی کی وجہ سے

مانگ لیا تھا لیکن وہ ہمارے مناسب نہیں تو اس کو جمع رکھتے ہیں، آخرت میں دیں گے، کوئی دعا ایسی نہیں جو خالی جاتی ہو، ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی رہے، کچھ کا دنیا میں ملتا ہے، کچھ کا آخرت میں ملے گا۔

کسی کے در پہ جا کر وہ کبھی سائل نہیں ہوتا

تو بہر حال! مانگنے کی جگہ تو وہ ہے؛ اس لیے لوگوں کے پاس جو ہے، اس سے نگاہ کو ہٹالو، مایوس ہو جاؤ مکمل طور پر۔ اللہ کے وہ بندے جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، انھوں نے اپنے دل کو اللہ کے ساتھ لگایا ہوتا ہے، ان کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ دنیا والوں کی دولت کی او پر ان کی کوئی نظر نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے استغناء کا ایک واقعہ

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، پیرانِ پیر، غوثِ پاک، ان کا واقعہ ہے کہ سلطان سنجر جو تھا، وہ ان کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی حکومت بڑی پھیلی ہوئی تھی، اس نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں اتنے سارے مہمان آتے ہیں، لنگر چل رہا ہے اور اتنا سارا خرچ! حالاں کہ حضرت کی نہ کوئی کھیتی باڑی ہے، نہ کوئی تجارت ہے، نہ کوئی فیکٹری ہے، کہاں سے سب چلتا ہوگا! اس نے اپنا ایک پورا اسٹیٹ (state) صوبہ جس کا نام تھا نیمروز- نیمروز یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، اب یہ صوبوں کے نام، شہروں کے نام، ملکوں کے نام تو ایسے ہی ہوتے ہیں تو نیمروز فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ ہوتا ہے: دوپہر، مڈ دے (midday)، اس کو فارسی میں نیمروز کہتے ہیں- تو نیمروز ایک بڑے

صوبے کا، اسٹیٹ کا نام تھا۔

زانگاہ کہ یافتم خبر ایں ملکِ نیم شب

تو سلطان سنجر نے جاگیر کے طور پر لکھ کر کے حضرت کو بھیج دیا کہ آپ کو یہ صوبہ جاگیر کے طور پر پیش کرتا ہوں، اس کی پوری آمدنی آپ کی نذر کرتا ہوں تو حضرت نے اس کے پیچھے جواب میں لکھ دیا: ؎

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد		در دل بود گر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر زملکِ نیم شب		من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم

کہ سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح، پہلے زمانے میں بادشاہ ہوتے تھے، وہ جب دربار لگاتے تھے تو اوپر ایک بڑا سائبان سا ہوتا تھا کالے رنگ کا، وہ چتر کہلاتا ہے تو فرمایا: سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح میرا نصیبہ بھی کالا ہو جائے۔ گر در دلم بود ہوس ملک سنجرم: اگر میرے دل میں سنجر بادشاہ کے ملک کی ذرا برابر بھی خواہش ہو۔

زانگاہ کہ یافتم خبر ایں ملکِ نیم شب: جب سے آدھی رات کے ملک کا پتہ چلا ہے، آدھی رات کو اللہ کے سامنے کھڑے رہ کر راز و نیاز کرنا، اللہ سے مانگنا، جب سے یہ ملک میرے ہاتھ میں آیا ہے، من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم: یہ نیمروز کا ملک ایک جو کے بدلے میں بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی نگاہ صرف اللہ کی طرف جانی چاہیے، یہ تیسری بات فرمائی۔

بہر حال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تین نصیحتیں فرمائیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو ایک ایک بول ایسا قیمتی ہے کہ ساری کائنات مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی قدر دانی اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔